مقامِ رسالت
علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام
مقامِ رسالت، مقامِ حدیث، تدوینِ حدیث، کُتب حدیث استخفاف حدیث
اور فتنہ انکارِ حدیث پر ایک مختصر، مدلل اور عام فہم علمی و تحقیقی کاوش
www.KitaboSunnat.com
تالیف
مولانا حکیم محمد ادریس فاروقی رحمہ اللہ
بانی وسابق چیف ایڈیٹر ماہنامہ ضیائے حدیث لاہور
نظرثانی وتخریج
مولانا محمد ارشد کمال حفظہ اللہ
اللہ رسول محمد
مسلم پبلیکیشنز
MUSLIM PUBLICATIONS

مقامِ رسالت علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام

مقامِ رسالت، مقامِ حدیث، تدوینِ حدیث، کتبِ حدیث، استخفافِ حدیث اور فتنۂ انکارِ حدیث پر ایک مختصر، مدلل اور عام فہم علمی و تحقیقی کاوش

تالیف

مولانا حکیم محمد ادریس فاروقی رحمہ اللہ
بانی و سابق چیف ایڈیٹر ماہنامہ ضیائے حدیث لاہور

نظرِ ثانی و تخریج

مولانا محمد ارشد کمال حفظہ اللہ

مسلم پبلیکیشنز
12، عثمان غنی روڈ، سنت نگر، لاہور
0322-4044013, 042-37249678

مقامِ رسالت ﷺ

تالیف

مولانا حکیم محمد ادریس فاروقی رحمہ اللہ
بانی وسابق چیف ایڈیٹر ماہنامہ ضیائے حدیث لاہور

نظرثانی وتخریج

مولانا محمد ارشد کمال حفظہ اللہ

کمپوزنگ .... محمد رمضان شاد
سرورق .... ضیاء الرحمن
تیسرا ایڈیشن .... جنوری 2014ء
تعداد 1100

مسلم پبلیکیشنز
MUSLIM PUBLICATIONS

مؤسس
مولانا حکیم محمد ادریس فاروقی رحمہ اللہ
(1944ء تا 2010ء)

12، عثمان غنی روڈ، سنت نگر، لاہور
0322-4044013, 042-37249678

«اَلَا اِنِّیْ اُوْتِیْتُ الْقُرْآنَ وَمِثْلَهٗ مَعَهٗ»

''خبردار! مجھے قرآن اور اس کی مثل ایک اور چیز (حدیث) دی گئی ہے۔'' [ابوداود، کتاب السُّنَّة، باب فی لزوم السنة، رقم 4604 و سنده صحیح]

گروہ ایک جویا تھا علم نبی ﷺ کا
لگایا پتہ جس نے ہر مفتری کا
نہ چھوڑا کوئی رخنہ کذبِ خفی کا
کیا قافیہ تنگ ہر مدّعی کا
کیے جرح و تعدیل کے وضع قانوں
نہ چلنے دیا کوئی باطل کا افسوں
کیا فاش راوی میں جو عیب پایا
مناقب کو چھانا مثالب کو تایا
مشائخ میں جو قبح نکلا، جتایا
ائمہ میں جو داغ دیکھا بتایا
رجال اور اسانید کے جو ہیں دفتر
گواہ ان کی آزادگی کے ہیں یکسر
نہ تھا ان کا احسان یہ اہل دیں پر
وہ تھے اس میں ہر قوم و ملّت کے رہبر

(حالی مرحوم)

اَهْلُ الْحَدِيْثِ الَّذِيْنَ يَنْتَحِلُوْنَ السُّنَنَ وَيَذُبُّوْنَ عَنْهَا وَيَقْمَعُوْنَ مَنْ خَالَفَهَا.

''اہل حدیث سنت رسول پر عمل کرتے ہیں، اس کا دفاع کرتے ہیں اور مخالفین کا قلع قمع کرتے ہیں۔'' [امام ابن حبان رحمہ اللہ، صحیح ابن حبان: 6129]

''ہر ایک بانی کی سیرت سے اس کے تحریری مکاشفات کی تکمیل ہوتی ہے چنانچہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں، امرِ حق کی جامع نصیحتیں اور ان کے افعال مجسّم نیکی کے نمونے ہیں۔'' (ایڈورڈ گبن) (تاریخ زوالِ روم 50/5)

''مسلمان جب قرآن وحدیث پر غور کریں گے تو ہر دینی و دنیوی ضرورت کا علاج اس میں پائیں گے۔'' (ٹالسٹائی) (اخبار وطن مصر)

''اس (حدیث) سے بہتر کوئی دستور العمل انسان کے عملاً نیکی کی طرف راغب اور بدی سے محترز کرنے کے لیے نہیں ہوسکتا۔'' (ھائنٹگر)

(تمدنِ عرب از ڈاکٹر موسیو لیبان)

فہرست

- عرضِ ناشر ... 15
- پیش لفظ ... 17
- مؤلف ''مقامِ رسالت'' مولانا حکیم محمد ادریس فاروقی جوارِ رحمت میں ... 19
  - مولانا سے پہلی ملاقات اور اس کا سبب ... 22
  - دوسری ملاقات ... 25
  - آخری ملاقات اور مولانا کا سفرِ آخرت ... 27
- دیباچہ ... 34

باب 1 — حدیث اور مقامِ حدیث ... 41

- حدیث اور مقامِ حدیث ... 42
  - حدیث ... 42
  - اثر ... 46
- ائمہ کرام رحمہم اللہ ... 48
  - ایک ضروری وضاحت؟ ... 51
  - امامت ... 52
- قرآن بھی حدیث ہے ... 54

- فضائل حدیث 56
- مقامِ حدیث 58
- ایک غلط فہمی 59
- مقامِ رسالت 60
- ہمارا ایک جدید طبقہ 62

■ مقامِ رسالت قرآن مجید کی نگاہ میں 64

- مقامِ رسالت صحابہ رضی اللہ عنہم کی نگاہ میں 67
- صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا طرزِ عمل 68
- فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کا طرزِ عمل 70
- سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ وسیدنا علی رضی اللہ عنہ کا طرزِ عمل 72

■ مقامِ رسالت ائمہ کرام رحمہم اللہ کی نگاہ میں 75

- امام شافعی رحمہ اللہ 75
- امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ 77
- امام مالک رحمہ اللہ 77
- امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ 77
- امام زُفر رحمہ اللہ 79
- حاصل کلام 79
- اہل حدیث اور دوسرے فرقے 80

باب:2 تدوینِ حدیث 83

■ تدوینِ حدیث 84

- علوم تدوین حدیث 93

■ علم اسماء الرجال 96

■ علم اصولِ حدیث 98

- خبر مقبول 98
- خبر مردود 98
- حدیث مقبول کی اقسام 99
- حدیث غیر مقبول (مردود) کی اقسام 99
- ضعیف حدیث 99

■ حدیث کے متعلق شبہات کا ازالہ 100

- پہلا شبہ: نبی ﷺ نے کتابت حدیث سے منع فرمایا تھا 100
- ازالہ 100
- دوسرا شبہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ روایت کرنے سے روکتے تھے 101
- ازالہ 102
- تیسرا شبہ: کثرت روایات کی بنا پر تمیز ممکن نہیں 103
- ازالہ 103
- امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور علامہ ابوالملیح رحمہ اللہ کا شاندار استدلال 103

باب:3 حدیث اور سلف صالحین 105

■ حدیث اور سلف صالحین 106

■ صحابہ رضی اللہ عنہم کی حدیث میں احتیاط 109

- عہد صحابہ رضی اللہ عنہم میں مدارس 111

* صحابہ رضی اللہ عنہم کے بعد حدیث کے مدارس ... 112
* تابعین رحمہم اللہ کی حدیث کے بارے میں محنت اور احتیاط ... 113

تعارف کتبِ حدیث 117

* تعارف کتبِ حدیث ... 118
* کتب حدیث ... 121
  * ① صحیح بخاری ... 122
  * ② صحیح مسلم ... 123
  * ③ سنن ابی داود ... 124
  * ④ جامع ترمذی ... 124
  * ⑤ سُنن نسائی ... 125
  * ⑥ سُنن ابن ماجہ ... 125
* صحاح ستّہ کے علاوہ کتُب حدیث ... 126
  * موطا امام مالک ... 126
  * مسند ابی داود طیالسی ... 126
  * مصنّف عبدالرزاق ... 126
  * مصنّف ابن ابی شیبہ ... 127
  * سنن دارمی ... 127
  * مسند امام احمد ... 127
  * مسند بزار ... 128
  * مسند ابو یعلی ... 128

- المنتقیٰ ... 128
- معانی الآثار ... 128
- معجم طبرانی ... 128
- صحیح ابن حبان ... 128
- سنن دار قطنی ... 129
- مستدرک حاکم ... 129
- سنن کبریٰ ... 129
- صحیح ابن خزیمہ ... 129
- مسند حمیدی ... 130
- مسند ابی عوانہ ... 130

کُتُب حدیث کی اقسام ... 131

- الجامع ... 131
- السنن ... 131
- المُسند ... 131
- الجزء ... 131
- المستخرج ... 132
- المستدرک ... 132
- کتاب العلل ... 132
- الاطراف ... 132
- التخریج ... 132

- المعجم 133
- الاربعین 133

باب 5: طبقاتِ کتبِ حدیث 134

- طبقاتِ کتبِ حدیث 135
  - طبقہ اول 135
  - طبقہ دوم 136
  - طبقۂ سوم 136
  - طبقہ چہارم 136
  - طبقہ پنجم 136
- کتبِ شیعہ 136
  - اختلافِ فکر 137

باب 6: اختلاف اور اُس کی وجوہات 140

- اختلاف اور اُس کی وجوہات 141
- اربابِ تقلید و جمود 145

باب 7: فتنہ انکارِ حدیث 151

- فتنہ انکارِ حدیث 152
- منکرین حدیث کے طبقات 155
  - طبقہ اُولیٰ 155

● طبقہ ثانیہ 155

● طبقہ ثالثہ 156

● طبقہ رابعہ 156

● طبقہ خامسہ 157

● طبقہ سادسہ 157

■ قادیانیت 158

● منکرین حدیث کے شگوفے 159

■ محدّثین رحمہم اللہ کے کارنامے 161

■ اصحاب حدیث کی ہندوستان میں آمد 161

■ ہندوستان میں اہل حدیث اور ان کی خدمات 165

■ تاریخ فتنہ انکار حدیث 170

■ حضور اکرم ﷺ کی پیش گوئی 171

● جدوَل 172

■ مولانا مودودی رحمہ اللہ کا نظریہ حدیث 177

■ حدیث کی ضرورت واہمیت 183

باب:8 قرآن وحدیث کا باہمی تعلق 193

■ قرآن وحدیث کا باہمی تعلق 194

■ حفاظت قرآن کا مسئلہ 197

■ منکرین حدیث کی بنیادی غلطیاں 199

- پہلی غلطی ... 199
- دوسری غلطی ... 200
- تیسری غلطی ... 203
- چوتھی غلطی ... 204
- حدیث کی جانچ پرکھ کا ایک طریق ... 207

باب 9 منکرینِ حدیث کے اعتراضات کا جائزہ 211

- منکرینِ حدیث کے اعتراضات کا جائزہ ... 212

اعتراض: 1 حدیث کا ذکر قرآن میں نہیں ... 212

اعتراض: 2 قرآن میں ہر چیز کی تفصیل ہے تو پھر حدیث کی کیا ضرورت؟ ... 214

اعتراض: 3 قرآن آسان ہے، حدیث کے بغیر سمجھ آ سکتا ہے ... 215

اعتراض: 4 قرآن کے سوا ہر لکھی چیز مٹانے کا حکم نبوی ... 219

اعتراض: 5 نبی ﷺ پر جھوٹ بولنے والا جہنمی ہے، لہٰذا احتیاط ضروری ہے ... 220

اعتراض: 6 سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا ''حسبنا کتاب اللہ'' کا اقرار ... 222

اعتراض: 7 احادیث دوسری صدی میں لکھی گئیں! ... 226

اعتراض: 8 اکثر احادیث دشمنانِ دین نے وضع کیں ... 226

اعتراض: 9 احادیث قرآن سے متعارض ہیں ... 228

اعتراض: 10 احادیث عقل کے خلاف ہیں ... 233

اعتراض: احادیث باہم متعارض ہیں 238

پہلی مثال 238

دوسری مثال 239

تیسری مثال 240

چوتھی مثال 241

پانچویں مثال 242

احادیث کے ظاہری تضاد کا حل 243

اعتراض: احادیث کو ماننے سے انبیاء کی توہین لازم آتی ہے 244

سہو ونسیان 244

سحر و جادو 246

اعتراض: محدثین زیادہ تر فارسی تھے اس لیے یہ فارسیوں کی سازش تھی 249

اعتراض: کثرت احادیث خود ساختگی کی دلیل ہیں 253

اعتراض: احادیث ظنی ہیں 255

اعتراض: احادیث میں عریانیت ہے 256

اعتراض: محدثین انسان ہی تھے اور انسان سے غلطی ہو جاتی ہے 260

اعتراض: جو بات ایک شخص نے روایت کی ہو اس میں غلطی کا احتمال ہے 262

باب 10: انکار حدیث کے عوامل 266

- انکار حدیث کے عوامل 267
  - ① جہالت 267
  - ② تقلید و جمود 268
  - ③ آزادی فکر 269
  - ④ پابندیوں سے رہائی 270
  - ⑤ علمائے کرام سے ضد 271
  - ⑥ اتباعِ حق کا جھوٹا جذبہ 272
  - ⑦ عقل وہوٰی کی پیروی 273
  - ⑧ اسلام کے خلاف سازش 276
  - ⑨ منکرین حدیث کا پروپیگنڈہ 277
  - ⑩ ایمانی حس کا فقدان 278
- خاتمہ 281
- حرفے چند 283

عرضِ ناشر

’’مقام رسالت‘‘ اپنے موضوع پر ایک منفرد کتاب ہے۔ اس کتاب میں جو بات بنیادی طور پر بیان کی گئی ہے وہ حضور اکرم ﷺ کا مقام و مرتبہ ہے۔ مولانا محمد ادریس فاروقی رحمہ اللہ نے یہ واضح کیا ہے کہ یہ فرقہ بندی محض مقامِ رسالت کو نہ سمجھنے کی بنا پر وجود میں آئی ہے۔ اگر سب مسلمان ایک ہونا چاہتے ہیں تو ان کے لیے ضروری ہے کہ وہ مقامِ رسالت کو سمجھیں اور اسی طرح سمجھیں جس طرح قرآن و حدیث کو خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم، صحابہ رضی اللہ عنہم و اہل بیت رضی اللہ عنہم، فقہا اور محدّثین رحمہم اللہ نے سمجھایا ہے۔

’’مقام رسالت‘‘ تحقیق و تفحّص سے لکھی گئی ہے۔ خصوصاً زیرِنظر کتاب میں حدیث کی اہمیت اور مقام اور اس کے مقابلے میں منکرینِ حدیث کے اعتراضات کا جائزہ لے کر ان کا مدلل جواب دیا گیا ہے۔ نیز فتنہ استخفاف حدیث کا بھی بڑا فاضلانہ اور محققانہ جائزہ بھی لیا گیا ہے۔

یہ کتاب آسان بھی ہے اور دلچسپ بھی۔ اس کا مطالعہ عالم و عامی، پختہ و ناپختہ ہر ایک کے لیے مفید ہے۔ خاص طور پر ان لوگوں کے لیے بہت مفید ہے جو مختلف جماعتوں اور تنظیموں کے ہتھے چڑھے ہوئے ہیں اور طرح طرح کے شکوک و شبہات میں گرفتار اور بھول بھلیوں میں گھرے ہوئے ہیں۔ ایسے لوگ ’’مقام رسالت‘‘ کے مطالعے سے بڑی جلدی صحیح اور سیدھی لائن پر گامزن ہو سکتے

ہیں۔ ان شاء اللہ۔

مؤلف رحمہ اللہ اس کتاب پر نظر ثانی کرتے ہوئے اس دنیا سے رخصت ہوئے کہ ان کے سامنے یہ کتاب کھلی پڑی تھی اور ہاتھ میں قلم تھا۔ اور اس وقت ان کے ساتھ مولانا محمد ارشد کمال حفظہ اللہ اسی کتاب کے متعلق آراء دے رہے تھے۔ مولانا ارشد کمال صاحب نے ان لمحات کو بڑے عمدہ پیرائے میں قلمبند کیا تھا، جو رسائل کی زینت بھی بنا اور کتاب کے آغاز میں ان کا یہ مضمون بھی شامل کیا گیا ہے۔

مؤلف رحمہ اللہ کی خواہش کے مطابق مولانا ارشد کمال صاحب سے اس کی نظر ثانی اور تخریج کا کام بھی کرایا گیا۔ اس سلسلے میں میں مولانا ارشد کمال حفظہ اللہ اور مؤلف کے ہمدم دیرینہ مولانا عمران فردوسی کا شکر گزار ہوں کہ انھوں نے کتاب کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔ اسی طرح مؤلف کے بیٹے برادرم محمد نعمان فاروقی بھی میرے شکریے کے مستحق ہیں کہ انھوں نے بڑی لگن سے کتاب کی تبویب بھی کی اور اس کی تیاری کے تمام مراحل کو بڑی عمدگی سے طے کیا اور فائنل پروف ریڈنگ بھی کی۔ اسی طرح محمد رمضان شاد صاحب بھی میرے شکریے کے مستحق ہیں کہ انھوں نے بڑی لگن سے اس کی کمپوزنگ اور تیاری کی ہے۔ اللہ ان سب احباب کو جزائے خیر سے نوازے اور اس کتاب کو مسلمانوں کے لیے نفع بخش بنائے۔ آمین

یہ کتاب کتابت، طباعت، کاغذ، جلد اور سائز غرض ہر اعتبار سے تکمیل بردوش ہے۔ ادارے نے اس کا ہر پہلو جاذب نظر اور معیاری بنانے کی کوشش کی ہے۔ وللہ الحمد

محمد نعمان فاروقی

ڈائریکٹر مسلم پبلی کیشنز۔ لاہور

جنوری 2014ء – ربیع الاول 1435ھ

پیش لفظ

یہ کتاب آج یعنی 1988ء سے 18 برس قبل 1970ء میں بندہ نے اس وقت شائع کی جبکہ کوئٹہ آئے ابھی دو برس ہوئے تھے۔ بندہ کا شروع سے موقف رہا ہے کہ زبان اور عمل کے علاوہ قلم سے بھی اسلام کی اشاعت ہونی چاہیے۔ چنانچہ اسی جذبے کے تحت یہ کتاب طبع ہوئی۔

کتاب ہذا کے دو حصے ہیں۔ پہلے حصے میں حدیث کی ضرورت واہمیت وغیرہ بیان ہوئی جبکہ دوسرے حصے میں تقلیدِ جامد کی فتنہ سامانیوں پر روشنی ڈالی گئی ہے اور مسلکِ حق واضح کیا گیا ہے۔ مقصد یہ تھا کہ اہل حدیث حضرات کو اپنے مسلک کی پہچان کرائی جائے تاکہ وہ اپنے مقام سے آشنا ہوں۔ اور مقلدین میں بھی فریضہ تبلیغ ادا کیا جائے تاکہ وہ بھی تقلید کورانہ کی دلدل سے نکل کر مسلکِ اعتدال پر جادہ پیما ہوسکیں۔ بحمد اللہ جب یہ کتاب چھپی اسی سال ختم ہوگئی۔ اور بعض حلقوں میں اس پر بہت نقد وجرح ہوئی۔ چونکہ باتیں صاف اور سیدھی تھیں بنا بریں کتاب کی کہیں سے تردید شائع نہیں ہوئی۔

کتاب ہذا میں کافی حک واضافہ ہوا ہے۔ نام ''انوار حدیث'' کی بجائے ''مقام رسالت'' رکھ دیا گیا ہے۔ پہلے سائز چھوٹا اور کتابت وطباعت گوارا تھی اب سائز بڑا، اور کتابت وطباعت معیاری ہے۔ پہلے کتاب مختصر تھی اب اس میں خاطر خواہ اضافہ کردیا گیا ہے۔

''مقام رسالت'' کا پیرایہ عام فہم اور آسان ہے مقصد یہ ہے کہ ہر قاری اپنی نظری و فکری کوتاہیوں پر متنبہ ہو کر بآسانی منزل تک پہنچ جائے۔

ارباب علم و دانش سے گذارش ہے کہ اگر اس کتاب میں کوئی تسامح نظر آئے تو ہمیں مطلع فرمائیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اس کی اصلاح کر دی جائے۔

ہمیں اس کتاب کی کسی ایسی عبارت پر اصرار نہیں جو واقعتہً غلط ہو۔ اگر کوئی دوست بدلائل وشواہد کسی عبارت کو غلط ثابت کر دے تو ہمیں اس عبارت کو بدلنے میں کوئی تعرض نہ ہوگا۔ ہم اتنا عرض کر دینا ضروری سمجھتے ہیں کہ ہم نے اپنی جانب سے ابلاغ حق وصداقت کا فریضہ ادا کیا ہے۔ اور موضوع کو صحیح صحیح صاف صاف بیان کیا ہے۔ اور معزز قارئین کو جو بات کھٹکے یا گراں گزرے اس کا دو تین بار ضرور مطالعہ فرمالیں۔ غالباً انہیں زیادہ اختلاف کی گنجائش نہ رہے گی۔

مخلص

محمد ادریس فاروقی (رحمہ اللہ)

02-02-1988

مؤلف ''مقامِ رسالت'' مولانا حکیم محمد ادریس فاروقی جوارِ رحمت میں

از مولانا محمد ارشد کمال [1]

یلوح الخط فی القرطاس دهرا وکاتبه رمیم فی التراب

خاک میں مل جائے گا جب میری ہستی کا نشاں
یادگار زیست تازہ ہو گی میری اس تحریر سے

انسان کی اس حیات مستعار میں نہ جانے کتنے ہی لوگ آتے ہیں اور کتنے راہی ملک بقا ہوتے ہیں۔ ملک بقا کے ان راہ روان میں اکثر تو صرف چند لوگوں کے لیے ہی صدمے کا باعث بنتے ہیں مگر بعض اللہ والے ایسے بھی ہوتے ہیں جن کی الفت ومحبت اور پیار وشفقت کی وجہ سے ان کی جدائی لوگوں کے دلوں کو ویران کر جاتی ہے۔ ان کی حسین یادیں دلوں کو تڑپاتی اور آنکھوں کو رُلاتی ہیں، ان کی جدائی اور غم کے زخموں کا اثر وہاں تک جاتا ہے جہاں تک اس شخصیت کی محبت کا جال پھیلا ہوتا ہے۔ یہ زخم بھی کوئی ایسے معمولی نہیں ہوتے جو جلد مندمل ہو جائیں بلکہ ان کی ٹیس وخلش اور درد وتکلیف مدتوں محسوس ہوتی رہتی ہے ۔

[1] مولانا ارشد کمال مضمون نگار ہی نہیں بلکہ مؤلف ومحقق بھی ہیں۔ مولانا ادریس فاروقی رحمہ اللہ کے آخری وقت میں ان کے ساتھ تھے۔ انھی آخری لمحات کو انھوں نے اس مضمون میں قلمبند کیا تھا۔ ان کی خواہش پر اس مضمون کو کتاب میں شامل کیا جا رہا ہے۔

جن کی رفاقتوں کو نہ بھولے گا دل کبھی
تنہا ہمیں وہ چھوڑ کر نہ جانے کدھر گئے

میرے نزدیک جناب مولانا محمد ادریس فاروقی جنھیں اب مرحوم لکھتے ہوئے قلم کانپ رہا ہے، کلیجہ لرز رہا ہے انھی معدودے چند شخصیات میں سے ہیں جن کی ناگہانی وفات کا صدمہ اور غم ہمارے دلوں میں گھر کر چکا ہے۔ واللہ! میرے ان سے اتنے گہرے تعلقات تو نہ تھے جتنے گہرے زخم ان کی جدائی کے لگے ہیں۔

5 جون دن ساڑھے گیارہ بجے کا وہ وقت نہ ابھی تک بھولا ہے نہ بھول پایا ہوں اور نہ ہی شاید زندگی میں اسے بھول پاؤں کہ جب علم وعمل کے اس درخشنداں ستارے کو اپنے سامنے اپنے ہی ہاتھوں میں سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے عالم جاوداں کی طرف رختِ سفر باندھتے دیکھا، اور حقیقت تو یہ ہے کہ میرے لیے آپ کی اس ناگہانی وفات کا واقعہ اور صدمہ ایسا نہیں جسے آسانی کے ساتھ بھول سکوں۔

جون 2001ء کی بات ہے کہ میں نے اپنے محسن شیخ جناب مولانا عبدالرشید راشد رحمہ اللہ کے گھر لائبریری میں کتاب ''مقامِ رسالت'' پہلی دفعہ دیکھی جس کے مؤلف جناب مولانا محمد ادریس فاروقی رحمہ اللہ تھے۔ پہلے تو ذہن میں آیا کہ شاید یہ جماعت الدعوۃ کے مولانا ادریس فاروقی ہیں لیکن پھر خیال آیا کہ وہ تو مصنف نہیں۔ خیر ابھی میں نے اس کتاب کے چند صفحات ہی ملاحظہ کیے تھے کہ اتنے میں استاذ محترم تشریف لے آئے۔ میں نے پوچھا: شیخ! اس کتاب کے مولف جماعت الدعوۃ کے مولانا ادریس فاروقی ہیں یا کوئی اور؟

استاد محترم نے اپنے مخصوص انداز میں مسکراتے ہوئے فرمایا: یہ وہ نہیں جو آپ سمجھ رہے ہیں۔

یہ پہلا موقع تھا جب میں مولانا ادریس فاروقی کے نام سے متعارف ہوا۔ مجھے کتاب پسند آئی، مولف کا انداز انتہائی ناصحانہ اور دردمندانہ تھا، لہٰذا میں نے یہ تہیہ کرلیا کہ یہ کتاب جہاں سے بھی ملی اسے ضرور حاصل کروں گا۔

میرا وہ طالب علمی کا زمانہ تھا۔ طالب علمی کا دور بھی کیا عجیب دور ہوتا ہے، پڑھائی کے بعد جب چھٹی ہوتی تو اکثر و بیشتر میرا رخ اردو بازار ہی کی طرف ہوتا۔ ہفتے میں دو تین بار ضرور چکر لگتا جس دن جانا ہوتا بڑی خوشی ہوتی کہ آج اُردو بازار جانا ہے۔ دورانِ تعلیم گھر سے جو جیب خرچ ملتا اس کی کتابیں ہی خریدتا بلکہ کئی دفعہ تو ابو سے ڈانٹ بھی پڑی کہ اپنی "بوتھی" دیکھو ہم پیسے دیتے ہیں کہ کھایا پیا کرو، صحت بناؤ مگر تم کتابیں ہی خریدتے ہو اتنی کتابیں خرید کر کیا کرنی ہیں؟

بار ہا ایسا بھی ہوا کہ ٹاؤن شپ سے بائیسکل پر اردو بازار گیا تا کہ جو بیس تیس روپے کرایے میں خرچ ہونے ہیں کوئی چھوٹی موٹی کتاب ہی آ جائے گی۔ اب جب سے "مقام رسالت" پر نظر پڑی تھی تو اس کے حصول کے لیے کوشاں ہوگیا تھا۔ جہاں تک ممکن ہو سکا اسے تلاش کیا مگر ہر بار یہی جواب ملتا کہ بہت پہلے چھپی تھی اب نایاب ہے۔ بہر حال من جدو جد ایک دن اُردو بازار میں یونہی ایک مکتبے پر کتابیں دیکھنے لگا کہ اچانک "مقامِ رسالت" پر نظر پڑی، کتاب کی حالت کافی خستہ تھی گرد و غبار پڑنے کی وجہ سے نام بھی صحیح طرح پڑھا نہیں جا رہا تھا۔ میں نے کتاب پکڑ کر رومال سے صاف کی، قیمت

پوچھی تو انھوں نے کہا: ساٹھ روپے۔ میں نے فوراً پیسے نکال کر انھیں دیے اور کتاب لے کر خوشی خوشی گھر آ گیا۔ اچھی طرح یاد ہے کہ دو دن میں مکمل کتاب ختم کر لی تھی۔

اس کے بعد مولانا کی اور بھی کتابیں سامنے آئیں جنھیں پڑھنے سے اندازا ہوا کہ موصوف سوہدروی خاندان کے سپوت ہیں اور سوہدروی خاندان کسی تعارف کا محتاج نہیں۔

مولانا سے پہلی ملاقات اور اس کا سبب

مارچ 2010ء کی بات ہے کہ میں نے ''گیارہویں'' کے متعلق مضمون لکھ کر ماہنامہ ''ضیائے حدیث'' کو بھیجا۔ ایک دن صبح صبح تقریباً ساڑھے چار بجے کے قریب فون آیا، علیک سلیک کے بعد فرمانے لگے: ماہنامہ ''ضیائے حدیث'' کے دفتر سے ادریس فاروقی بول رہا ہوں۔ میں نے خوشی سے ماشاء اللہ اھلاً وسھلاً کہا اور پوچھا: شیخ خیریت تو ہے جو اس وقت تکلیف فرمائی؟

کہنے لگے: نہیں بلکہ تکلیف دی۔ دراصل آپ کا مضمون کمپوز ہو گیا تھا میں اس کی پروف ریڈنگ کر رہا تھا، درمیان میں ۔سے کچھ صفحات غائب ہیں، ذرا دیکھیے گا شاید کہیں آپ کے پاس نہ رہ گئے ہوں۔ میں نے کہا ضرور میں آج ہی دیکھ کر اگر مل گئے تو پہنچا دوں گا۔

میں نے تلاش کیے تو وہ صفحات میرے پاس ہی تھے، مضمون بھیجتے وقت غلطی سے رہ گئے تھے۔ میں وہ صفحات لے کر دفتر ماہنامہ ''ضیائے حدیث'' گیا جہاں مولانا ادریس فاروقی کے علاوہ آپ کے فرزند ارجمند مولانا نعمان فاروقی اور بھائی

جعفر طیار تشریف فرما تھے۔

قدرے درمیانہ قد، خوبصورت نورانی چہرہ، سر پر سندھی ٹوپی، شلوار قمیص میں ملبوس مولانا ادریس فاروقی سے پہلی دفعہ ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ آپ کرسی پر تشریف فرما تھے اور اتفاقاً سامنے میز پر میرا ہی مضمون پڑا تھا۔

میں نے سلام عرض کیا۔ میرے بولنے سے پہلے ہی مولانا نعمان فاروقی بول اٹھے: جناب مولانا ارشد کمال صاحب۔ میں نے آگے بڑھ کر تینوں احباب سے مصافحہ اور معانقہ کیا۔ مولانا ادریس فاروقی نے بڑی شفقت اور محبت بھرے انداز میں مجھے اپنے پاس بٹھایا حال احوال دریافت کرنے لگے، مصروفیات کے سلسلے میں پوچھنے لگے۔ اسی اثنا میں مولانا نعمان فاروقی نے بطور ضیافت ہمارے سامنے فروٹ لا کر رکھ دیا۔ گفتگو کا سلسلہ جاری تھا، میں نے کہا: شیخ محترم تقریباً آٹھ سال سے آپ کی زیارت کرنے کی شدید خواہش تھی جو آج الحمدللہ پوری ہوئی ہے۔ مسکرانے لگے۔ میں نے بتایا کہ آج سے آٹھ سال قبل زمانہ طالب علمی میں میں نے آپ کی تالیف ''مقامِ رسالت'' پڑھی اور بڑی مشکل سے حاصل کی تھی۔ اس وقت کتاب کی حالت یوں محسوس ہوتی تھی جیسے صدیوں پرانی چھپی ہو۔

مسکراتے ہوئے فرمانے لگے: ہاں میں نے کوئٹہ اقامت کے دوران میں لکھی تھی اور ایک ہی دفعہ چھپی ہے۔ پھر کہنے لگے: نعمان صاحب نے آپ کے لیے فروٹ لا کر رکھا ہے کھائیں۔ میں نے ایک دو دانے جیب میں ڈالے اور کہا واپسی پر گاڑی میں بیٹھ کر کھاؤں گا اور آپ کو یاد کرتا جاؤں گا، میرے اس جملے پر وہ خوب محظوظ ہوئے۔

میرا مضمون چونکہ ان کے سامنے پڑا تھا فرمانے لگے بہت اچھا ہے خاص کر ہر بات باحوالہ ہے۔ ان کے یہ الفاظ میرے لیے کسی اعزاز سے کم نہ تھے حالانکہ حقیقت "من آنم کہ من دانم" ہی ہے۔ بتانے لگے کہ آپ نے علامہ صائم چشتی بریلوی کی جس کتاب کا حوالہ دیا ہے میں نے نہیں دیکھی البتہ علامہ صائم سے ملا ہوا ہوں۔ جب اس نے یہ کتاب لکھی تو اتفاقاً میرا بھی فیصل آباد جانا ہوا۔ مجھے اس کے لڑکے کہنے لگے: انکل گیارھویں شریف پر ابو کی تازہ تالیف آئی ہے ضرور پڑھیے گا۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ کتاب میں کون سا اس نے کتاب وسنت سے حوالے مزین کیے ہوں گے جو اسے پڑھوں، رطب ویابس ہی اکٹھا کیا ہوگا۔

مجھے کہنے لگے آئندہ جب آئیں تو یہ کتاب ضرور لائیے گا دیکھیں تو سہی آخر اس میں کونسی ایسی خوبی تھی جو فرزندانِ چشتی نے مجھے پڑھنے کے لیے کہا۔

تقریباً پون گھنٹے کی زیارت اور گفتگو سے مستفید ہونے کا موقع ملا۔ واپسی پر میں نے اجازت لینا چاہی تو کھڑے ہو کر گلے لگایا، سر پر شفقت سے ہاتھ رکھا اور فرمانے لگے کہ میرا مقامِ رسالت کو دوبارہ شائع کرنے کا ارادہ ہے آپ نے پہلے کسی اور انداز میں پڑھی تھی اب جا کر تنقیدی نظر سے پڑھنا، جو مقامات قابل غور ہوں نوٹ کرتے جانا تاکہ آئندہ ایڈیشن میں ان کا خیال رکھا جائے۔

مولانا محمد ادریس فاروقی رحمہ اللہ سے میری یہ پہلی باقاعدہ ملاقات تھی، تقریباً پون گھنٹہ جاری رہنے والی اس ملاقات میں سچی بات تو یہ ہے کہ انھوں نے ہمیں اپنا بنا لیا تھا جس پیار، محبت اور شفقت سے وہ پیش آئے سچ تو یہ ہے کہ میرے پاس اس تفصیل کو بیان کرنے کے لیے الفاظ ہی نہیں۔

میں سمجھتا تھا کہ کہاں وہ کریم ابن کریم ابن کریم اور کہاں مجھ جیسا یہ ناکارہ؟ مگر انھوں نے اپنے خلوص اور پیار سے اس امتیاز کی طرف آنے ہی نہ دیا۔

آپ انتہائی شریف الطبع اور ملنسار ہونے کے ساتھ ساتھ امت مسلمہ کا درد رکھنے والے تھے۔ محدث العصر جناب مولانا ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ کی اس بات پر گواہی یوں ہے: فاروقی صاحب اپنے خاندانی روایات کے مطابق ایک پختہ عالم، کامیاب خطیب، بہترین مصنف اور صحافی، نیز تجربہ کار طبیب تھے۔

جبکہ مولانا محمد بشیر الطیب آف کویت کی گواہی ہے کہ آپ اپنے خاندان میں ایک صاحب الرائے بھی تھے۔

جناب عبدالرشید عراقی کا بیان ہے کہ فاروقی صاحب ایک عمدہ مقرر اور خطیب تھے۔ بڑے اچھے انداز میں تقریر کرتے تھے۔ ان کی تقریر بڑی موثر اور جامع ہوتی تھی، اپنے مسلک اہل حدیث میں بڑے متشدد تھے، ایک بلند پایہ خطیب و مبلغ اور واعظ ہونے کے ساتھ ساتھ مناظر بھی تھے۔

دوسری ملاقات

پہلی ملاقات میں مولانا نے اس ناکارہ سے کہا تھا کہ ''مقامِ رسالت'' کو اچھی طرح تنقیدی نظر سے پڑھنا تاکہ آیندہ ایڈیشن میں رہ جانے والی کمیاں کوتاہیاں دور ہوسکیں۔

میں نے سوچا کہ مکتبہ دارالسلام میں مجھ سے بڑے اصحاب علم و عمل موجود ہیں مولانا کی نگاہ انتخاب صرف اس ناچیز پر ہی کیوں ٹھہری؟ ممکن ہے کہ انھوں نے یہ ویسے ہی رسماً یا میری حوصلہ افزائی کے لیے کہا ہوگا، لہٰذا بات آئی گئی کر دی۔

تقریباً ایک ہفتہ بعد میں اپنے کتب خانے میں بیٹھا کام میں مصروف تھا کہ فون کی گھنٹی بجی، فون اٹھایا تو دوسری جانب سے آواز آئی: السلام علیکم، پہچانا؟

میں ابھی خاموش ہی تھا کہ فرمانے لگے ادریس فاروقی بول رہا ہوں۔ وہ بڑے خوش محسوس ہو رہے تھے۔ فرمانے لگے: میں نے دارالسلام کے شو روم سے آپ کی کتاب "المسند فی عذاب القبر" منگوائی بلکہ خریدی، پھر ہنس پڑے۔ میں نے کہا: شیخ آپ نے کیوں خریدی مجھے حکم کرتے میں آپ کو تحفۃً یہ کتاب حاضر خدمت کرتا۔ فرمانے لگے: نہیں نہیں ایسی کوئی بات نہیں، کتاب ماشاء اللہ بہت اچھی ہے۔ پھر کہنے لگے: آپ سے مجلس کرنے کو جی چاہتا ہے۔ میں نے کہا: شیخ اس کی دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں: دولت خانہ حاضر ہے آپ کی تشریف آوری میرے لیے کسی سعادت سے کم نہیں۔ مجھے انتہائی خوشی ہو گی یا پھر دوسری صورت یہ ہے کہ بندہ ناچیز جہاں حکم فرمائیں گے پہنچ جائے گا۔

کہنے لگے: یہی صورت میں چاہتا ہوں۔ میں نے کہا: لیکن میری خواہش اول الذکر کی ہے۔ اس پر ہنستے ہوئے کہنے لگے: میں ضرور حاضری دوں گا آپ اپنا ایڈریس سمجھا دیں۔ لیکن فی الحال آپ آئیں کیونکہ میں دل کا مریض ہوں، ٹانگوں میں شدید درد ہونے کی بنا پر زیادہ چلا بھی نہیں جاتا۔

پھر فرمانے لگے: آپ کے ذمے جو کام لگایا تھا؟ میں نے کہا: کونسا؟ کہنے لگے بھول گئے، "مقامِ رسالت" کے حوالے سے۔ اوانا للّٰہ وانا الیہ راجعون شیخ میں سمجھا تھا کہ آپ ویسے ہی کہہ رہے ہیں۔

کہنے لگے: ویسے نہیں یہ آپ کی ذمہ داری ہے، اسی حوالے سے میں آپ سے مجلس کرنا چاہتا ہوں، آپ کل کام کر کے دفتر آئیں۔ میں نے کہا: کل تو

جمعرات ہے جمعہ کی تیاری کرنی ہے، پرسوں جمعہ ہے پڑھانے کے بعد کوئی دوسرا کام کرنے کی ہمت نہیں پڑتی البتہ مجھے آپ ہفتہ، اتوار دے دیں سوموار یا منگل کو ضرور کام مکمل کر کے آپ کی خدمت میں پیش کر دوں گا۔

وہ پورے بارہ منٹ موبائل پر مجھ سے باتیں کرتے رہے ایسے بے تکلفی کے ساتھ گفتگو فرما رہے تھے جیسے کسی انتہائی قریبی سے باتیں کی جاتی ہیں۔ اس دوران میری مصروفیات کے متعلق تفصیل سے پوچھنے لگے۔ منکرینِ حدیث کے متعلق فرمانے لگے کہ اُن سے جو آپ کی خط و کتابت ہے، انھیں محفوظ کرتے جانا۔ جب میں نے اپنی زیرِ قلم تالیف، ''اسلامی مہینے اور ان کا تعارف'' کے متعلق بتایا تو بڑے خوش ہوئے، حوصلہ افزائی کی۔ مولانا ادریس فاروقی کی وفات 5 جون بروز ہفتہ کو ہوئی جبکہ یہ فون انھوں نے وفات سے تین دن قبل بدھ کے روز کیا تھا۔

میں نے جمعہ کے روز عصر کے بعد کتاب پڑھنی شروع کر دی اور تقریباً رات دس گیارہ بجے تک مکمل کر کے ضروری نکات بھی قلم بند کر لیے۔

آخری ملاقات اور مولانا کا سفرِ آخرت

ہفتہ کی رات میں نے کتاب مکمل کی اور صبح تقریباً نو بجے کے قریب انھیں فون کر کے بتلایا کہ کتاب مکمل پڑھ کر میں نے کچھ اہم چیزیں نوٹ کی ہیں، آیندہ ایڈیشن میں ہمیں جن کا خیال رکھنا ہوگا۔ وہ بڑے خوش ہوئے، کہنے لگے: کب لے کر آ رہے ہیں؟ میں نے کہا: جب آپ حکم فرمائیں گے۔ کہنے لگے: میں شام پانچ بجے تک دفتر میں ہی ہوں اس دوران جب مرضی آپ آ جائیں۔

تقریباً پونے گیارہ بجے کے قریب ان کا فون آیا، کہنے لگے: آپ ابھی تک آئے نہیں؟ میں نے کہا: آپ نے خود ہی کہا تھا کہ پانچ بجے تک دفتر میں ہوتا ہوں جب مرضی آ جاؤ۔ کہنے لگے: ابھی آ سکتے ہیں؟ میں نے کہا: ضرور میں ابھی آ جاتا ہوں۔ فرمانے لگے: اچھا چلو جلدی آ جاؤ۔ میں سوچنے لگا کہ پہلے تو کہہ رہے تھے شام پانچ بجے تک دفتر میں ہوتا ہوں جب مرضی آ جائیں لیکن اب کہہ رہے ہیں ابھی جلدی آ جاؤ۔ ممکن ہے کوئی ایمرجنسی پڑ گئی ہو۔ لیکن کسے علم تھا کہ یہ وہ ایمرجنسی ہے جو ہر کسی کو پیش آنی ہے۔

میں تقریباً گیارہ بج کر بیس، اکیس منٹ پر دارالسلام پہنچا۔ ایک دو منٹ استقبالیہ والوں کے پاس "تفتیشی مرحلے" کی نظر ہو گئے کوئی تئیس چوبیس منٹ پر دفتر ماہنامہ "ضیائے حدیث" پہنچا۔ مجھے دیکھ کر مولانا خوشی سے مسکراتے ہوئے کرسی سے اٹھ کر گلے ملے۔ دفتر میں جعفر طیار بھائی بھی تھے میں نے ان کی طرف مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا: پہلے جعفر صاحب کا کام ختم کر لیں پھر اگلا مرحلہ شروع ہو گا۔ دراصل میرے ذمے "ضیائے حدیث" کے کچھ واجبات تھے جو جعفر بھائی کو دے کر وصولی کی رسید لینی تھی، اس لیے ازراہ مزاح یوں کہہ دیا کہ پہلے جعفر صاحب کا کام تمام کر لیں۔ میرے اس جملے سے مولانا اور جعفر بھائی خوب محظوظ ہوئے۔ مولانا ہنستے واپس کرسی پر بیٹھ گئے، میں بھی رسید لے کر مولانا کے سامنے کرسی پر آ بیٹھا۔

اب بھی یہی محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے وہ کسی جلدی میں ہیں اور جلدی جلدی کام نمٹانا چاہتے ہیں۔ میں نے قدرے ڈر سے کہ بزرگ ہیں کہیں برا محسوس نہ کریں، کہا: شیخ یہ چند مقامات ہیں جہاں میں سمجھتا ہوں کہ وضاحت کی ضرورت

ہے۔ انھوں نے میرے ہاتھ سے کتاب لے کر اسے بغور دیکھا اور پھر مجھے واپس کر کے الماری سے اپنی کتاب نکال کر ہاتھ میں قلم پکڑی اور کاغذ کا ایک صفحہ لے کر کہنے لگے: اس پر نوٹ کرتے جاتے ہیں۔ ان کے دائیں طرف نعمان بھائی کی کرسی خالی تھی۔ وہ اوپر اپنے سیکشن میں گئے ہوئے تھے۔ مجھے کہنے لگے: یہاں اس پر آ جائیں۔ میں نے مناسب نہ سمجھا۔ انھوں نے کرسی اپنی طرف کھینچتے ہوئے کہا: اِدھر آ کر بیٹھیں آسانی رہے گی۔ اب میں ان کے ساتھ ان کے دائیں طرف کرسی پر بیٹھ گیا۔

میں نے پھر کہا کہ شیخ میں نے صرف وہی مقام نوٹ کیے ہیں جنھیں میں سمجھتا ہوں کہ یہ وضاحت طلب ہیں، باقی ممکن ہے کہ مجھے غلطی لگی ہو۔ مسکرانے لگے۔ پہلی چیز جو میں نے کہی اور انھوں نے نوٹ کی وہ یہ تھی کہ کتاب میں صرف صحیح یا حسن روایات ہی موجود رہیں، بعض روایات جو سخت ضعیف ہیں انھیں نکال دیا جائے اسی طرح ہر حدیث کا مکمل حوالہ دیا جائے۔

ہمارے ہاں بعض حضرات کا حال بڑا پتلا ہے۔ اگر آپ انھیں بتا دیں کہ یہ روایت ضعیف ہے تو خواہ مخواہ آپے سے باہر ہو جاتے ہیں گویا ان کی اصطلاح میں لفظ ضعیف ہے ہی نہیں اور اگر کوئی ان کی کسی تحریر میں سے کسی ضعیف یا بالکل من گھڑت روایت کی نشاندہی کر دے تو اپنی توہین سمجھتے ہیں۔ مگر مولانا ادریس فاروقی صاحب کو جب میں نے ڈرتے ڈرتے ایک دو روایات دکھائیں تو وہ ناراض ہوئے نہ گرجے نہ برسے بلکہ خوش ہوتے ہوئے میری تائید کی اور اپنے پاس نوٹ کیا تاکہ آئندہ ایڈیشن سے انھیں نکال دیں یا ان کا ضعف بیان کر دیں۔

بعد ازاں میں نے کتاب کھول کر صفحہ نمبر 20 نکالا اور کہا کہ اس فلاں عبارت میں وضاحت ہونی چاہیے بعض لوگ اسی بات کا سہارا لے کر نبی ﷺ کی کئی سنتوں کو ٹھکرا دیتے ہیں کہ ان کا تعلق دنیوی امور سے ہے۔ کہنے لگے: بالکل صحیح، یہاں وضاحت ہونی چاہیے۔ اس صفحے پر انھوں نے نشان بھی لگایا اور میری تائید میں ایک دو حدیثوں کی طرف بھی اشارہ کیا۔ یہ ان کی زبان سے نکلنے والے آخری الفاظ تھے جو انھوں نے حدیثیں سنا کر کہے کہ واقعی ہمیں یہ نہیں دیکھنا چاہیے کہ اس حدیث کا تعلق آپ کے دینی امور سے ہے یا دنیاوی سے، ہمیں ہر حال میں نبی ﷺ کی اطاعت واتباع کا حکم دیا گیا ہے، البتہ جہاں نبی ﷺ نے کوئی چیز واضح کر دی ہے اور بتا دیا ہے کہ یہاں تمھیں اختیار ہے تو وہ ایک استثنائی صورت ہے۔

پھر میں نے کہا کہ شیخ صفحہ نمبر 29 نکالیں یہاں علماء کی طرف جو اقوال منسوب ہیں ان کا کوئی حوالہ نہیں۔ بہتر ہے کہ یہاں بات باحوالہ ہونی چاہیے۔ میں نے دیکھا کہ وہ مسکرا رہے ہیں اور اثبات میں اشارہ فرما رہے ہیں، یہاں بھی انھوں نے کچھ نوٹ دیا۔

میری نظر میری کتاب پر ہے اور انھوں نے اپنی کتاب کھول کر سامنے میز پر رکھی ہوئی ہے ہاتھ میں قلم ہے ساتھ ساتھ نوٹ بھی کرتے جاتے ہیں۔

میں نے کہا: آگے صفحہ نمبر 32 نکالیں یہاں بھی حدیثیں اور علماء کے جو اقوال بیان ہوئے ہیں ان کی چھان بین کی ضرورت ہے۔ لیکن وہ چپ ہیں نہ قلم حرکت کر رہا ہے نہ مسکرائے اور نہ ہی کوئی اشارہ البتہ کتاب سامنے کھلی ہے اور قلم ہاتھ ہی میں ہے۔ میں نے اپنی بات پھر دوہرائی تو اچانک کیا دیکھتا ہوں کہ ان

کی پیشانی پر ہلکا سا پسینہ ہے، پیچھے کرسی پر ٹیک لگا کر جیسے ہچکی لے رہے ہیں یا جیسے کوئی بات کرنا چاہتے ہیں مگر بولا نہیں جا رہا، شاید وہ ہچکی یا ڈکار لینا چاہتے ہوں۔ مگر جب ان کے ہاتھ پاؤں مڑ چکے اور آنکھیں پتھرا گئیں تو میں نے جلدی سے دل پر ہاتھ رکھا۔ جعفر بھائی کو آواز دی جو ایک آدمی کے ساتھ شاید کوئی حساب کر رہے تھے۔ وہ جلدی سے اٹھے ہم نے ان کے ہاتھ سے قلم پکڑ کر ایک طرف رکھا اور پاؤں مسلنے شروع کر دیے۔ میں نے جعفر سے پوچھا: کیا پہلے بھی کبھی ایسی کیفیت طاری ہوئی۔ کہنے لگے: پتا نہیں۔ میں نے کہا جلدی سے نعمان صاحب کو بلائیں، یہ اٹیک محسوس ہوتا ہے۔ انھوں نے نعمان صاحب کو بلوایا، پھر جلدی جلدی حافظ عبدالعظیم صاحب اور دارالسلام کا پورا عملہ جمع ہو گیا۔ حافظ عبدالعظیم صاحب جب آئے تو شیخ محترم کے وجود میں ابھی ہلکی ہلکی حرکت باقی تھی۔ انھوں نے اپنا موبائل نکالا اور کسی سے کہنے لگے: شاید فاروقی صاحب اب دنیا میں نہیں رہے، شاید فاروقی صاحب اس دنیا سے چلے گئے ہیں۔ بھائی نعمان کی آنکھوں سے آنسو کی جھڑیاں لگ گئیں لیکن مجھے ابھی تک یقین نہیں آ رہا تھا میں سمجھ رہا تھا کہ شاید قومے میں چلے گئے ہیں یا کسی سخت درد کی بنا پر اس طرح کی حالت غیر ہو چکی ہے کیونکہ زندگی کا یہ پہلا موقع تھا جب کسی کو اپنی آنکھوں کے سامنے اپنے ہی ہاتھوں میں دارالخلد کی طرف رختِ سفر باندھتے دیکھا۔

ڈاکٹر کو بلایا گیا، انھوں نے حافظ عبدالعظیم صاحب کی ''شاید'' کو یقین میں بدل کر تصدیق کر دی۔ انا للّٰہِ وانا الیہ راجعون۔

یہ ساری کارروائی، یعنی میرا دفتر میں آنا اور مولانا ادریس فاروقی سے کتاب

"مقام رسالت" پر تبادلہ خیال کرنا تقریباً زیادہ سے زیادہ چار یا پانچ منٹ لگے ہوں گے کہ مولانا ہمیں اس دنیا سے چھوڑ کر اس جہاں میں چلے گئے کہ جہاں گیا ہوا نہ کوئی واپس آیا ہے نہ آئے گا اور نہ ہی کوئی آ سکتا ہے۔

آیا نہیں پلٹ کے وہاں کوئی بھی گیا ہوا
میں خود ہی جاؤں گا اب انھیں ڈھونڈتا ہوا

نہ میں اپنا مکمل کام انھیں دکھا سکا اور نہ وہ دیکھ سکے۔ دو صفحے یعنی صفحہ نمبر 20 ، 24 انھوں نے دیکھ لیے تھے، اپنے پاس انھیں نوٹ بھی کیا اور میری تائید بھی کی جبکہ صفحہ نمبر 32 میں نکال چکا تھا اور اپنی بات بھی کر چکا تھا۔ اب پتا نہیں انھوں نے مذکورہ صفحہ نکالا یا نہیں۔

پہلے میری بات سنی یا پیغام اجل لے کر آنے والے فرشتے کی بات سنی۔ یہ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ وہ کب ایک دارالسلام سے دوسرے دارالسلام میں چلے گئے۔ اسی روز بعد نماز عصر دارالسلام لاہور میں ہی شیخ الحدیث حافظ ثناء اللہ مدنی نے بڑی رقت آمیز نماز جنازہ پڑھائی جس میں زیادہ تعداد علماء کرام اور طلباء ہی کی تھی۔

دوسری نماز جنازہ آپ کے آبائی شہر سوہدرہ میں نماز عشاء کے بعد مولانا عبدالجبار نے پڑھائی۔ بتایا جاتا ہے کہ اس میں بھی علاقے بھر کے سینکڑوں علماء اور معززین نے شرکت کی۔ بعد ازاں سوہدرہ ہی میں آپ کو آبائی قبرستان میں دفن کیا گیا۔

آسماں تیری لحد پہ شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورُستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

اب گو مولانا ہم میں موجود نہیں لیکن ان کی علمی خدمات اور سنہری یادیں ہی ہمارے لیے سرمایہ ہیں اور ہم اس نفس مطمئنہ کے لیے دعا گو ہیں۔

اللهم اغفرله وارفع درجته فی المهديين واخلفه فی عقبه فی الغابرين واغفرلنا وله يا رب العالمين.

قارئین کرام! مولانا حکیم محمد ادریس فاروقی رحمہ اللہ کے متعلق یہ چند بھولی بسری یادیں، باتیں اور ملاقاتیں تھیں جنھیں میں نے اپنا فریضہ سمجھتے ہوئے ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں حوالہ قرطاس کیا ہے، ورنہ حقیقت یہ ہے کہ راہ روانِ ملک عدم پر لکھنا میرے بس کا روگ نہیں اور سچ بھی یہی ہے کہ لکھنے بیٹھوں تو قلم وفا نہیں کرتا، حوصلہ جواب دے جاتا ہے۔ آنکھیں موسم برسات کا سماں پیش کرنے لگ جاتی ہیں۔ اس شعر پر بات ختم کرتا ہوں:

اب چین سے رہیں بے درد زمانے والے
سو گئے، خواب غفلت سے لوگوں کو جگانے والے
اک اک کر کے بجھے جاتے ہیں ماضی کے چراغ
اک ہم ہی رہ گئے ہیں آنسو بہانے والے

دیباچہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ والسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مُحَمَّدٍ خَاتَمِ النَّبِیّٖنَ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَاَتْبَاعِہٖ اَجمعین.

آج کل عام طور پر لادینیت کا دور دورہ ہے اور بالعموم اپنی خواہشات کی غلامی ہے اور جو افراد دینی خاندانوں، اسلامی درسگاہوں اور مساجد سے وابستہ ہیں ان کا بھی ایک بڑا حصہ اسی غفلت کا شکار ہے۔ مسلمان کاروباری زندگی میں اس قدر بادہ مست ہیں کہ فکر عقبیٰ سے آنکھیں بند ہیں۔ کم ہیں وہ حضرات جو اس پرفتن دور میں قرآن و حدیث سے شناسا ہوں۔ اور کم تر وہ لوگ جو قال اللّٰہ وقال الرسول کی صدا بلند کرتے ہوں۔ اس دور میں حق و صداقت کی آواز بلند کرنا جہاد فی سبیل اللہ سے کسی صورت کم نہیں۔ افسوس یہ ہے کہ آج ''اسلام پسندوں'' کی ایک بڑی جماعت اس کارِ خیر میں ہمنوائی کے لیے تیار نہیں ایسے دلخراش حالات میں بسا اوقات مایوسی بھی ہوتی ہے مگر اصل کمال تو یہی ہے کہ ایسے حالات میں اعلائے کلمۃ اللہ کیا جائے جبکہ ہر طرف فتنہ سامانیاں ہوں۔

گلوں کو تو ہر کوئی زیبِ گلو ہے کر لیتا
مزا تو تب ہے کہ کانٹوں سے ہمکنار کریں

اللہ تعالیٰ ہمارے اکابرین اور مشاہیر کی قبروں کو نور سے بھرے کہ انھوں

نے زمانے کے تند و تیز طوفانوں میں اپنا چراغ جلایا۔ حالات اور وقت کے تقاضوں سے بے نیاز ہو کر الحاد و زندقہ اور کفر کی شرانگیزیوں کا مقابلہ کیا اور توحید و سنت کا پرچم لہرایا۔ وہ محفل گداز بنے، گرمئ محفل انھوں نے قبول نہ کی۔ انھوں نے کتاب و سنت کے خلاف ہر چیلنج کا بڑے استقلال اور پامردی سے مقابلہ کیا۔ رحمهم اللّٰه.

عزیزانِ ملت! کفر کی آندھیاں چل رہی ہیں۔ الحاد کے سیلاب آ رہے ہیں۔ شرک کو توحید، بدعت کو سنت، نفاق کو ایمان، جہالت کو علم، فساد کو امن اور بے حیائی کو شرافت کا نام دیا جا رہا ہے۔ قرآن و سنت میں تحریف کی جا رہی ہے۔ سچے اسلام کو چھوڑ کر اسلام خود وضع کیا جا رہا ہے۔ بے دینی کی حشر خیزیاں یہاں تک پہنچ چکی ہیں کہ خیر القرون کو پتھر کا دور، اسلام کو پُرانا جوہڑ، قرآن عزیز کو قدیم کتاب اور احادیث کو فرسودہ کہا جا رہا ہے۔ علاوہ ازیں رہبرِ انسانیت، شارح قرآن حضرت محمد ﷺ کو معطّل قرار دیا جا رہا ہے۔ افسوس اس بات کا نہیں کہ غیر مسلم ایسا کہتے ہیں بلکہ افسوس اس بات کا ہے کہ مسلمان کفر کی اس پکار سے متاثر نظر آتے ہیں۔ بلکہ کچھ مسلمان اس قسم کے نظریات اختیار کیے ہوئے ہیں۔ اور ایسے باطل نظریات کی تشہیر کر رہے ہیں کہ جنھیں بیان کرنے سے قلم تھراتا ہے۔ اپنے ہی گراتے ہیں نشیمن پہ بجلیاں۔

یہ بات بالکل حق ہے کہ حضرت محمد ﷺ کو ایک مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ آپ ﷺ رہبر کامل ہیں۔ آپ ﷺ کی شخصیت ہمارے لیے بُرہان، حُجت اور دلیل ہے۔ آپ ﷺ کا ہر فرمان من جانب اللہ ہے۔ اور ہمارا ایمان ہے کہ آپ ﷺ نے ہمارے سامنے مکمل ضابطۂ حیات پیش فرما دیا ہے جس میں نہ اضافے کی ضرورت ہے

نہ کسی ترمیم کی گنجائش...... مگر تعجب ہے کہ مسلمانوں نے آنحضرت ﷺ کو یہ منصب دینے سے گریز کیا الاّ ماشاء اللہ۔ یہی وہ سنگین جرم ہے جس کی سزا آج ہم بھگت رہے ہیں۔ بلا مبالغہ کہا جا سکتا ہے کہ ہمارے نظری، فکری، مذہبی، سیاسی، مُلکی غرض ہر قسم کے اختلافات ختم ہو کر رہ جائیں اور ہر طرف امن وامان کا بول بالا ہو جائے اگر ہم آنحضرت ﷺ کو وہ مقام دے دیں جو کہ اللہ رب العالمین نے آپ ﷺ کو عطا فرمایا ہے۔

حدیث مجموعہ ہے آنحضرت ﷺ کی گفتار و کردار کا۔ اور یہ باتفاق علمائے امت تشریح ہے قرآن عزیز کی۔ اگر حدیث کو اسلام سے جدا کر دیا جائے تو باقی اسلام کو ہم کبھی کامل نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ حدیث ہی سے ہم سیرت سرورِ کائنات ﷺ معلوم کر سکتے ہیں۔ حدیث ہی سے قرآن عزیز کی تشریح کر سکتے ہیں۔ اور حدیث ہی سے ہم زندگی کے ہر موڑ پر رہنمائی حاصل کر سکتے ہیں۔ جملہ احکام ومسائل کی تفصیلات کا پتا بھی حدیث سے ہی چلتا ہے تو لامحالہ یہ کہنا پڑتا ہے کہ جس طرح قرآن ہمارے لیے حجت اور دلیل ہے بالکل اسی طرح آنحضرت ﷺ ہمارے لیے حجت اور دلیل ہیں۔ یہ ایک ایسا بنیادی نظریہ ہے جس پر مذاہبِ اربعہ بھی متفق ہیں۔

ایک عرصے سے فتنہ انکارِ حدیث کی بادِ سموم چل رہی ہے۔ جدید تعلیم یافتہ حضرات اس سے خطرناک حد تک متاثر ہیں۔ تاثر انھی تک رہتا تو چنداں مضر نہ تھا، مگر یہ کچھ آگے بھی بڑھ رہا ہے۔ اس فتنے کا مقصد حدیث کا استخفاف، استحقار اور بالآخر انکار ہے۔ اس فتنے کے کارکن متعدد گروہوں میں بٹے ہوئے ہیں:

بعض کہتے ہیں قرآن کریم کی تشریح کے لیے حدیث کی ضرورت نہیں اس کام کے لیے ہم ہی کافی ہیں اور خود ہی تفسیر لکھنے بیٹھ گئے، جیسا کہ اس کا نمونہ ہم آگے دے رہے ہیں۔

بعض ''دانشوروں'' کا خیال ہے کہ حدیث فرقہ بندی پیدا کرتی ہے، مگر ہم دیکھتے ہیں کہ حدیث سے دست کش ہونے کی وجہ سے وہ خود کئی فرقوں میں منقسم ہیں۔ [1]

بعض ''بزرج مہر'' کہتے ہیں کہ رواۃِ حدیث نے دانستہ یا نادانستہ طور پر متن حدیث کو بدل دیا ہے، اور کہتے ہیں کہ حدیث چودہ سو برس سے من وعن ہمارے پاس پہنچ جائے؟ یہ ناممکن ومحال ہے، حالانکہ وہ یہ بات قرآن کے بارے میں نہیں کہتے۔ اور کہتے ہیں: ''وحی خفی (حدیث) محض ایک من گھڑت بات ہے۔ مسلمانوں کے لیے کوئی کتاب ماسوائے قرآن مجید شرعی حجت نہیں۔ حدیثوں کو ماننا شرک فی الحکم ہے۔ اعتقاد بالحدیث کی وجہ سے ایک مسلمان ظالم، کافر اور فاسق ہو جاتا ہے۔'' [2]

آج ''طلوعِ اسلام'' بھی یہی ''خدمات'' سرانجام دے رہا ہے۔

كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ.

بعض حضرات نے تو حدیث کو ٹھکرانے اور قبول نہ کرنے کا معیار، اپنی عقل، مشاہدہ اور فکر کو قرار دے رکھا ہے۔ حدیث خواہ کس قدر بے غبار اور صحیح ہو، سند کتنی مضبوط ہو، رواۃ کتنے بے عیب ہوں، پوری امت نے قبول کیا ہو، انھیں ان باتوں کی کوئی پروا نہیں۔ انھوں نے کامل نبی ﷺ کو اپنی ناقص عقل سے کم تر مقام

---

[1] تفصیل ''تقابلِ اربعہ'' (مصنفہ مولانا نور حسین گھر جاکھی رحمہ اللہ) میں ملاحظہ فرمائیے۔ [2] تبلیغ القرآن، حشمت علی: 18/2.

دیا جو کہ افسوس ناک بلکہ خطرناک ہے، عام طور پر ہمارے انگریزی خواں حضرات اور ماڈرن دوست اسی آسان اصول کو قبول فرما لیتے ہیں کہ جو حدیث عقل میں نہ آئی اس کو قبول کرنے سے انکار کردیا، حالانکہ عقل کو کیسے معیار قرار دیا جا سکتا ہے؟

ؔ گزر جا عقل سے آگے کہ یہ نور
چراغِ راہ ہے منزل نہیں ہے

عقل تو خام ہے۔ پھر عقل میں تفاوت ہے۔ سب کی عقل ایک جیسی نہیں۔ بہت سے لوگ ہیں کہ ان کی عقل پر مادیت کا غلبہ ہے اور اس پر یورپ کی چھاپ ہے اور وہ اسلامی حدود و قیود سے سو فیصد نابلد اور یکسر ناآشنا ہے۔ خود فرمایئے! مطلق عقل اور پھر ایسی عقل حدیث کی جانچ کیسے کرسکتی ہے؟

ہم یہ بات دعوے سے کہہ سکتے ہیں کہ پرستارانِ عقل حدیث تو رہی الگ قرآن حکیم کے معانی اور مطالب پر بھی متفق نہیں ہوسکتے۔ محض عقل کی مدد سے بہت سے مسائل کو حل کرنے سے قاصر ہیں۔ یہ حقیقت ہے بلکہ ہمارا یہ ذاتی تجربہ اور مشاہدہ ہے، ان کا اتفاق نہ اصول پر ممکن ہے نہ فروع پر اور نہ ان کی جزئیات پر۔

فرمایئے! کیا ان حالات میں ہمارے لیے یہ ضروری نہیں کہ ہم حدیث کا دفاع کریں؟ اور حدیث شریف سے ہر حملے کو دور کریں؟ یہ سب مسلمانوں پر فرض ہے، مگر یہ فرض ان حضرات پر زیادہ عائد ہوتا ہے جو اہلِ حدیث ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ اور جن کے اکابرین نے اپنی پوری زندگی اس کارِ خیر میں لگادی۔ اَللّٰهُمَّ بَرِّدْ مَضَاجِعَهُمْ.

نغمہ پیرا ہو کہ یہ ہنگام خاموشی نہیں
ہے سحر کا آسماں خورشید سے مینا بدوش

مسلمانوں کی بھی عجیب عادت ہے وہ افراط وتفریط کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اگر ماننے پر آئیں تو کسی قبر پرست ملا، پیر فقیر، سادھو، جوگی کی بات مان لیں گے اور اگر نہ ماننے پر آئیں تو امام بخاری رحمہ اللہ اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ جیسوں کی بات نہ مانیں گے، بلکہ یوں کہہ لیں تو بھی مضائقہ نہیں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بات ماننے سے انکار کر دیں گے۔ آپ لاکھ مرتبہ کہیں کہ بھائی صحیح حدیث میں اس طرح آیا ہے۔ جواب ملے گا: ''ٹھیک ہے حدیث میں آتا ہوگا مگر ہمارے مولوی صاحب، شاہ صاحب، مفتی صاحب، اور حضرت صاحب نے یوں کہا ہے۔'' ''بزرگوں نے یوں ارشاد فرمایا ہے۔'' ''اماموں نے اس طرح فرمایا ہے۔'' وغیرہ وغیرہ۔ ہمارے ہاں تمام بدعات اور ترک سنت کا سلسلہ بالعموم اسی طرح چلا ہے۔

ائمہ اربعہ رحمہم اللہ بلاشبہ دین کے ستون ہیں اور روشنی کے مینار۔ ان کے ہم جس قدر بھی ممنونِ احسان ہوں کم ہے اور ان کی خدمات ناقابلِ فراموش ہیں۔ مگر یاد رہے اس بہت بڑے مرتبے کے باوجود آخر وہ امتی ہی تھے نبی نہ تھے۔ وہ مجتہد تھے ان کے کلام میں خطا اور صواب (صحت) دونوں کا احتمال ہے، لہٰذا ان کے اقوال میں وہ وزن نہیں جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی میں ہے۔ حق و باطل کو پرکھنے کی کسوٹی اقوالِ ائمہ نہیں بلکہ قرآن وحدیث ہے۔

یہ بات یاد رکھ لیجیے کہ امتِ محمدیہ کے جمیع ائمہ کرام رحمہم اللہ ہمارے لیے واجب الاحترام ضرور ہیں مگر واجب الاطاعت نہیں ہیں۔ جس شخصیت کی اطاعت ہم پر

فرض ہے اور جو شخصیت ہمارے لیے حجت اور برہان ہے وہ فقط حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی ذات گرامی ہے۔ اس کتاب میں اسی مضمون کو ہم مختلف عنوانات کے تحت ہدیۂ قارئین کر رہے ہیں۔

آخر میں قارئین کرام کی خدمت میں باادب گزارش ہے کہ یہ ضروری نہیں کہ آپ ہماری ہر بات سے متفق ہوں بلکہ ممکن ہے بعض مقامات سے آپ کو شدید اختلاف ہو۔ اور ہوسکتا ہے کہ کچھ باتیں آپ کے لیے نئی ہوں۔ اختلاف رائے آپ بے شک فرمائیں لیکن کتاب ہذا کا از اوّل تا آخر بغائر مطالعہ ضرور کریں۔ شاید آپ کو ہمارے ساتھ زیادہ اختلاف رائے کی گنجائش باقی نہ رہے گی۔

ہم میں اور تم میں کب جدائی ہوگی
یہ ہوائی کسی دشمن نے اڑائی ہوگی

محمد ادریس فاروقی ★

★ مولانا محمد ادریس فاروقی رحمہ اللہ 5 جون 2010ء/21 جمادی الثانیہ 1431ھ کو زیر نظر کتاب پر نظر ثانی کرتے ہوئے اس جہانِ فانی سے رخصت ہوئے۔ اللہ تعالیٰ مؤلف رحمہ اللہ کو نبی کریم ﷺ کی شفاعت و رفاقت نصیب فرمائے اور ان کی اولاد اور شاگردوں کو ان کے لیے صدقہ جاریہ بنائے۔ آمین

باب:1

حدیث اور مقامِ حدیث

- حدیث اور مقامِ حدیث
- ائمہ کرام رحمہم اللہ
- حدیث اور مقامِ حدیث
- قرآن بھی حدیث ہے
- مقامِ رسالت قرآن مجید کی نگاہ میں
- مقامِ رسالت ائمہ کرام رحمہم اللہ کی نگاہ میں

حدیث اور مقامِ حدیث

حدیث

لغت میں منہ سے نکلی ہوئی ہر بات کو حدیث کہتے ہیں۔ اور حدیث نئی اور نو پید چیز کو بھی کہتے ہیں۔ اصطلاحِ محدّثین میں حدیث حضور پاک ﷺ کے اقوال، افعال اور سکوت کو کہتے ہیں اور اس کی تین اقسام ہیں: 1 حدیث قولی 2 حدیث فعلی 3 حدیث سکوتی یا تقریری۔

1 حدیث قولی: جو نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

2 حدیث فعلی: جو نبی کریم ﷺ نے عمل فرمایا۔

3 حدیث سکوتی یا تقریری: جو کام نبی کریم ﷺ کے سامنے ہوا اور آپ ﷺ نے اس سے منع نہ فرمایا۔

لغت میں حدیث کے معنی بات کے ہیں۔ بات اللہ کی بھی ہے۔ رسول ﷺ کی بھی، صحابہ رضی اللہ عنہم کی بھی ہے اور ائمہ فقہا رحمہم اللہ کی بھی۔ مشاہیرِ امت کی بھی ہے اور ہم لوگوں کی بھی مگر بات بات میں فرق ہے۔ اللہ تعالیٰ کی بات سب سے بہتر ہے اور آنحضرت ﷺ کی بات بھی وحی الٰہی ہونے کی وجہ سے برتر، برحق اور حجت ہے۔ اس کے علاوہ باقی تمام لوگوں کی باتیں ثانوی حیثیت رکھتی ہیں۔ اولادِ آدم علیہ السلام میں بڑی بڑی شخصیتیں ہیں۔ کیا انبیاء علیہم السلام اور کیا اولیاء رحمہم اللہ، مگر ان کی بات اللہ اور رسول کریم ﷺ کی بات کا مقابلہ نہیں کرسکتی۔ آنحضرت ﷺ اور

آپ ﷺ کے امتی میں جس قدر فرق ہے۔ ٹھیک اسی قدر آپ ﷺ کے فرمان اور امتی کے قول میں فرق ہے۔ امتی خواہ کتنا بڑا ہو غلطی کر سکتا ہے اور کسی وجہ سے غلطی پر رہ سکتا ہے۔ مگر نبی غلطی نہیں کر سکتا، یعنی نبی غلطی پر نہیں رہ سکتا، کیونکہ اس کا نطق تابع فرمانِ الٰہی ہوتا ہے، چنانچہ قرآن مجید میں ہے:

﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰىo اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى﴾

''وہ نبی اپنی خواہش سے کوئی بات نہیں کہتا وہ وہی کہتا ہے جو اس کی طرف وحی آئے۔''①

اور بالکل سچ کہا کسی نے۔

مصطفےٰ ﷺ ہرگز نہ گفتے تا نہ گفتے جبرئیل
جبرئیلش ہم نہ گفتے تا نہ گفتے کردگار

یہ واضح رہے کہ آپ ﷺ کے ارشادات، خواہ ان کا تعلق دینی امور سے ہو یا دنیاوی امور سے ہمارے لیے ہر دو واجب العمل ہیں الا یہ کہ کہیں کوئی ایسا قرینہ آ جائے جو کسی امر کی تخصیص کر دے تو اور بات ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾

''یقیناً تمہارے لیے رسول اللہ (کی ذات) میں بہترین نمونہ ہے۔''②

اسی طرح ارشاد فرمایا:

﴿وَمَا اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا﴾

''اور رسول تمھیں جو کچھ دے تو وہ لے لو اور جس سے منع کرے تو اسے چھوڑ دو۔''③

① النجم: 4,3. ② الاحزاب: 21. ③ الحشر: 7.

یہاں اللہ تعالیٰ نے صرف دینی امور یا صرف دنیاوی امور ہی کے متعلق نہیں فرمایا بلکہ اس میں آپ ﷺ کے ہر دو امر شامل ہیں، خواہ وہ کسی بھی جہت سے ہوں، کھانے پینے یا صفائی طہارت، بول و براز وغیرہ کے متعلق جو آپ ﷺ کی سنن ہیں انھیں بھی محض یہ کہہ کر رد کر دینا کہ یہ دنیاوی امور سے متعلق ہیں درست نہیں۔

سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ کا ایک انصاری سے مقام حرہ کی ایک نالی کے پانی کے بارے میں جھگڑا ہو گیا کہ اس سے کون اپنے باغ کو پہلے پانی دے۔ نبی ﷺ نے فرمایا کہ زبیر پہلے تم اپنے باغ کو پانی دے لو پھر اپنے پڑوسی کو جلد پانی دے دینا۔ اس پر اس انصاری نے کہا کہ یہ آپ ﷺ کا پھوپھی زاد بھائی ہے (تبھی آپ نے پہلے اسے پانی لگا لینے کا کہا ہے) یہ سن کر رسول اللہ ﷺ کا رنگ تبدیل ہو گیا اور فرمایا:

''زبیر اپنے باغ کو خوب پانی دو جب منڈیر تک پانی بھر جائے پھر اسے دینا۔''

اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ﴾

''تیرے رب کی قسم! یہ لوگ ایماندار نہ ہوں گے جب تک یہ ان جھگڑوں میں جو ان کے آپس میں ہوں تجھے اپنا حکم تسلیم نہ کر لیں۔''[1]

رسول اللہ ﷺ کے اس فیصلے کا تعلق خالص دنیاوی امر سے تھا جسے تسلیم نہ کرنے کی صورت میں اللہ تعالیٰ نے مذکورہ وعید بیان فرمائی۔ اس قسم کی اور بھی متعدد امثلہ ہیں جنھیں ہم بخوف طوالت چھوڑ رہے ہیں۔ جہاں تک حدیث تابیر نخل کا تعلق ہے تو وہ ایک خاص واقعے کے متعلق یعنی کھجوروں کو پیوند کرنے کے متعلق ہے جسے آپ ﷺ نے:

[1] النسآء: 65/4، بخاری، کتاب التفسیر، رقم: 4585۔

«أَنْتُمْ أَعْلَمُ بِأَمْرِ دُنْيَاكُمْ»[1]

کہہ کر جائز قرار دیا کیونکہ قبل ازیں آپ ﷺ نے اس سے منع فرمایا تھا، نیز یہ بھی ہے کہ واقعہ ابتدائی دور کا ہے جب ابھی سورۃ الاحزاب اور سورۃ الحشر کا نزول نہیں ہوا تھا۔ واللہ أعلم.

یہاں ایک اور وضاحت بھی ضروری ہے کہ اللہ، نبی اور امتی کے درمیان تین مراتب ہیں جن میں فرق کرنا ضروری ہے۔ ع

گر فرقِ مراتب نہ کُنی زندیقی

اللہ تعالیٰ کا کلام قرآن مجید اور نبی ﷺ کی احادیث مبارکہ حجت ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اپنے آخری ایام میں واشگاف الفاظ میں فرما دیا تھا:

«تَرَكْتُ فِيكُمْ أَمْرَيْنِ لَنْ تَضِلُّوا مَا تَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا كِتَابُ اللّٰهِ وَ سُنَّةُ نَبِيِّهِ»

''میں تم میں دو چیزیں چھوڑ رہا ہوں جب تک انھیں مضبوطی کے ساتھ پکڑے رکھو گے گمراہ نہیں ہو گے۔ ایک اللہ کی کتاب ہے اور دوسری اس کے نبی ﷺ کی سنت ہے۔''[2]

ایک مقام پر ارشاد فرمایا:

«عَضُّوْا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ»

---

[1] مسلم، كتاب الفضائل، باب وجوب امتثال ما قاله، رقم: 2363. [2] الموطا، كتاب القدر، باب النهي عن التقول بالقدر: 1662 حديث صحيح وهذا إسناد ضعيف.

"میری حدیثوں کو بڑی مضبوطی سے پکڑے رکھنا۔"[1]
علماء جانتے ہیں کہ نواجذ کا لفظ کتنے باریک اشارے پیش کرتا ہے۔

اثر

یہ لفظ کبھی سنت اور حدیث کے مترادف استعمال ہوتا ہے، مگر بالعموم صحابی کے قول کو "اثر" کہتے ہیں۔ "آثار" کا درجہ حدیث کے بعد ہے۔ ہم آثار کو دیکھ کر طریق نبوی معلوم کر سکتے ہیں۔ یہ ظاہر ہے کہ آنحضرت ﷺ کے سب سے زیادہ قریب صحابہ رضی اللہ عنہم تھے۔ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کو آنحضرت ﷺ سے بڑھ کر کسی سے محبت نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ انھوں نے آپ ﷺ کی ایک ایک مبارک ادا کو دیکھا، نوٹ کیا اور پھر صحیح سنت کے مطابق اس پر عمل کیا۔ اس طرح صحابہ رضی اللہ عنہم نے طریق نبوی کو اچھی طرح واضح فرما دیا۔ تفرد و اجتہاد دوسری چیز ہے۔[2]
لیکن عام حالات میں وہ ہمارے لیے دلیلِ راہ ہیں۔ اور صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی زندگی زیادہ تابناک ہے۔ ان کے قول و عمل کے متعلق آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«مَنْ يَعِشْ مِنْكُمْ بَعْدِيْ فَسَيَرٰى اِخْتِلَافًا كَثِيْرًا فَعَلَيْكُمْ

① ابوداود، کتاب السنة، باب في لزوم السنة، رقم: 4607. ② تفرد سے مراد وہ رائے یا خیال ہے جو جمہور سے الگ ہو۔ جیسے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا نماز میں تطبیق کرنا۔ [مسلم کتاب المساجد، باب الندب الى وضع الايدى: 534]اور معوذتین کو قرآن سے خارج سمجھنا ہے۔ [بخاری، کتاب التفسیر، سورة الفلق: 4976، الحمیدی، رقم: 374] اجتہاد سے مراد نامعلوم مسئلے کا حل معلوم کرنے کے لیے کوشش کرنا ہے۔ اس سلسلے میں وہ واقعہ پیش کیا جا سکتا ہے جس میں ایک زخمی صحابی رضی اللہ عنہ کو بجائے تیمم کے غسل کرا دیا گیا جس سے وہ چل بسے۔ [ابوداود، کتاب الطهارة، باب المجدور يتيمم، رقم: 336 وسنده ضعيف]

بِسُنَّتِیْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَآءِ الرَّاشِدِینَ الْمَهْدِیِّیْنَ»

''جو شخص میرے بعد زندہ رہے گا وہ بہت سے اختلافات دیکھے گا تو ایسے پرفتن دور میں میرے اور خلفائے راشدین کے، جو کہ ہدایت یافتہ ہیں، طریقے کو لازم پکڑنا۔''[1]

تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور خاص طور پر خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے طریقے کو پیشِ نظر رکھنا چاہیے۔ کیونکہ ان سے بڑھ کر سیرت اور حدیث کی کون پاسبانی کر سکتا تھا؟ اہل بیت رضی اللہ عنہم کا مقام بھی اسلام میں واضح ہے۔ جملہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان کی خاص عزت کیا کرتے تھے۔ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم ان کا ہر طرح سے خیال فرمایا کرتے تھے۔ اہل بیت، صحابہ رضی اللہ عنہم اور بالخصوص خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کا بہت احترام کرتے تھے۔ یہی ان کے باہمی پیار و محبت کا وہ نقشہ ہے جو قرآن حکیم نے ان الفاظ میں کھینچا ہے:

﴿ أَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ ﴾

''وہ کافروں پر سخت ہیں اور باہم دگر رحیم و کریم ہیں۔''[2]

ہمارے لیے ضروری ہے کہ ہم خلفائے عظام رضی اللہ عنہم اور جملہ صحابہ و اہل بیت رضی اللہ عنہم کو عزت اور عقیدت کی نگاہ سے دیکھیں اور انھیں اپنے لیے نمونہ بنائیں۔

[1] ابو داود، کتاب السنة، باب فی لزوم السنة، رقم: 4607. [2] الفتح: 29.

ائمہ کرام رحمہم اللہ

صحابہ رضی اللہ عنہم کے بعد مرتبہ ائمہ کرام رحمہم اللہ کا آتا ہے۔ بعض دوست صرف چار ائمہ کے قائل ہیں اور بعض بارہ ائمہ کے لیکن ہم اس کا وسیع مفہوم لینا بہتر سمجھتے ہیں۔ یعنی صحابہ رضی اللہ عنہم کے بعد ہر وہ بزرگ امام ہے جس نے کتاب وسنت کی صحیح خدمت کی ہے۔ رحمهم الله.

ائمہ رحمہم اللہ کے متعلق بنیادی طور پر اتنا یاد رکھنا ضروری ہے کہ وہ آسمانِ علم و فضل کے چمکدار ستارے ہیں۔ نورِ ہدایت کے روشن مینار ہیں۔ ہماری آنکھوں کے تارے اور سر کے تاج ہیں۔ ان کی یہ ساری عظمت وشان اس وجہ سے ہے کہ وہ بحرِ کتاب وسنت کے غواص ہیں۔ انھوں نے قرآن وحدیث کے موتی چن چن کر ہمارے سامنے رکھے ہیں۔ علماء وفقہا نے وہ موتی اپنی اپنی دوکان میں سجائے اور علمی بزم آرائی فرمائی۔ ہم ان اکابرین کی جملہ خدمات کا اعتراف ہی نہیں کرتے بلکہ ان کے شکر گزار اور بڑے ممنونِ احسان بھی ہیں۔ لیکن اس کے باوجود ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ کتاب وسنت کے تمام کے تمام گہر ہائے گراں مایہ فلاں ایک امام، ایک محدث یا ایک فقیہ کی ہی دوکان کی زینت ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ قرآن و سنت کے سب موتی کسی ایک کے پاس نہیں، تمام کے پاس بکھرے ہوئے اور منتشر موتی ہیں۔ کسی بزرگ کے پاس کوئی موتی ہیں۔ کسی امام کے پاس کوئی۔ اور جب یہ موتی متعدد ائمہ کے پاس بکھرے پڑے ہیں تو ہمارے لیے یہ کیونکر روا اور

جائز ہوسکتا ہے کہ ہم صرف ایک ہی ''جوہری'' کے خریدار بن جائیں؟ اور ایک ہی کو منتخب کرلیں۔ کسی دوسرے کی طرف قدم اٹھانا ممنوع اور حرام قرار دے دیں۔ ممکن ہے ایک بات امام شافعی رحمہ اللہ کے ہاں نہ ملتی ہو، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے ہاں پائی جاتی ہو۔ اور کسی مسئلے کا حل امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے ہاں نہ ہو، امام مالک رحمہ اللہ کے ہاں موجود ہو، مبسوط کتب میں ایسی متعدد مثالیں ملتی ہیں۔

علمِ نبوی ایک بحرِ بیکراں ہے، جس کی گہرائیوں اور پہنائیوں کا اندازہ لگانا کسی فردِ واحد کے بس کی بات نہیں۔ اور اس وسیع علم پر محیط ہونا کسی ایک بزرگ کے لیے ممکن بھی نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جملہ فقہا و محدثین رحمہم اللہ میں سے کسی نے بھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ علمِ نبوی سب کا سب میرے پاس ہے۔ حضرت سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا سارا علم نہ کسی ایک سینے میں جمع ہوا ہے اور نہ ہوسکتا ہے۔ بھلا علم میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر کون ہوسکتا ہے؟

ہزاروں ائمہ میں سے ایک امام کو اپنا متبوع بنا لینا اور اسی میں حق کو حصر کر دینا اور یہ سمجھ لینا کہ حق اسی کی پیروی میں بند ہے اور اس کی پیروی سے ہٹ جانا حق سے کنارہ کشی کرنا ہے۔ ہمارے خیال میں یہ نظریہ اپنے منتخب امام کو مقامِ نبوت پر لا کھڑا کرنے کے مترادف ہے۔ ایسا کرنا نہ صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین ہے بلکہ ائمہ رحمہم اللہ کے بھی شایانِ شان نہیں۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ یہ مقام صرف حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے اور کسی کا نہیں۔

ائمہ کو کچھ مسائل کا علم تھا اور کچھ مسائل انھیں معلوم نہ ہوسکے۔ جن احکام و مسائل وغیرہ کا انھیں علم نہ ہوسکا انھوں نے اس میں اجتہاد فرمایا اور ہم پورا حسنِ ظن رکھتے ہیں کہ انھوں نے یہ اجتہاد کتاب و سنت کی روشنی میں فرمایا اور ان کا یہ

اجتہاد فرمانا سراسر نیک نیتی پر مبنی تھا، البتہ اصول: اَلْمُجْتَهِدُ يُخْطِئُ وَيُصِيْبُ. (مجتہد سے خطا اور صواب دونوں کا احتمال ہے) کے پیش نظر ان سے اپنے قیاس، رائے، اجتہاد اور تفقہ میں غلطی بھی ہوئی اور یہ بات ائمہ کی توہین نہیں۔ کیونکہ جس ہستی سے کبھی کسی حال میں غلطی نہیں ہوتی وہ نبی ہوتا ہے۔ خطا اور غلطی سے مبرا صرف نبی ہوتا ہے۔ اہل سنت کا یہی نظریہ ہے۔

وہ دوست جو جوش یا مبالغہ آرائی میں آ کر کہہ دیتے ہیں کہ ہمارے امام نے کہیں کوئی غلطی نہیں کی، غالبًا وہ اپنے امام کو معصوم جانتے ہیں۔ حالانکہ امامِ معصوم صرف حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ہیں۔ اپنے امام کو معصوم کہنا اہلِ سنت کا عقیدہ نہیں، اہل تشیع کا عقیدہ ہے۔ ایسے دوست ٹھنڈے دل سے غور فرمائیں کہ وہ لاشعوری میں کیا کہہ دیتے ہیں۔ صحیح نظریہ یہی ہے کہ معصوم صرف نبی ہوتا ہے، امام معصوم نہیں ہوتا۔

یہاں پر معصوم سے مراد ہے معصوم عن الخطا۔ یعنی بھول چوک اور غلطی سے محفوظ۔ اور یہ وہی ہوسکتا ہے کہ جس پر وحی آئے۔ آپ غور فرمائیں کہ یہ مقام بھلا نبی علیہ السلام کے علاوہ کسے نصیب ہوسکتا ہے؟ یقینًا اس مقام پر انبیاء ہی فائز ہیں۔ کوئی امام یہ مقام نہیں پا سکتا۔ نبوت وہبی منصب ہے اور امامت کسبی۔ امام خواہ کتنا بڑا ہو وہ وہبی منصب کو کبھی نہیں پہنچ سکتا۔ اور یہی فرق ہے نبی اور غیر نبی کے درمیان۔

بسا اوقات یوں بھی ہوا کہ ائمہ رحمہم اللہ کو بروقت صحیح حدیث نہ مل سکی تو انھوں نے ضرورت کے پیشِ نظر اجتہاد فرمایا اور اجتہاد میں غلطی ہوگئی۔ یہی وجہ ہے کہ بابِ اجتہاد میں ائمہ اربعہ رحمہم اللہ کے مابین اختلاف ہوا۔ اور پھر تلامذہ کا اپنے ائمہ سے۔ ایسی مثالوں سے کتبِ فقہ بھری پڑی ہیں، مگر ائمہ کرام رحمہم اللہ اپنی اپنی جگہ یہ فرما کر بری ہوگئے ہیں کہ ''صحیح حدیث کے مقابلے میں ہمارا قول چھوڑ دو۔''

اندریں حالات، ائمہ کرام رحمہم اللہ کے اقوال اور اجتہادات پر ڈٹے اور جمے رہنا اور ان کے مقابلے میں صحیح حدیثوں کو ٹھکرا دینا ایسا مشغلہ ہے جس کو اہلِ حق نے کبھی پسند نہیں فرمایا۔ یہ ائمہ کرام کا ادب نہیں توہین ہے۔ یہ ان کے ارشاد کے سراسر خلاف اور مزاج کے بالکل منافی ہے۔ جس امام کی جو بات کتاب وسنت سے زیادہ قریب ہو وہ لے لی جائے اور دوسری ترک کردی جائے۔

ایک ضروری وضاحت!(جمود وہوٰی سے بچیں)

ہمیں صحیح نیت سے اتباعِ حق کے لیے کوشاں رہنا چاہیے کیونکہ ہمارا مقصود بالذات اتباع حق ہے۔ اور حق قرآن وسنت میں دائر ہے۔ مثلاً اگر کہیں کوئی مسئلہ امام شافعی رحمہ اللہ کے بجائے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا اقرب الی الحق نظر آئے تو اسے اختیار کرلیا جائے۔ اور کوئی اجتہاد امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے بجائے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا ہے تو اسے لے لیا جائے۔ علیٰ ہذا القیاس۔ اس طرح مسائل لینا یہ بھی اتباعِ حق ہی ہے۔ اور اگر ہم نے اقرب الی الحق مسئلے کی پیروی نہ کی اور بدستور اپنے متعین امام کی تقلید پر جمے رہے تو یہ جمود ہے جو حق کی راہ میں حائل ہے، اس سے بچنا ضروری ہے۔

اس کے ساتھ یہ بات بھی پیشِ نظر رکھنی چاہیے کہ جس طرح جمود سے بچنا ضروری ہے اسی طرح ہوٰی پرستی سے بھی احتراز کرنا ضروری ہے۔ ہوٰی سے مراد خواہشِ نفس ہے۔ اگر کسی امام یا مجتہد کا قول اس لیے اختیار کیا جائے کہ وہ خواہش کے موافق یا طبیعت کے مطابق ہے تو یہ اتباعِ حق نہ ہوگا بلکہ اتباع ہوٰی ہوگا۔ یہ روش بھی خطرناک ہے اور حق کی راہ میں رکاوٹ ہے۔ اگر جمود حق کی راہ میں مانع ہے تو ہوٰی بھی حق کی راہ میں روک ہے۔ دونوں سے کنارہ کشی کرنی چاہیے۔ جمود

اور ہویٰ دونوں حق سے دُور لے جاتے ہیں۔ اہل جمود اور اہل ہویٰ کو حق پر نہیں کہا جاسکتا۔ حق پر اسی کو کہا جاسکتا ہے جو محض حق کا متبع ہو۔ حق کا متلاشی ہو، حق پر قائم ہو اور حق کا مبلغ ہو۔ اور ہمیں یہ کہنے میں کوئی باک نہیں کہ حق قرآن کا نام ہے یا سنتِ ثابتہ کا۔ جو فکر و عمل قرآن و سنت سے متصادم یا دور ہو وہ حق نہیں کہلا سکتا۔

یہاں ایک اور اہم نکتے کی وضاحت بھی کر دی جائے تو غالباً نا مناسب نہ ہوگا کہ اجتہاد ہر کِہ و مِہ کا کام نہیں، اعلیٰ پایے کے علماء کا کام ہے۔ نیز اجتہاد اس وقت ہوگا جب قرآن و حدیث سے مسئلہ نہ ملے یا قرآن و سنت کا مسئلہ معلوم نہ ہو یا مستحضر نہ ہو۔ اور بعد میں جب تحقیق ہوگئی کہ قرآن و سنت کی دلیل یہ ہے تو اس وقت اجتہاد و قیاس پر عمل نہ ہوگا۔

اور یہ بات بھی یاد رکھنے کی ہے کہ اجتہاد کا دروازہ کھلا ہے بند نہیں ہے۔ صرف نبوت کا دروازہ بند ہے، البتہ اجتہاد کے کچھ آداب اور شرائط ہیں جنھیں پیش نظر رکھنے کی ضرورت ہے اور ان کا خلاصہ اوپر بیان ہو چکا ہے۔[1]

امامت

مسئلہ امامت میں شیعہ اور اہل سنت کے مابین بنیادی قسم کا اختلاف ہے جو

[1] مولانا محمد عاصم الحداد نے اپنی کتاب ''اصول فقہ پر ایک نظر'' صفحہ نمبر 167،166 پر اجتہاد کی جو شروط بیان فرمائی ہیں ان کا حاصل یہ ہے: ① مجتہد کی نیت صاف اور عقیدہ صحیح ہو۔ ② اسے عربی زبان پر عبور حاصل ہو۔ ③ کتاب و سنت کے نصوص اور ان کے ناسخ و منسوخ کا اتنا علم ہو کہ ان سے احکام کو بخوبی اخذ کر سکے۔ ④ اجماع کے مسائل سے بھی واقف ہو۔ ⑤ صحابہ کرام، تابعین اور بعد کے فقہاء کے مابین مسائل میں اختلاف اس کے اسباب اور دلائل کا علم رکھتا ہو۔ ⑥ اسے اصول فقہ کا اور شریعت کے مآخذ سے احکام کو صحیح طور پر اخذ کرنے کے طریقے کا علم ہو۔ ⑦ مقاصدِ شریعت، اس کے احکام کی علتوں اور ان کے پیچھے کارفرما حکمتوں سے بھی بخوبی واقف ہو۔

مختصراً یوں ہے کہ شیعہ کے نزدیک امام منصوص، معصوم اور امت میں افضل ہوتا ہے لیکن اہل سنت کے ہاں امامت کے لیے ایسی کوئی شرائط نہیں۔ ان کے ہاں ہر وہ عظیم انسان امام ہے جو لوگوں کو حق کی جانب رہنمائی کرے۔

چنانچہ حافظ جمال الدین مزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جو شخص لوگوں میں کتاب و سنت کی تبلیغ کرے وہی امام ہے۔

علامہ شمس الدین مقدسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: امام کا کام یہ ہے کہ وہ لوگوں کو توحید و رسالت کی طرف ہدایت دیتا ہے۔

ابن دقیق العید رحمہ اللہ کہتے ہیں:

امام کے فرائض و مناصب یہ ہیں کہ وہ لوگوں کو حق کی طرف بلائے۔ انھیں کتاب و سنت کی دعوت دے اور شرک و کفر اور بدعات سے روکے۔ یعنی اہل سنت کے نزدیک توحید و سنت کی نشر و اشاعت امامت کی اہم اور بنیادی شرط ہے۔

علاوہ ازیں اہل سنت کے ہاں جس کی اطاعت فرض و لازم ہے وہ پیغمبر اسلام ﷺ کی ذاتِ گرامی ہے۔ ائمہ رحمہم اللہ کی عزت و عظمت ضروری ہے مگر وہ مطاع نہیں۔ مُطاع (یعنی جس کی اطاعت کی جائے) فقط نبی ﷺ کی ذات مبارکہ ہے۔

قرآن بھی حدیث ہے

ارشادِ نبوی کو بھی حدیث کہتے ہیں اور ارشادِ ربانی کو بھی، چنانچہ متعدد مقامات پر اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم کو حدیث کے نام سے یاد کیا ہے۔ بطور نمونہ چند مقام پیش ہیں:

1 ﴿اللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ﴾

''اللہ تعالیٰ نے بہترین حدیث اتاری۔''[1]

2 ﴿اَفَبِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَنْتُمْ مُّدْهِنُوْنَ﴾

''کیا اس حدیث کو تم سرسری خیال کرتے ہو؟''[2]

3 ﴿فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا﴾

''پھر شاید تو (اے نبی ﷺ) اپنی جان کو ان (کافروں، منکروں) کے پیچھے جو اس حدیث پر ایمان نہیں لاتے غم کے مارے ہلاک کرنے والا ہے۔''[3]

ان آیات میں قرآن عزیز کو ''حدیث'' کہا گیا ہے۔

علاوہ ازیں آنحضرت ﷺ نے بھی قرآن مجید کو حدیث کے نام سے موسوم کیا ہے، چنانچہ فرمایا:

---

[1] الزمر: 23. [2] الواقعة: 81. [3] الکهف: 6.

«اِنَّ خَيْرَ الْحَدِيثِ كِتَابُ اللّٰهِ»

''بہترین حدیث قرآن مجید ہے۔''[1]

حاصل کلام یہ ہے کہ کلامِ رسول ﷺ بھی حدیث ہے اور کلامِ خدا بھی۔

اور جو شخص قرآن و حدیث دونوں کو برہان، دلیل اور حجت مانتا ہے وہ اہل حدیث ہے۔

اصل دیں آمد کلام اللہ معظم داشتن
پس حدیثِ مصطفیٰ برجاں مسلّم داشتن

اسی بنا پر ہمیں یہ تسلیم کیے بغیر کوئی چارۂ کار نہیں کہ جمیع صحابہ رضی اللہ عنہم، ائمہ رحمہم اللہ، مشاہیر اسلام رحمہم اللہ اور محدّثین رحمہم اللہ اہلِ حدیث تھے۔ ''اہلحدیث'' نام اتنا پیارا ہے کہ جس نے بھی اسے سنا اسے پسند کیا۔ اور جس حق پسند نے بھی اس پر غور کیا اس کا گرویدہ ہو گیا کیونکہ یہ نام ہے جاں نثارانِ قرآن وسنت کا۔

بعض دوست دعویٰ تو عمل بالقرآن والحدیث کا رکھتے ہیں مگر وہ اہل حدیث کہلانے سے گریز کرتے ہیں، حالانکہ قرآن و حدیث کے عامل و حامل کو اس نام سے گریز نہیں کرنا چاہیے۔ کیونکہ اہل حدیث نام کا معنی ہے قرآن و حدیث پر عمل کرنے والا۔ یقیناً تمام صحابہ رضی اللہ عنہم وائمہ رحمہم اللہ اہلِ حدیث تھے کیونکہ ان کا عمل اور عقیدہ قرآن وحدیث کے مطابق تھا۔

جب ہم نے جان لیا کہ قرآن بھی حدیث ہے تو اس سے ان لوگوں کے اعتراض کی کیا وقعت باقی رہ جاتی ہے کہ اہل حدیث تو صرف حدیث کو مانتے ہیں قرآن کو نہیں۔

[1] مسلم، کتاب الجمعة، باب تخفيف الصلاة والخطبة، رقم: 867.

مزید تفصیلات آپ آئندہ صفحات پر ملاحظہ فرمائیں۔ اب ہم فضائلِ حدیث پر کچھ روشنی ڈالتے ہیں۔

فضائل حدیث

حدیث ایک بڑا مقدس علم ہے۔ مقدس اس لیے ہے کہ یہ آنحضرت ﷺ کے اقوال و افعال اور تقریرات کا مجموعہ ہے۔ آپ ﷺ بھی صاحبِ فضیلت ہیں اور آپ ﷺ کا فرمان بھی بڑی فضیلت کا حامل ہے۔ حدیث کو حفظ کرنا، لکھنا، پڑھنا پڑھانا باعث ثواب وصد افتخار ہے۔

اس سلسلے میں کچھ ارشاداتِ نبویہ اور صحابہ رضی اللہ عنہم و ائمہ رحمہم اللہ کے اقوال ہدیہ قارئین کیے جاتے ہیں:

1 آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«نَضَّرَ اللّٰهُ امْرَأً سَمِعَ مِنَّا حَدِيثًا فَحَفِظَهُ حَتّٰى يُبَلِّغَهُ»

''اللہ تعالیٰ اس شخص کو تروتازہ رکھے جو ہم سے حدیث سنے اسے یاد کرے اور آگے پہنچا دے۔''[1]

2 «مَنْ حَفِظَ عَلٰى أُمَّتِىْ أَرْبَعِيْنَ حَدِيثًا فِيْ أَمْرِ دِيْنِهَا بَعَثَهُ اللّٰهُ فَقِيْهًا وَكُنْتُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيَامَةِ شَافِعاً وَشَهِيْدًا»

''جو شخص امورِ دین سے متعلق چالیس حدیثیں یاد کرے اسے اللہ تعالیٰ روز قیامت فقیہ اٹھائے گا اور روزِ قیامت میں اس کی سفارش کروں گا اور اس کے حق میں گواہی دوں گا۔''[2]

[1] ابوداود، كتاب العلم، باب فضل نشر العلم، رقم: 3660، وسنده صحيح. [2] شعب الایمان، رقم: 1685 و سنده ضعيف.

3 آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص (قرآن و حدیث کا) علم حاصل کرنے کے لیے نکلتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے اس کے لیے جنت کا رستہ آسان فرما دیتا ہے۔''①

4 امام سفیان رحمہ اللہ کہتے ہیں: میں نہیں جانتا کہ روئے زمین پر کوئی عمل طلبِ حدیث سے افضل ہو۔ (کیونکہ اسی سے قرآن و سنت کا علم سامنے آتا ہے۔)''②

5 وکیع بن جراح رحمہ اللہ کہتے ہیں: اگر روایت حدیث میرے نزدیک تسبیح خوانی سے بہتر نہ ہوتی تو میں ہرگز اس میں مشغول نہ ہوتا کیونکہ اس قیمتی ذخیرے کی نشر و اشاعت بہت ضروری ہے۔③

6 عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: جو شخص حدیثیں روایت کرتا ہے وہ گویا نماز میں ہے۔ حضرت وکیع رحمہ اللہ سے بھی اسی طرح کا قول مروی ہے (مراد احادیث صحیحہ کی روایت ہے۔)''④

7 حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حدیث کا لکھنا نفلی روزوں سے افضل ہے۔ امام خطیب رحمہ اللہ کا بھی یہی قول ہے کیونکہ دین کا پھیلانا فرض ہے اور فرض بہر صورت نفل سے افضل ہوتا ہے۔''⑤

8 قاضی حسن بن عبدالرحمٰن رامہرمزی فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے حدیث اور اہل حدیث کو فضیلت عطا فرمائی ہے۔''⑥

9 امام رمادی رحمہ اللہ جب کبھی بیمار پڑتے تو فرماتے: اہل حدیثوں کو بلاؤ، جب وہ

① مسلم، کتاب الذکر والدعاء، باب فضل الاجتماع علی تلاوۃ القرآن......، رقم: 2699.
② شرف اصحاب الحدیث رقم: 167. ③ شرف اصحاب الحدیث رقم: 172. ④ شرف اصحاب الحدیث رقم: 175,174 حسن. ⑤ شرف اصحاب الحدیث رقم: 179. ⑥ المحدث الفاصل بین الراوی والواعی، ص: 159.

آتے تو فرماتے مجھے حدیثیں پڑھ کر سناؤ۔ اس سے انھیں سکونِ قلب نصیب ہوتا۔"[1]

10 حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: احادیث کا مذاکرہ کرتے رہو ورنہ ڈر ہے کہ علم مٹ ہی نہ جائے۔ (یہاں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے احادیث کو علم سے تعبیر فرمایا ہے۔)"[2]

11 عبدالرحمٰن بن ابو لیلیٰ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حدیث کی زندگی پڑھنا اور پڑھانا ہے۔"[3]

12 آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مجھ سے حدیث روایت کرو اور مجھ پر جھوٹ نہ بولو۔"[4] (صحیح احادیث روایت کرنے کی اجازت ہی نہیں حکم ہے۔ جھوٹی احادیث کو روایت کرنے کی مناہی ہے)۔

13 عبداللہ بن داود رحمہ اللہ فرماتے ہیں: انسان کو چاہیے کہ حدیث کے سننے پر اپنی اولاد کو مجبور کرے (کیونکہ حدیث اخلاق و ادب سکھاتی ہے اور علم سے آشنا کرتی ہے۔)"[5]

14 حضرت ابراہیم بن ادہم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میرے والد نے مجھ سے کہا: بیٹا تم حدیث سیکھو اور یاد کرو۔ ایک ایک حدیث یاد کرنے پر تمھیں ایک ایک درہم دوں گا۔ (کہتے ہیں) چنانچہ میں نے اسی طرح حدیثیں یاد کیں (اللہ یہ شوق ہمیں بھی دے)۔"[6]

مقامِ حدیث

کلام کا انحصار متکلم پر ہوتا ہے۔ جس قدر متکلم ذی مرتبت اور بلند شان ہوتا ہے اسی قدر اس کا کلام بھی بلند مرتبہ اور ذی شان سمجھا جاتا ہے۔ مسلمانوں کا اس

① ایضاً، رقم: 189 حسن ان شاء اللّٰه. ② شرف اصحاب الحدیث، رقم: 181. ③ ایضاً، رقم: 201. ④ مسلم، کتاب الزهد، باب التثبت فی الحدیث .....، رقم: 3004، احمد: 46/3. ⑤ شرف اصحاب الحدیث للخطیب البغدادی، رقم: 131،130. ⑥ شرف اصحاب الحدیث رقم: 133.

بات پر اتفاق ہے کہ اس عالم رنگ و بو میں آنحضرت ﷺ کا کوئی ثانی پیدا ہوا ہے نہ ہوگا، چنانچہ نتیجہ صاف ہے جس طرح پوری کائنات میں آپ ﷺ سب سے اونچا مقام رکھتے ہیں۔ اسی طرح جمیع مخلوقات (وہ انبیاء علیہم السلام ہوں یا اولیاء رحمہم اللہ، صحابہ رضی اللہ عنہم ہوں یا تمام ائمہ کرام) کے کلام سے آپ ﷺ کا کلام بلند مقام رکھتا ہے۔ ثابت ہوا کہ قرآن کے بعد درجہ حدیث کا ہے اور یہ نظریہ جملہ اہل سنت کا ہے۔ دوسرا یہ کہ کلام ہمیشہ متکلم کا نائب اور قائم مقام ہوا کرتا ہے۔ جو مقام متکلم کا ہوتا ہے وہی مقام اس کے کلام کا باور کیا جاتا ہے۔ ہم روحانی اور سیاسی پیشواؤں کے ارشادات کو اسی لیے قابلِ تکریم مانتے ہیں کہ وہ حضرات خود بابرکت اور قابلِ احترام تھے۔ اقوال تو ہم لوگوں کے بھی ہیں مگر یہ اقوال وہ شان نہیں رکھتے جو شان ائمہ، محدّثین، علماء، صوفیاء اور سیاسیین کے اقوال رکھتے ہیں۔ بالکل اسی طرح ارشاداتِ نبوی حضرت محمد ﷺ کے قائم مقام ہیں۔ حاصل کلام یہ کہ جو مقام آنحضرت ﷺ کا ہے، ہمارے نزدیک وہی مقام آپ ﷺ کی حدیث کا ہے۔ جس کو آپ ﷺ سے محبت ہے اس کو آپ ﷺ کے ارشادات سے بھی عقیدت ہونی چاہیے اور آپ ﷺ کے ارشادات سے عقیدت علامت ہے خود آپ ﷺ سے محبت کی۔ جو شخص آپ ﷺ کے ارشادات (حدیث) کو حقیر یا کم تر سمجھتا ہے تو اس کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہوسکتا ہے کہ اس کے دل میں حضور ﷺ کی محبت نہیں۔

ایک غلط فہمی

بعض لوگ ایک غلط فہمی کا شکار ہیں۔ وہ یہ کہ جماعت اہل حدیث اقوالِ ائمہ رحمہم اللہ کی قدر نہیں کرتی اور ان کا مرتبہ کم کرتی ہے۔ مگر وہ لوگ یہ غور نہیں فرماتے کہ یہ جماعت اقوالِ ائمہ رحمہم اللہ کا مقام کون سے ارشادات سے کم کرتی

ہے۔ عام اقوال سے یا حضور ﷺ کے ارشادات سے؟ جماعت اہل حدیث ائمہ کرام رحمہم اللہ اور ان کے ارشادات کو قدر کی نگاہ سے دیکھتی ہے لیکن انھیں ارشاداتِ رسول کے ہم پلہ نہیں جانتی۔ یہی وہ بنیادی نکتہ ہے جس سے اختلافات کی خلیج کو کم یا زیادہ کیا جاسکتا ہے۔

آسمان کے ستارے روشن اور پُر نور ہوتے ہیں مگر جب سورج نہ ہو، لیکن جب آفتاب عالمتاب طلوع ہوگا تو تمام روشن اور چمکنے والے ستارے ماند پڑ جائیں گے۔ یہی حال نبی علیہ السلام اور غیر نبی کا ہے۔ ائمہ رحمہم اللہ اپنی جگہ پر بڑے مرتبے والے ہیں مگر آنحضرت ﷺ کے مقابلے میں نہیں۔ ان کے اقوال وزنی ہیں لیکن حدیث کے مقابلے میں کوئی وزن نہیں رکھتے۔ خود ائمہ کرام رحمہم اللہ کا اپنا یہی مذہب تھا۔[1]

مقامِ رسالت

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو پیدا کیا اور انھیں عقل و شعور سے نوازا۔ مگر انسانی عقل و شعور ایسا نہیں جو لغزش، خطا اور غلطی سے محفوظ ہو، چنانچہ انسانیت کی رہنمائی کے لیے سلسلہ نبوت و رسالت جاری فرمایا۔

نبی یا رسول کی عقل صحیح اور کامل ہوتی ہے وہ غلطی سے محفوظ ہوتی ہے۔ اور انسانوں کو نظری و فکری غلطیوں اور ٹھوکروں سے بچاتی ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رہنمائی خود اللہ رب العالمین فرماتے ہیں۔ ہمارے نبی ﷺ کا مقام تمام انبیاء سے منفرد و ممتاز ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو پوری نوعِ انسانیت کے لیے اسوۂ اکمل اور رہبر کامل بنایا ہے۔[2] شاہراہِ حیات کے ہر موڑ پر

① تفصیل کے لیے دیکھیے ہماری تازہ کتاب ''سیرتِ ائمہ رحمہم اللہ''۔ ② تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمایئے ہماری کتاب رہبرِ کامل۔

آپ ﷺ ایک مکمل رہنما ہیں۔ ہماری نظر وفکر، سوچ و بچار، عقل و قیاس غرض ہر شے غلطی کر سکتی ہے اور غلطی کا شکار ہو سکتی ہے۔ مگر آپ ﷺ سے ان چیزوں کا کوئی احتمال نہیں۔ اگر کبھی لغزش ہوئی بھی تو فوراً اللہ تعالیٰ نے اصلاح فرما دی۔ لہٰذا یہ تسلیم کرنا ہوگا کہ آنحضرت ﷺ ہمارا معیار ہیں، ہماری کسوٹی ہیں اور ہمارا مقیاس ہیں جن کے ذریعے ہم حق اور باطل، صحیح اور غلط کو پرکھ سکتے ہیں اور ہر چیز کی پوری پوری جانچ کر سکتے ہیں۔ اس کے ساتھ یہ بھی واضح رہے کہ یہ مقام صرف حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو حاصل ہے اور کسی کو نہیں۔

عام بزرگ مثلاً امام مجتہد، مجدد، محدث، مفسر تو رہے ایک طرف، کوئی پیغمبر اور نبی بھی حضور ﷺ کے اس منصب میں شریک نہیں۔ اور ہم ڈنکے کی چوٹ یہ کہتے ہیں کہ جس طرح بزرگ و برتر خدا اپنی الوہیت میں وحدہ لاشریک ہے ٹھیک اسی طرح اعلیٰ و بالا نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی رسالت میں وحدہ لاشریک ہیں۔ الوہیت میں کسی کو شامل کرنا اگر شرک فی التوحید ہے تو آپ ﷺ کے بعد رسالت میں کسی کو شریک کرنا شرک فی الرسالت ہے۔ حضور ﷺ کا اس کائناتِ ہست و بود میں نہ کوئی ثانی ہے نہ شریک۔ ہر اعتبار سے اور ہر پہلو سے آپ ﷺ منفرد ہیں۔ ممتاز ہیں اور بے نظیر ہیں۔ آپ ﷺ کی مثل نہ کوئی ہوا ہے نہ ہو سکتا ہے۔

ہمارے عام مسلمانوں نے یہ مرکزی نکتہ سمجھنے میں ٹھوکر کھائی، چنانچہ انھوں نے غیر شعوری طور پر یا بعض صورتوں میں شعوری طور پر اپنے اپنے ائمہ، قائدین اور ریفارمرز کو نبی کے مقام پر بٹھا دیا اور نبی کو خدا کا شریک اور ہمسر بنا دیا۔

مولانا حالی مرحوم نے خوب کہا:

نبی کو جو چاہیں خدا کر دکھائیں — اماموں کا رتبہ نبی سے بڑھائیں

ہمارا ایک جدید طبقہ

ہمارا ایک جدید طبقہ یہ کہتا ہے کہ حضرت رسول کریم ﷺ بڑے امانتدار، دیانتدار اور قول کے سچے تھے اور بس، یعنی اس سے آگے کچھ نہیں تھے۔ اگر آپ کہیں کہ بھائی! ''یہ سب ٹھیک ہے جو تم کہتے ہو، مگر ذرا یہ بھی کہو کہ آپ ﷺ ہمارے رہبر کامل ہیں۔ ہمارے لیے دلیل، حجت اور بُرہان ہیں۔ حق اور باطل کے پرکھنے کی کسوٹی ہیں اور آپ ﷺ کا ہر فرمان اور ہر ارشاد حق ہے'' تو وہ طبقہ آپ کی ہمنوائی کے لیے تیار نہ ہوگا۔ گویا وہ طبقہ آپ ﷺ کی حیثیت شخصی کو جس کو مشرکینِ مکہ بھی مانتے تھے اور آج غیر مسلم منکرین بھی مانتے ہیں، تسلیم تو کرتا ہے مگر حیثیت رسالت کو ماننے کے لیے تیار نہیں ہوتا۔ ان دونوں راہوں نے تعصّب، تنگ نظری اور جہالت کی وجہ سے کئی فرقے پیدا کردیے، جو سب کے سب مقامِ رسالت کو صحیح طور پر نہ سمجھنے کی وجہ سے ''غَیْرَ سَبِیْلِ الْمُؤْمِنِیْنَ'' کی طرف گامزن ہیں (خدا سمجھ کی توفیق دے۔ آمین)

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ہر مسلمان آنحضرت ﷺ سے عقیدت رکھتا ہے اور آپ ﷺ کا ادب واحترام بھی کرتا ہے اور آپ ﷺ کو افضل البشر بھی جانتا ہے بلکہ ساری کائنات سے اعلیٰ واشرف مانتا ہے لیکن اصل نکتہ جس سے آپ ﷺ کی حقیقی حیثیت متعین ہوتی ہے اسے جاننے کی کوشش نہیں کرتا۔ یہ باتیں بالکل بجا اور صحیح ہیں بلکہ جزو ایمان ہیں، لیکن جب تک آپ ﷺ کے مقامِ رسالت کو نہ سمجھا جائے کچھ سمجھ نہیں آسکتا۔ آنحضرت ﷺ کی حیثیت کا تعین کرنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ مقامِ رسالت کو سمجھا جائے۔

ذیل میں ہم مختلف عنوانات کے تحت آپ ﷺ کی رسالت کے مقام کو واضح کرتے ہیں تاکہ آپ ﷺ کی بے نظیر و بے مثال ذات کا صحیح تعین ہو سکے اور ہم فرقوں کی دلدل سے نکل کر صاف اور محفوظ راستے پر جادہ پیما ہو سکیں۔

مقامِ رسالت قرآن مجید کی نگاہ میں

سوچنے کی بات ہے کہ کیا اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو وہ مقام نہیں دیا جس کا ہم نے گزشتہ سطور میں ذکر کیا ہے؟ جب ہم قرآن کریم کا مطالعہ کرتے ہیں تو اس میں متعدد مقامات پر مقامِ رسالت کو واشگاف طور پر بیان کیا گیا ہے۔ بطورِ نمونہ چند آیات پیش ہیں:

1. ﴿وَمَا اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۗ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ﴾

"اور جو حضرت رسول کریم ﷺ تمھیں دیں وہ لے لو۔ اور جس چیز سے روکیں، رک جاؤ۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو بے شک اللہ سخت عذاب کرنے والا ہے۔"[1]

2. ﴿وَ مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّ لَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ۭ وَ مَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا﴾

"اور کسی مسلمان مرد اور عورت کے لیے لائق نہیں کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی کام کا فیصلہ کردے کہ پھر اس کا کوئی اختیار باقی رہ جائے

① الحشر: 7.

اور جس شخص نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی تو وہ کھلی گمراہی میں جا پڑا۔"①

3 ﴿قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ط وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾

"اے محمد ﷺ! کہہ دیجیے اگر تم اللہ سے محبت کرنا چاہتے ہو تو میری اتباع کرو اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔"②

4 ﴿فَلَا وَ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَ يُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا﴾

"(اے محمد ﷺ) آپ ﷺ کے رب کی قسم! وہ ایمان دار نہیں ہو سکتے جب تک کہ اپنے جھگڑوں میں آپ ﷺ کو فیصل تسلیم نہ کریں (پھر آپ ﷺ کا فیصلہ سن کر) اپنے دل میں کوئی تنگی محسوس نہ کریں اور وہ صحیح معنی میں سر تسلیم خم نہ کر دیں۔"③

5 ﴿وَ مَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَ يَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَ نُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ط وَ سَآءَتْ مَصِيْرًا﴾

"اور جو کوئی سیدھی راہ واضح ہونے کے بعد رسول کی مخالفت کرے اور مومنوں (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) کے علاوہ کسی اور راہ کی اتباع کرے تو جدھر کو وہ پھرا ہم ادھر ہی اس کو پھیر دیں گے اور (انجام کار) اس کو جہنم میں

① الاحزاب: 36. ② آل عمران: 31. ③ النساء: 65.

داخل کریں گے اور وہ بدترین جگہ ہے۔''[1]

6 ﴿وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّ حِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَ لَتَنْصُرُنَّهٗ﴾

''اور جب اللہ تعالیٰ نے نبیوں سے پختہ عہد لیا کہ جب میں تمھیں کتاب اور حکمت دوں پھر تمھارے پاس پیغمبر (حضرت محمد ﷺ) آئے جو اس چیز کی تصدیق کرنے والا ہو جو تمھارے پاس ہے تو ضرور اس پر ایمان لانا اور ضرور اس کی مدد کرنا۔''[2]

کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

منسوخ شد صحیفۂ موسیٰ علیہ السلام وہم مسیح
ہم ناسخ زبور قرآنِ محمد ﷺ است

7 ﴿يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِيْرًا ۝ وَّ دَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَ سِرَاجًا مُّنِيْرًا﴾

''اے نبی ﷺ! ہم نے آپ کو گواہ، خوشخبری دینے اور ڈرانے والا اور اللہ کے حکم سے اس کی طرف دعوت دینے والا اور سراج منیر بنا کر بھیجا ہے۔''[3]

یہ چند آیاتِ قرآنی ہیں جو بطور مشتے نمونہ از خروارے سپردِ خامہ ہیں۔ ورنہ اس مفہوم کی اور بھی بیسیوں آیات ہیں جو مقامِ رسالت کو واضح طور پر پیش کرتی ہیں۔ مندرجہ بالا آیات سے حسب ذیل چند اہم ترین باتوں کی وضاحت ہوتی ہے، ترتیب وار ملاحظہ ہوں:

1 ارشادِ نبوی بڑی عظمت اور اہمیت کا حامل ہے۔ اس کی تعمیل حکمِ الٰہی کی تعمیل ہے۔

[1] النساء: 115. [2] آل عمران: 81. [3] الاحزاب: 46,45.

2 اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے فیصلے کے بعد کسی بھی شخص کو اس میں چون و چرا کرنے کی گنجائش ہے نہ ضرورت۔

3 محض حضور ﷺ کے اتباع سے خدا کی محبت نصیب ہوتی ہے اور کسی کی اتباع سے نہیں۔

4 ایسا شخص مومن نہیں ہے جو حضور ﷺ کے ارشاد و فیصلہ پر سر تسلیم و رضا خم نہیں کرتا۔

5 جس نے حضور ﷺ اور مومنوں (صحابہ رضی اللہ عنہم) کے خلاف قدم اٹھایا وہ جہنمی ہے۔

6 آپ ﷺ کی یہ شان ہے کہ جمیع انبیاء علیہم السلام اور مرسلین علیہم السلام کو حکم ہوا بالفرض اگر حضور ﷺ تمھارے عہد میں تشریف لے آئیں تو ضروری ہے کہ تم ان کی تصدیق کرو اور ان پر ایمان لاؤ اور ان کی مدد کرو۔ یعنی انبیاء علیہم السلام و مرسلین علیہم السلام کو بھی آپ ﷺ کی پیروی اور فرمانبرداری کا حکم ہے۔ یہ درحقیقت پوری دنیا کے سامنے آپ ﷺ کا مقامِ رفیع واضح کرنا تھا کہ جب آپ ﷺ تشریف لے آئیں تو آپ ﷺ ہی کی پیروی کی جائے گی اور کسی کی پیروی نہیں کی جائے گی۔

7 آپ ﷺ ''سراج منیر'' یعنی آفتابِ عالمتاب ہیں۔ آپ ﷺ کے آفتابِ رسالت کے نیچے کسی نبی، ولی یا امام کا چراغ روشن کرنا صریح زیادتی ہے۔ اور آپ ﷺ کی شانِ رسالت کے عین منافی۔ آپ ﷺ کے مقابلے میں کسی پیغمبر، صحابی یا امام کا چراغ روشن نہیں کیا جا سکتا۔ یعنی آپ ﷺ کے مقابلے میں کوئی بڑے سے بڑا بھی کوئی حیثیت نہیں رکھتا نہ کسی کی بات چل سکتی ہے نہ کوئی سکہ و قانون۔

مقامِ رسالت صحابہ رضی اللہ عنہم کی نگاہ میں

اب ملاحظہ کیجئے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آنحضرت ﷺ کو کیا مقام دے رکھا

تھا۔ کیا وہ آپ ﷺ کو حجت، دلیل، برہان، اور اپنی ہر نزاع اور اختلاف رائے میں ثالث نہ مانتے تھے؟ اور کیا انھوں نے اپنے خیال، عقل، قیاس، فکر غرض ہر چیز کو نبی کریم ﷺ کے تابعِ حکم نہ کر دیا تھا؟ اور کیا انھوں نے بمقابلۂ حدیثِ نبوی ﷺ اپنے اجتہاد و تفقہ کو ترک نہ کر دیا تھا؟

ان سوالات کے جوابات تلاش کرنے کے لیے درج ذیل واقعات ملاحظہ فرمائیں:

یہ ایک روشن حقیقت ہے کہ جملہ صحابہ و اہل بیت رضی اللہ عنہم آنحضرت ﷺ کو ہر معاملے میں حجت اور برہان مانتے تھے۔ آپ ﷺ کا قول، فعل اور سکوت ان کے لیے ایک سند تھا۔ ہم بطورِ نمونہ صرف خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے طریق و عمل پر ہی اکتفا کرتے ہیں جس سے مقصود و مدعا بآسانی واضح ہو جائے گا۔ ان شاء اللہ

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا طرز عمل

1 آنحضرت ﷺ کی رحلت کے بعد سب سے بڑا مسئلہ خلافت کا تھا۔ سقیفہ بنی ساعدہ میں انصار رضی اللہ عنہم اور مہاجرین رضی اللہ عنہم کے درمیان اس مسئلے میں اختلاف رونما ہو گیا، اور ایک کشمکش شروع ہو گئی، قریب تھا کہ بات کچھ طول اختیار کر جاتی کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تشریف لے آئے اور آپ ﷺ نے اس بارے میں آنحضرت ﷺ کا ارشاد گرامی پیش کیا: «اَلْاَئِمَّةُ مِنْ قُرَيْشٍ» ”امام قریش میں سے ہوں گے۔“[1]

[1] حديث «الائمّةُ من قريش» صحيح ثَابِتٌ مَشْهُوْرٌ۔ انظر: ارواء الغليل: 298/2، رقم: 520، وحديث السقيفة فقد اخرجه البخاري في صحيحه: كتاب فضائل الصحابة، باب، رقم: 3668.

یہ ارشاد نبوی ﷺ سنتے ہی فریقین نے سرِ تسلیم خم کر دیا۔ اور اتنا بڑا اختلاف آن واحد میں ختم ہو گیا۔

2 اس کے بعد دوسرا اختلاف آنحضرت ﷺ کی تدفین کے بارے میں تھا کہ آپ ﷺ کو کس جگہ دفن کیا جائے۔ اتنے میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تشریف لے آئے اور ارشاد نبوی ﷺ پیش کیا۔ فرمایا:

«سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ یَقُوْلُ: «مَامِنْ نَبِيٍّ یُقْبَضُ اِلَّا دُفِنَ تَحْتَ مَضْجَعِهِ الَّذِیْ مَاتَ فِیهِ»

''میں نے آنحضرت ﷺ سے سنا آپ ﷺ نے فرمایا:'' نبی جہاں فوت ہوتا ہے اسی جگہ اسے دفن کیا جاتا ہے۔''[1]

پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ فرمان سنتے ہی تمام اختلاف آراء ختم ہو گیا۔ پھر اسی حجرۂ شریف میں آپ ﷺ کو دفن کیا گیا جس میں آپ ﷺ نے انتقال فرمایا تھا۔

3 حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے سامنے ایک دفعہ جدّہ (دادی، نانی) کے ورثہ کا مسئلہ پیش آیا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ قرآن کریم میں اس مسئلے کی صراحت نہیں آئی اور آنحضرت ﷺ کا فیصلہ مجھے یاد نہیں۔ چنانچہ نماز ظہر ادا کرنے کے بعد آپ رضی اللہ عنہ نے اس مسئلے کی بابت حاضرین سے دریافت کیا۔ حاضرین میں سے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ اٹھ کھڑے ہوئے اور آنحضرت ﷺ کا فیصلہ پیش کر دیا۔ فرمایا:

حَضَرْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اَعْطَاهَا السُّدُسَ.

''میں رسول اللہ ﷺ کے پاس تھا تو آپ ﷺ نے اس (دادی) کو چھٹا حصہ دیا۔''[2]

① تاریخ دمشق: 311/30، حدیث ثابت بماله من الطرق والشواهد۔ ② ابوداود، کتاب الفرائض، باب فی الجدة، رقم: 2894 صحیح۔

ایک دوسرے صحابی محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے بھی اس کی تائید کردی، چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فیصلہ اسی وقت صادر فرمادیا کہ جدّہ کو 1/6 دلوایا جائے۔

فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کا طرزِ عمل

1 سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ ملک شام جارہے تھے۔ پتا چلا کہ وہاں طاعون کی وبا پھیلی ہوئی ہے۔ آپ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا، چنانچہ ایک گروہ نے کہا: ''واپس لوٹ جانا مناسب ہے۔'' دوسرے نے کہا: ''نہیں آگے چلنا چاہیے۔''

اختلاف رائے پیدا ہوگیا۔ گفتگو ابھی ختم نہ ہوئی تھی کہ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ پیغام رحمت بن کر پہنچ گئے۔ طرفین کی تقریر سن کر آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ جس جگہ تم ہو اور وہاں طاعون آجائے تو وہاں سے بھاگو نہیں اور جہاں طاعون ہو وہاں جاؤ نہیں۔''

یہ فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سنتے ہی تمام صحابہ رضی اللہ عنہم نے اپنی گردنیں جھکا دیں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ واپس تشریف لے آئے۔''[1]

2 ایک روز حضرت عمر رضی اللہ عنہ تورات لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھ گئے اور پڑھنے لگے۔ یہ دیکھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پرانور چہرہ غصے سے متغیر ہونا شروع ہوگیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو پتا نہ چلا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پاس بیٹھے تھے فرمانے لگے:

«ثَكِلَتْكَ الثَّوَاكِلُ مَا تَرٰى بِوَجْهِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ؟»

''تمہیں گم پانے والی گم پائے، کیا تم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے رُخِ انور کی طرف نہیں دیکھتے؟''

[1] بخاري، كتاب الطب، باب ما يذكر في الطاعون، رقم: 5729.

چنانچہ عمر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور سے غصے اور ناراضگی کے نمایاں آثار دیکھے تو کہا:

«اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ غَضَبِ اللّٰهِ»

''میں اللہ کی ناراضگی سے اللہ کی پناہ میں آتا ہوں۔''

«مِنْ غَضَبِ اللّٰه» اس لیے کہا کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ناراض ہونے سے خدا ناراض ہوجاتا ہے۔ اس کے بعد فرمایا:

«رَضِيْتُ بِاللّٰهِ رَبًّا وَّبِالْاِسْلَامِ دِيْنًا وَ بِمُحَمَّدٍ نَبِيًّا»

''میں اللہ کے رب، اسلام کے دین اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے پر راضی ہوں۔''

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«وَالَّذِیْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهٖ! لَوْبَدَا لَكُمْ مُوْسٰی فَاتَّبَعْتُمُوْهُ وَتَرَكْتُمُوْ نِیْ لَضَلَلْتُمْ عَنْ سَوَاءِ السَّبِيْلِ وَلَوْكَانَ مُوْسٰی حَيًّا وَاَدْرَكَ نُبُوَّتِیْ لَاتَّبَعَنِیْ»

''وہ اللہ جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے! اگر تم میں حضرت موسیٰ علیہ السلام ظاہر ہوجائیں اور مجھے چھوڑ کر تم ان کی تابعداری کرتو تم راہ مستقیم سے بھٹک جاؤ گے۔ اور بالفرض اگر موسیٰ علیہ السلام اب زندہ ہوتے اور میرا زمانہ نبوت پاتے تو ضرور میری اتباع کرتے۔''[1]

3 تفسیر ابن کثیر اور دیگر تفاسیر میں ہے کہ ایک دفعہ ایک کلمہ گو مسلمان اور یہودی

[1] دارمی، المقدمة، باب مایتقی من تفسیر حدیث النبیﷺ، رقم: 435 وسنده ضعیف.

کے درمیان کسی بات پر جھگڑا ہوگیا تو دونوں فیصلے کے لیے حضور ﷺ کے پاس گئے اور حضور ﷺ نے دونوں کے درمیان حق پر مبنی فیصلہ فرما دیا مگر مسلمان آپ ﷺ کے فیصلے پر دل سے مطمئن نہ ہوا اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس آیا کہ شاید یہاں سے میرے حق میں فیصلہ ہوجائے۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس بات کی خبر ہوئی تو آپ رضی اللہ عنہ اس آدمی کو وہیں کھڑا کر کے اندر تشریف لے گئے اور ننگی تلوار لے کر آ گئے اور اس کلمہ گو کی گردن پر اس زور سے ماری کہ اس کا سر تن سے جدا کر دیا اور ساتھ یہ روح پرور جملہ ارشاد فرمایا:

«هٰذَا قَضَاءُ عُمَرَ لِمَنْ لَّمْ يَرْضَ بِقَضَاءِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ»

''یہ عمر رضی اللہ عنہ کا فیصلہ ہے اس شخص کے لیے جو حضرت رسول کریم ﷺ کے فیصلے پر راضی اور مطمئن نہیں ہوتا۔''[1]

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ وسیدنا علی رضی اللہ عنہ کا طرزِ عمل

جناب سعید بن مسیب رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ سیدنا عثمان اور سیدنا علی رضی اللہ عنہما کے درمیان حج تمتع کے سلسلے میں اختلاف ہوا (سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اس سے روکتے جبکہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ اس کی اجازت دیتے تھے) سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جس عمل کو خود رسول اللہ ﷺ نے کیا ہے آپ رضی اللہ عنہ اس سے کیوں روک رہے ہیں؟''[2]

دوسری روایت میں ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

«مَاكُنْتُ لِاَدَعَ سُنَّةَ النَّبِيِّ ﷺ لِقَوْلِ اَحَدٍ»

① اخرجه ابن ابی حاتم:233/4، نحوه وهو مرسل۔ تنبیه: وهذه القصة لم يثبت.

② بخاری، کتاب الحج، باب التمتع والا قران......، رقم: 1569.

''یہ ناممکن ہے کہ میں کسی کے قول کے مقابلے میں نبی ﷺ کی سنت کو ترک کردوں۔''①

اسی طرح ایک شخص نے سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے حج تمتع کے متعلق پوچھا تو آپ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یہ جائز ہے۔ اس آدمی نے کہا کہ آپ رضی اللہ عنہ کے والد محترم سیدنا عمر رضی اللہ عنہ تو اس سے منع فرماتے تھے۔ اس پر سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ''کیا خیال ہے کہ اگر بالفرض میرے والد نے منع فرمایا، جبکہ رسول اللہ ﷺ نے یہ خود کیا تو کیا میرے باپ کے حکم کی پیروی کی جائے گی یا رسول اللہ ﷺ کے حکم کو واجب الاتباع سمجھا جائے گا؟'' وہ شخص کہنے لگا: ''رسول اللہ ﷺ کے حکم ہی کو واجب الاتباع سمجھا جائے گا۔'' تو سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے حج تمتع کیا تھا۔''②

ان واقعات اور حوالہ جات سے مندرجہ ذیل باتیں معلوم ہوئیں:

1. خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم و جملہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضرت نبی کریم ﷺ کی ذاتِ گرامی کو حجت اور دلیل قطعی مانتے تھے۔
2. بعض مسائل و احکام ایسے بھی تھے جو خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم ایسے عظیم المرتبت صحابہ رضی اللہ عنہم تک سے مخفی تھے۔
3. اور یہ ضروری نہیں کہ ہر بڑے اور بزرگ شخص کو ہر سنت معلوم ہو، بلکہ کئی مرتبہ یوں بھی ہوا کہ بڑے بڑے صحابہ رضی اللہ عنہم اور آئمہ رحمہم اللہ کو سنت اور حدیث کا علم نہ ہوسکا۔ اور جب علم ہوگیا تو انہوں نے قول و اقوال کو فوراً ترک کردیا اور

① ایضاً، رقم: 1563. ② ترمذی، کتاب الحج، باب ماجاء فی التمتع، رقم: 824، و سندہ صحیح.

ارشادنبوی کو سینے سے لگا لیا۔

4 ارشادِ نبوی کے مقابلے میں کسی بڑے سے بڑے صحابی رضی اللہ عنہ کا قول بھی حجت نہیں ہے اور آئمہ رحمہم اللہ کا مقام تو صحابہ رضی اللہ عنہم سے بہت نیچے ہے۔ پھر حدیث کے مقابلے میں ان کی بات کیسے اختیار کی جاسکتی ہے؟

5 حدیث کے مقابلے میں کسی بزرگ کے قول کو ترک کرنا اس بزرگ کی بے ادبی نہیں ہے بلکہ عین ادب ہے کیونکہ بزرگ کو اس کا صحیح مقام دیا گیا۔

6 حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ رسالت میں کسی نبی کا بھی سکہ نہیں چل سکتا۔ اور دیگر بزرگ تو انبیاء علیہم السلام سے بہت ہی فروتر ہیں ان کا سکہ کیسے چل سکتا ہے؟

قرآن اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی نگاہ میں مقامِ رسالت پیش کیا گیا ہے جو بالکل روشن واضح اور متعین ہے۔ اب عنوانِ مذکور کو گرامی منزلت ائمہ کرام رحمہم اللہ کے اقوال کی روشنی میں واضح اور مبرہن کیا جاتا ہے۔

ائمہ اربعہ رحمہم اللہ اور ان کے دو ایک تلامذہ کے اقوال پیش کیے جاتے ہیں۔ اگر تفصیل مطلوب ہو تو ''سیرت الائمہ'' سے رجوع فرمایئے جو اس موضوع پر بہترین کتاب ہے۔

ہمارے بعض بزرگ حضرات ائمہ اربعہ رحمہم اللہ کو حجت مانتے ہیں، چنانچہ ہم ان کے اطمینان قلب، اور نفسِ مضمون کی وضاحت کے لیے اپنے ان اکابرین کے کچھ خیالات وافکار پیش کرتے ہیں۔

مقامِ رسالت ائمہ کرام رحمہم اللہ کی نگاہ میں

امام شافعی رحمہ اللہ

1 آپ فرماتے ہیں:

«اِذَا وَجَدْتُمْ فِي كِتَابِيْ خِلَافَ سُنَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقُوْلُوْا بِسُنَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَ دَعُوا قَوْلِيْ»

''اگر تم میری کتاب میں کوئی بات سنتِ رسول ﷺ کے خلاف پاؤ تو میری بات کو چھوڑ دو اور سنت نبوی ﷺ کو پکڑ لو۔''①

2 آپ نے یہ بھی فرمایا:

«اِذَا صَحَّ الْحَدِيْثُ فَهُوَ مَذْهَبِيْ»

''صحیح حدیث میرا مذہب ہے۔''②

3 آپ نے فرمایا:

«مَا مِنْ اَحَدٍ اِلَّا وَتَذْهَلُ عَلَيْهِ سُنَّةٌ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَيَعْزُبُ عَنْهُ، فَمَهْمَا قُلْتُ مِنْ قَوْلٍ اَوْ اَصَّلْتُ مِنْ اَصْلٍ فِيْهِ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ خِلَافَ مَا قُلْتُ فَالْقَوْلُ مَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَهُوَ قَوْلِي»

''کوئی شخص ایسا نہیں جو بعض حدیثیں بھول نہ گیا ہو یا بعض حدیثیں اس

① المجموع 63/1، تاریخ دمشق 386/51. ② المجموع 92/1.

پر مخفی اور پوشیدہ نہ رہی ہوں تو اگر میں نے کوئی ایسی بات کہی یا کوئی ایسا اصولی قاعدہ بیان کیا ہو جو رسول اللہ ﷺ کے فرمان کے خلاف ہو تو بات وہی معتبر مانی جائے گی جو رسول اللہ ﷺ نے فرمائی ہو اور میرا قول بھی وہی ہوگا۔''[1]

4 آپ نے یہ بھی فرمایا:

«اِذَا وَجَدْتُمْ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ سُنَّةً فَاتَّبِعُوْهَا وَلَا تَلْتَفِتُوْا اِلٰى قَوْلِ اَحَدٍ»

''جب تمہیں رسول اللہ ﷺ کی سنت مل جائے تو اسی کی اتباع کرو کسی دوسرے کے قول کی طرف مت دیکھو۔''[2]

5 آپ نے یہ بھی فرمایا:

«إِذَا صَحَّ الْحَدِيْثُ فَاضْرِبُوْا بِقَوْلِيَ الْحَائِطَ»

''جب تمہیں صحیح حدیث مل جائے تو میرے قول کو دیوار پر دے مارو۔''[3]

6 آپ نے یہ بھی فرمایا:

«كُلُّ مَا قُلْتُ وَ كَانَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ خِلَافَ قَوْلِي مِمَّا يُصِحُّ فَحَدِيْثُ النَّبِيِّ ﷺ اَوْلٰى وَلَا تُقَلِّدُوْنِى»

''میری ہر بات جو نبی ﷺ کی حدیث کے خلاف ہو اسے چھوڑ دو بس نبی ﷺ کی حدیث ہی سب سے زیادہ بہتر ہے اور نہ ہی میری تقلید کرو۔''[4]

[1] تاریخ دمشق: 389/51. [2] حلیة الاولیاء 107/9. [3] سیر اعلام النبلاء 346/7.
[4] آداب الشافعی لابن ابی حاتم، ص:51.

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ

آپ کا شہرۂ آفاق قول ہے:

«لَيْسَ لِاَحَدٍ مَعَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ كَلَامٌ»

''اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کی موجودگی میں کسی کا کلام کوئی چیز نہیں ہے۔''[1]

اسی طرح آپ نے یہ بھی فرمایا:

«مَنْ رَدَّ حَدِيْثَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَهُوَ عَلٰى شَفَاهَلَكَةٍ»

''جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کو رد کر دیا وہ ہلاکت کے کنارے پر کھڑا ہے۔''[2]

امام مالک رحمہ اللہ

آپ کا ارشاد گرامی ہے:

«اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ اُخْطِئُ وَ اُصِيْبُ فَانْظُرُوْا فِيْ رَأْيِيْ فَكُلُّ مَا وَافَقَ الْكِتَابَ وَالسُّنَّةَ فَخُذُوْهُ وَكُلُّ مَالَمْ يُوَافِقْ فَاتْرُكُوْهُ»

''میں انسان ہوں خطا بھی کر جاتا ہوں اور درست بھی کہتا ہوں، لہٰذا میری رائے پر غور کرو، جو کتاب وسنت کے موافق ہو اسے لے لو اور جو اس کے خلاف ہو اسے چھوڑ دو۔''[3]

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ

امام ابوعوانہ وضاح بن عبداللہ الیشکری کہتے ہیں کہ میں امام ابوحنیفہ کے پاس

[1] عقد الجید 38. [2] مناقب الامام احمد لابن الجوزی 182. [3] جامع بیان العلم 465/2، حجیت حدیث للالبانی 68.

تھا ایک آدمی نے آپ سے کوئی مسئلہ پوچھا تو آپ نے فرمایا: ہاتھ کاٹا جائے گا، پھر اس شخص نے پوچھا کہ اگر کوئی باغ کی کھجوروں میں سے کچھ چرائے تو؟ آپ نے فرمایا: اس کا بھی ہاتھ کاٹا جائے گا۔ امام ابوعوانہ کہتے ہیں کہ میں نے اس آدمی سے کہا: یہ امام رحمہ اللہ کی غلطی ہے اسے نہ لکھنا۔ امام ابوحنیفہ نے مجھ سے پوچھا: کیسے؟ میں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

«لَا قَطْعَ فِي ثَمَرٍ وَلَا كَثَرٍ»

''پھل اور کھجور کا شگوفہ چرانے والے کے ہاتھ نہ کاٹے جائیں۔''

امام ابوحنیفہ نے فرمایا:

«اُمْحُ ذٰلِكَ وَاكْتُبْ: لَا يُقْطَعُ لَا يُقْطَعُ»

''میرا فتویٰ ختم کردو اور لکھو کہ ہاتھ نہیں کاٹے جائیں گے، نہیں کاٹے جائیں گے۔''[1]

اس عبارت سے امام زفر تک وضاحت نہیں کہ عبارت کاٹ دی جائے یا باقی رکھی جائے۔ آپ کا یہ بھی قول ہے:

1. «اِذَا رَأَيْتُمْ كَلَامَنَا يُخَالِفُ ظَاهِرَ الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ وَاضْرِبُوْا بِكَلَامِنَا الْحَائِطَ»

''اگر تم ہمارے کلام کو کتاب وسنت کے خلاف پاؤ تو اسے دیوار پر دے مارو اور قرآن وحدیث پر عمل کرو۔''[2]

نیز فرمایا:

2. «اِذَا صَحَّ الْحَدِيْثُ فَهُوَ مَذْهَبِيْ»

[1] كتاب السنة للامام عبدالله بن احمد 221/1، رقم: 380. [2] ميزان شعراني.

"صحیح حدیث میرا مذہب ہے۔"[1]

امام زُفر رحمہ اللہ

«اِنَّمَا نَاْخُذُ بِالرَّأْيِ مَالَمْ نَجِدِ الْأَثَرَ فَاِذَا جَآءَ الْأَثَرُ تَرَكْنَا الرَّأْيَ وَ أَخَذْنَا بِالْأَثَرِ»

"ہم اس وقت "رائے قیاس" سے کام لیتے ہیں جب ہمیں حدیث نہ ملے۔ جب حدیث مل جائے تو ہم رائے قیاس چھوڑ دیتے ہیں اور حدیث لے لیتے ہیں۔"[2]

حاصل کلام

اقوال ائمہ کا حاصل کلام یہ ہے:

1. حدیث اور سنت کے مقابلے میں کوئی قول قطعاً اہمیت نہیں رکھتا۔
2. حدیث کے مقابلے میں کسی کا قول اختیار نہ کیا جائے۔
3. حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر فرمان سر آنکھوں پر رکھا جائے۔
4. ائمہ کرام رحمہم اللہ رائے قیاس اور اجتہاد وغیرہ سے صرف اس وقت کام لیتے تھے، جبکہ انہیں حدیث نہ ملتی تھی۔
5. حدیث مبارکہ کے مقابلے میں رائے قیاس سے کام لینا نہ صرف قرآن اور حدیث بلکہ خود ائمہ رحمہم اللہ کے مسلک کے خلاف ہے۔

اگر ہم ائمہ کو مانتے ہیں تو ہمارے لیے ضروری ہے کہ ہم ان کے ارشادات کو مانیں۔ اگر ہم نے ائمہ رحمہم اللہ کے ارشادات کو نہ مانا تو گویا ہم نے ائمہ رحمہم اللہ کو نہ

① شامی۔ ② أعلام الموقعین 283/2.

مانا کیونکہ ائمہ رحمہم اللہ کو ماننا تو ان کی بات کو ماننا ہے۔

جملہ ائمہ کرام رحمہم اللہ یہ کہتے چلے آئے ہیں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے میں کوئی انسان خواہ وہ اپنی جگہ پر کتنا ہی عظیم کیوں نہ ہو، کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ اور فرمانِ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے میں کسی کا قول کوئی وزن نہیں رکھتا۔ تمام ائمہ رحمہم اللہ کا یہ مذہب ہے کہ حدیث اور سنت کے مقابلے میں ہر ایک قول ترک کر دیا جائے۔

اگر تھوڑا سا غور کیا جائے تو یہ ہے بھی بالکل حقیقت کہ کہاں امام الاولین والآخرین کا ارشادِ گرامی اور کہاں دوسرے اماموں اور فقیہوں کے اقوال؟ یقیناً ارشادِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور قولِ امام میں اتنا ہی فرق ہے کہ جتنا خود رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور امام میں فرق ہے۔ ہمارے خیال میں یہ زمین اور آسمان، بلکہ اس سے بھی کہیں زیادہ فرق ہے۔

''مقام رسالت'' کو قرآن، حدیث، اجماع صحابہ رضی اللہ عنہم اور ارشاداتِ ائمہ رحمہم اللہ کی روشنی میں قدرے تفصیل کے ساتھ اس لیے بیان کیا گیا ہے کہ یہ مسئلہ بہت زیادہ اہم تھا۔ اس کی وضاحت نہایت ضروری تھی کیونکہ یہی وہ مقام ہے جہاں سے غلط راہیں پیدا ہوتی ہیں اور ایک اچھا بھلا انسان ٹھوکر کھا کر کہاں سے کہاں پہنچ جاتا ہے۔

اہل حدیث اور دوسرے فرقے

مسلک اہل حدیث اور دوسرے فرقوں کے درمیان دراصل یہی وہ بنیادی فرق ہے جس کی بعض پڑھے لکھے حضرات بھی پروا نہیں کرتے اور تعصب، تنگ نظری یا کم علمی کی وجہ سے غلط تعبیرات وتشریحات کرتے اور بڑی بڑی ٹھوکریں کھاتے ہیں۔

پیارے بھائیو! مسلک اہلِ حدیث بالکل وہی ہے جو کچھ آپ پڑھ چکے ہیں۔ اس مسلک کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ایسا منفرد اور ممتاز مقام ہے

کہ جس پر کوئی دیگر نبی، صحابی، امام، محدث، پیر، فقیر، مجذوب، قطب اور ابدال نہیں بیٹھ سکتا۔ جبکہ دوسرے فرقے سنہری تاویلیں کر کے اس مقام پر اپنے اپنے پیشواؤں کو بٹھانے کی کوشش فرماتے ہیں۔ زبان سے بیشک نہ سہی لیکن ان کی چال، روش اور عمل سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے۔

مسلک اہل حدیث کے نزدیک حجت اور دلیل بعد از خدا صرف حضرت محمد ﷺ کی ذات گرامی ہے اور بس۔ جبکہ دوسرے مکاتبِ فکر کے نزدیک ''حجت اور دلیل'' ان کے اپنے اپنے امام ہیں۔ چنانچہ اصول فقہ کی کتب میں لکھا ہوا ہے کہ مقلد کی دلیل اور برہان اس کے امام اور مجتہد کا قول ہے۔''[1]

بلکہ مقلد ہوتا ہی وہ ہے جو آنکھیں بند کر کے کسی امتی کے قول کو دلیل سمجھ لے چنانچہ کتب فقہ میں تقلید کی جو تعریف لکھی ہوئی ہے وہ یوں ہے:

«اَلتَّقْلِيْدُ الْعَمَلُ بِقَوْلِ الْغَيْرِ مِنْ غَيْرِ حُجَّةٍ»

''نبی کے علاوہ غیر یعنی امتی کے قول پر بغیر دلیل کے عمل کرنا تقلید ہے۔''[2]

اس موضوع کو آئندہ صفحات پر دلائل اور شواہد کی روشنی میں پیش کیا جا رہا ہے۔ جو یقیناً معلومات افزا اور فکر آگیں ہے۔

معاف کیجئے گا، فرمائیے یہود اور نصاریٰ سے ہمارا کس بنا پر اختلاف ہے؟ ان سے ہمارا اختلاف اسی لیے ہے کہ وہ آفتابِ رسالت ﷺ کے جلو میں حضرت موسیٰ علیہ السلام و عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کے چراغ روشن کرتے ہیں اور اسی لیے ہم انہیں منکرین رسالت کہتے ہیں۔ اگر ہم یہ کام کریں تو یہ ہمارے لیے کیونکر جائز اور روا ہو سکتا ہے؟ وہ پھر بھی بدنام اور ہم نیک نام کیوں؟ جواب ذرا انصاف سے دیجیے۔

① التوضیح مع التلویح 39/1. ② مسلم الثبوت 289.

تِلْكَ اِذًا قِسْمَةٌ ضِيْزٰى.

رسالت ہی ایک ایسا مقام ہے جہاں سے راہیں جدا ہوتی ہیں اور طریق ہائے فکر بدلتے ہیں۔ ایک سلیم الفطرت اور حق پسند انسان یہاں پہنچ کر اپنے لیے صحیح راہ منتخب کر سکتا ہے کہ مجھے کون سی راہ اختیار کرنی ہے نبیوں، صدیقوں اور شہیدوں کی یا مولویوں، پیروں اور صوفیوں کی۔ اَللّٰھُمَّ اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ.

برادرانِ عزیز! اصل جھگڑا آمین، رفع الیدین اور ہاتھ ناف یا سینے پر باندھنے کا نہیں۔ جھگڑا دراصل طریقِ فکر اور صحیح مقامِ رسالت کو پہچاننے اور نہ پہچاننے کا ہے۔

اس نزاع کا یہ حل بھی نہیں کہ اس مسئلے کی نزاکت اور اہمیت سے بے اعتنائی برتی جائے اور اس کو مذہبی جھگڑا کہہ کر ٹال دیا جائے، بلکہ دانائے سبل ﷺ کا صحیح مقام اچھی طرح سمجھ کر پوری فراخدلی سے انہیں وہ مقام دیا جائے جو مقام قرآن و حدیث اور صحابہ رضی اللہ عنہم و اہل بیت رضی اللہ عنہم نے انہیں دیا ہے۔

ہم پیچھے دلائل و شواہد کی روشنی میں یہ بتا چکے ہیں کہ حدیث نبوی ﷺ کا کتنا فائق و برتر مقام ہے کیونکہ حدیث سے بے اعتنائی برتنا خود حضرت رسالت مآب ﷺ سے بے اعتنائی برتنے کے مترادف ہے۔ اب ذرا ملاحظہ فرمائیے کہ اصحابِ رسول ﷺ کا حدیث سے کس قدر والہانہ عشق تھا اور وہ کس طرح حدیث کی قدر دانی کرتے تھے۔ اور اگر ناگوار نہ گزرے تو ذرا اپنے گرد و پیش کو بھی دیکھ لیجیے اور پھر جائزہ لیجیے کہ ہم کس راہ پر جا رہے ہیں۔ خدا ہمیں حق سمجھنے کی توفیق دے۔ اقبال نے کیا خوب کہا:

به مصطفیٰ برساں خویش را که دیں همه اوست
گر به اُو نرسیدی تمام بُولہبی است

باب:2

تدوینِ حدیث

- تدوینِ حدیث
- علم اسماء الرجال
- علم اصولِ حدیث

تدوینِ حدیث

آنحضرت ﷺ کا مقام واضح ہے۔ اور جو مقام آپ ﷺ کا ہے وہی مقام آپ ﷺ کی حدیث کا ہے۔ بعض حضرات یہاں تک تو ہمارے ساتھ اتفاق فرماتے ہیں مگر حدیث کے متعلق ایک زبردست شبہے اور غلط فہمی کا شکار ہیں۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں: حدیث کی کتابت اور تدوین کا رواج دورِ رسالت اور دور صحابہ رضی اللہ عنہم میں نہ تھا۔ یہ بعد کی پیداوار ہے لہٰذا ذخیرہ حدیث خودساختہ اور وضعی ہے وغیرہ۔

چونکہ اس اعتراض کو بڑا اچھالا اور اجالا جاتا ہے بنا بریں ہم اس عنوان پر قدرے تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالنا چاہتے ہیں۔

مذکورہ اعتراض بلاشبہ غلط ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ کتابت حدیث اور تدوینِ حدیث آنحضرت ﷺ کے دور سے شروع ہوگئی تھی۔ تعصب اور تنگ نظری سے ہٹ کر مندرجہ ذیل دلائل وشواہد ملاحظہ فرمایئے امید ہے کہ شکوک واوہام کے پردے چاک ہوجائیں گے۔

اصل بات یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے دور مبارک میں تصنیف اور لکھائی کا رواج بہت کم تھا۔ علاوہ ازیں احادیث کو جمع کرنے کا خاص اہتمام بھی نہ تھا۔ جو شخص آنحضرت ﷺ فداہ اَبی و اُمی کا ارشاد سنتا، کوئی عمل دیکھتا، سفر وحضر کے حوادث سے دوچار ہوتا، وہ انہیں اپنے طور پر یاد رکھتا۔ اور یہ سب ان کے ذہنوں میں خوب اچھی طرح نقش اور مرتسم ہوجاتا۔ عرب کا حافظہ مشہور ہے اور اس پر طرہ

یہ کہ احادیث کے یاد رکھنے میں جذبۂ عقیدت و محبت بھی کارفرما ہو تو اس صورتِ حال میں کیونکر توقع کی جا سکتی ہے کہ غلامانِ محمد اور دلدادگانِ پیغمبر ﷺ احادیث مبارکہ سے کسی قسم کی بے اعتنائی سے کام لیتے ہوں گے؟ ایسے نہیں تھا۔

ہاں یہ بھی یاد رہے کہ آنحضرت ﷺ کی طرف کسی غلط بات کی نسبت کرنا نہ صرف حرام بلکہ اس کی سزا حتماً جہنم ہے۔ اس لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ ﷺ کے فرمان کے مفہوم کو ادا کرنے میں پوری احتیاط کرتے اور بہت غور و فکر کے بعد روایت کرتے۔ علاوہ ازیں کوشش فرماتے کہ کوئی غلط بات آنحضرت ﷺ کی طرف منسوب نہ ہونے پائے۔

ان تمام باتوں کے باوجود احادیث کا آنحضرت ﷺ کے دور میں قلم بند ہونا بھی ثابت ہے اور جمع کیا جانا بھی۔ یہ درحقیقت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا احادیث سے کمال عشق و محبت کا مظاہرہ تھا کہ انہوں نے احادیث کی بکثرت روایت کی، اور اس کی خوب نشر و اشاعت کی۔ احادیث کو لکھا بھی اور حفظ بھی کیا اور حق بات یہ ہے کہ اگر وہ بزرگ احادیث کو اسلام کی اصل اور اساسِ ثانی نہ سمجھتے تو وہ اس کی کتابت اور تدوین میں اس قدر بڑھ چڑھ کر ہرگز حصہ نہ لیتے۔ بالخصوص اس وقت جب کہ لکھائی کا رواج اور تدوین کی خاص ضرورت بھی نہ تھی اور حدیث بیان کرنے کا معاملہ ازحد نازک اور قابلِ احتیاط بھی تھا۔

ذیل میں کتابت و تدوین حدیث کے چند معتبر دلائل پیش خدمت ہیں، ملاحظہ فرمائیے:

1 مکۃ المکرمہ میں قبیلہ خزاعہ کے ایک شخص نے قبیلہ بنولیث کے ایک آدمی کو مار ڈالا۔ آنحضرت ﷺ کو خبر ملی تو آپ ﷺ نے مکہ کی عزت و حرمت اور اس میں

قتل و قتال سے متعلق ایک جامع خطبہ ارشاد فرمایا۔ مجمع میں سے ایک یمنی شخص ابوشاہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: حضور ﷺ! مجھے یہ باتیں لکھوا دیجیے۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

«اُكْتُبُوْا لِأَبِيْ شَاهٍ»

''یہ حدیث ابوشاہ کو لکھ دو۔''[1]

2 آنحضرت ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ایک صحیفہ لکھوا دیا اس میں مدینہ کا حرم ہونا، مسائل و جراحات، اونٹوں کی عمریں، ذمیوں کے احکام، دوسرے کے باپ کو مولیٰ بنانے کی ممانعت، غیر اللہ کے لیے ذبح کرنے کی حرمت، چور پر لعنت، والدین کو بُرا کہنے پر لعنت، بدعتی کو ٹھکانا دینے پر لعنت قسم کے مختلف مسائل درج تھے۔''[2]

سنن ابوداود کے الفاظ ہیں:

عَنْ عَلِيٍّ قَالَ: «مَا كَتَبْنَا عَنْ رَّسُولِ اللّٰهِ ﷺ اِلَّا الْقُرْآنَ وَمَا فِيْ هٰذِهِ الصَّحِيْفَةِ»

''ہم نے رسول اللہ ﷺ سے کچھ نہیں لکھا سوائے قرآن مجید اور اس صحیفے (مجموعہ احادیث) کے۔''[3]

3 آپ ﷺ نے عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما کو بھی اپنی تمام حدیثوں کے لکھنے کا حکم دیا:

«اِسْتَأْذَنَ فِي الْكِتَابِ عَنْهُ فَاَذِنَ لَهٗ»

''اس نے آپ ﷺ سے حدیثیں لکھنے کی اجازت چاہی تو آپ ﷺ

---

[1] بخاری، کتاب العلم، باب کتابة العلم، رقم: 112، 2434، مسلم، رقم: 1355.
[2] مسلم، کتاب الحج، باب فضل المدینة...... رقم: 1370، بخاری، رقم: 111.
[3] ابوداود، کتاب المناسك، باب في تحريم المدينة، رقم: 2034، صحیح.

نے اسے اجازت دے دی۔"[1]

آپ ﷺ کا کتابت حدیث کے متعلق اجازت دینا بصیغہ امر بھی مروی ہے۔ الفاظ گرامی ملاحظہ ہوں:

«اُكْتُبْ فَوَ الَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ مَایَخْرُجُ مِنْهُ اِلَّا حَقٌّ»

"لکھ لیجیے رب کی قسم! میرے منہ سے حق کے سوا کچھ نہیں نکلتا۔"[2]

4 آپ ﷺ نے رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کو احادیث کے لکھنے کا حکم دیا، چنانچہ طبرانی کبیر میں ہے:

عَنْ رَافِعٍ قَالَ: قُلْتُ: یَارَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ! اِنَّا نَسْمَعُ مِنْكَ اَشْیَآءَ فَنَكْتُبُهَا؟ قَالَ: «اُكْتُبُوْا وَلَا حَرَجَ»

"حضرت رافع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے کہا: یارسول اللہ ﷺ! ہم آپ سے کئی باتیں سنتے اور انہیں لکھ لیتے ہیں۔ آپ نے فرمایا:" کوئی حرج نہیں، لکھ لیا کرو۔"[3]

"اُكْتُبُوْا" جمع کا صیغہ ہے سب صحابہ رضی اللہ عنہم اس میں شامل ہیں۔

5 آنحضرت ﷺ نے حدیبیہ میں شرائط صلح لکھوا کر سہیل بن عمرو کو دی تھیں۔ چنانچہ بخاری میں ہے:

«فَلَمَّا كَتَبُوْا الْكِتَابَ، كَتَبُوْا: هٰذَا مَا قَاضٰی عَلَیْهِ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ»

---

[1] احمد 403/2، تقیید العلم، رقم: 124، حسن. [2] ابوداود، کتاب العلم، باب کتابة العلم، رقم: 3646، صحیح. [3] طبرانی فی الکبیر 241/4، رقم: 4410، قال الهیثمی فی المجمع 203/1 وفیه ابو مدرك روی عن رفاعة بن رافع و عنه بقية ولم ارمن ذكره.

''انھوں نے حضور ﷺ کے فیصلے اور تصفیے کی باتیں لکھ لیں۔''[1]

6 آپ ﷺ نے مرض الموت میں احکام ضروریہ (جزیرہ عرب سے مشرکین کا اخراج، وفود کی خاطر داری، تجہیز، جیش اسامہ رضی اللہ عنہ، قبر نبوی کو وثن (عبادت گاہ، سجدہ گاہ) نہ بنانے اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت وغیرہ) لکھوانے کے لیے قلم دوات اور کاغذ طلب فرمایا تھا، چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا:

«اِئْتُوْنِیْ بِکِتَابٍ اَکْتُبُ لَکُمْ»

''مجھے قلم دوات اور کاغذ دو تاکہ میں تمہیں کچھ لکھ دوں۔''[2]

علاوہ ازیں آپ ﷺ نے یہود مدینہ میں جو صلح کرائی تو اسے لکھوایا۔ سردارانِ عرب اور شاہانِ عجم کو دعوتِ اسلام کی تحریریں بھیجیں۔ مختلف قبائل کو دیت کے مسائل لکھوا کر بھجوائے۔

7 آنحضرت ﷺ نے اواخر عمر میں تمام ماتحت حاکموں کے پاس بھیجنے کے لیے اپنی وہ تمام حدیثیں جن میں زکوۃ کے مسائل مذکور تھے تحریری صورت میں ایک جگہ جمع کرادی تھیں۔ جس کا نام ''کتاب الصدقہ'' تھا۔ یہ حدیث کی پہلی کتاب تھی۔ چنانچہ ملاحظہ فرمائیے:

«عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: کَتَبَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ کِتَابَ الصَّدَقَۃِ فَلَمْ یُخْرِجْهُ اِلٰی عُمَّالِہٖ حَتّٰی قُبِضَ فَقَرَنَہٗ بِسَیْفِہٖ فَعَمِلَ بِہٖ اَبُوْ بَکْرٍ حَتّٰی قُبِضَ ثُمَّ عَمِلَ بِہٖ عُمَرُ حَتّٰی قُبِضَ»

''ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے کتاب الصدقہ لکھی

[1] بخاری، کتاب الصلح، باب کیف یکتب، رقم: 2699. [2] بخاری، کتاب المغازی، باب مرض النبی ﷺ ووفاته، رقم:4431، مسلم، رقم: 1637.

آپ ﷺ اسے اپنے عمال کی طرف ابھی بھیج نہ سکے تھے کہ آپ ﷺ چل بسے۔ جبکہ آپ ﷺ نے اسے اپنی تلوار کے ساتھ نیام میں رکھا ہوا تھا۔ پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس پر عمل کیا حتیٰ کہ وہ فوت ہو گئے بعد ازاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ تا وفات اس پر عمل پیرا رہے۔"[1]

یہ کتاب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے خاندان میں محفوظ رہی چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ کے پوتے سالم رحمہ اللہ نے یہ کتاب امام زہری رحمہ اللہ کو پڑھنے کے لیے دی۔ جسے زہری رحمہ اللہ نے حفظ کر لیا، نیز اس کی نقل خلیفہ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے دو بیٹوں سے لے کر کرائی تھی۔

اسی طرح آنحضرت ﷺ نے حدیثوں کی ایک ضخیم کتاب عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کی معرفت اہل یمن کے پاس بھجوائی تھی۔ اس میں فرائض، سنن اور دیات وغیرہ کا ذکر تھا۔[2]

اس کتاب کے متعلق ابن قیم رحمہ اللہ نے فرمایا:

«وَهُوَ كِتَابٌ عَظِيْمٌ فِيْهِ أَنْوَاعٌ كَثِيْرَةٌ مِنَ الْفِقْهِ فِي الزَّكٰوةِ وَالدِّيَاتِ وَالْأَحْكَامِ»

"یہ ضخیم کتاب تھی اس میں فقہ کے مختلف مسائل، زکوٰۃ، دیات اور دیگر احکام تھے۔"[3]

8 بلکہ آنحضرت ﷺ نے اس خوف کے پیشِ نظر کہ کہیں علمِ حدیث مٹ نہ

---

① ابوداود، کتاب الزکاۃ، باب فی زکاۃ السائمۃ، رقم: 1568، حاکم 392/1، البیهقی فی السنن الکبری، رقم: 7252، ترمذی، رقم: 621، وقال: حدیث ابن عمر حدیث حسن. ② نسائی، کتاب القسامۃ، باب ذکر حدیث عمرو بن حزم......، رقم: 4853، دارمی، رقم: 2352، دار قطنی، رقم: 2697 صحیح. ③ زاد المعاد 46/1.

جائے، احادیث کو قیدِ تحریر میں لانے کا حکم فرمایا تھا، چنانچہ عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«قَيِّدُوْا الْعِلْمَ، قُلْتُ: وَمَا تَقْيِيْدُهُ؟ قَالَ: كِتَابَتُهُ»

''علم کو محفوظ کر لو۔'' ہم نے کہا: وہ کیسے؟ فرمایا ''لکھ کر۔''[1]

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ابو رافع رضی اللہ عنہ سے حدیثیں سن کر لکھا کرتے تھے۔''[2]

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے مدعا علیہ پر قسم کی حدیث ابن ابی ملیکہ کو لکھ کر بھیجی۔''[3]

سیدنا انس رضی اللہ عنہ نے عہد نبوی میں ایک حدیث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر لکھی، پھر لکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنائی:

«قَالَ: هٰذِهِ سَمِعْتُهَا مِنَ النَّبِيِّ ﷺ فَكَتَبْتُهَا وَ عَرَضْتُهَا عَلَيْهِ»[4]

اور آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے دونوں بیٹوں نضر اور موسیٰ رحمہم اللہ کو حدیثیں سیکھنے اور ان کو سند سمیت لکھنے کا حکم دیا تھا۔ اور آپ کو اللہ تعالیٰ نے بہت زیادہ بیٹے دیئے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے سب بیٹوں کو حدیثیں لکھنے کا حکم دیا تھا:

«كَانَ يَقُوْلُ لِبَنِيْهِ قَيِّدُوْا الْعِلْمَ بِالْكِتَابِ»[5]

عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھ کر حدیثیں لکھا کرتے تھے:

«فَإِنَّهُ كَانَ يَكْتُبُ»[6]

---

[1] حاکم 106/1 و سنده ضعيف. [2] ابن سعد 371/2 ضعيف جدا. [3] بخاري، كتاب في الرهن......، باب اذا اختلف الراهن......، رقم: 2514. [4] حاكم 574/3 صحيح. [5] دارمي، المقدمة، رقم: 491، حاكم 106/1، وقال صحيح. [6] بخاري، كتاب العلم، باب كتابة العلم، رقم: 113.

اس مجموعہ احادیث کا نام انہوں نے ''صحیفۂ صادقہ'' رکھا تھا، چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے:

«مَا يُرَغِّبُنِي فِي الْحَيٰوةِ اِلَّا الصَّادِقَةُ وَالْوَهْطُ فَاَمَّا الصَّادِقَةُ فَصَحِيْفَةٌ كَتَبْتُهَا مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ»[1]

یہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے ہاتھ کی لکھی ہوئی حدیث کی پہلی کتاب ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس احادیث نبویہ ﷺ کی بہت سی کتابیں موجود تھیں۔ حسن بن عمرو کہتے ہیں:

«اَرَانَا كُتُبًا مِنْ حَدِيْثِ النَّبِيِّ ﷺ وَقَالَ: هٰذَا هُوَ مَكْتُوبٌ عِنْدِيْ»

''سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ہمیں حدیث نبوی کی کتابیں دکھائیں اور کہنے لگے یہ میرے پاس لکھی ہوئی ہیں۔''[2]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا احادیث نبویہ سے والہانہ عشق ملاحظہ ہو کہ آپ رضی اللہ عنہ کو 5374 حدیثیں نوکِ زباں تھیں۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ایک کتاب میں پانچ سو حدیثیں لکھ رکھی تھیں۔[3]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آذر بائیجان میں عتبہ بن فرقد رضی اللہ عنہ کے پاس حدیث: «نَهَى النَّبِيُّ ﷺ عَنِ الْحَرِيْرِ» لکھ کر بھیجی تھی۔[4]

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹوں کو خطوط لکھے ان میں کثرت

---

① دارمی، المقدمۃ، باب من رخص فی کتابۃ العلم، رقم: 496، سندہ ضعیف والصحیفۃ الصادقۃ ثابتۃ متواترۃ. ② ذکرہ الحافظ فی الفتح 274/1. ③ تذکرۃ الحفاظ 29/1. ④ مسلم، کتاب اللباس، باب تحریم لبس الحریر، رقم: 2069.

سے حدیثیں تھیں۔[1]

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک کتاب میں حدیثیں جمع کیں اور اس کا نام ''کتاب القضایا'' رکھا۔[2]

عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے متعلق آتا ہے:

«كَتَبَ عُمَرُ بْنُ عَبدِالْعَزِيْزِ اِلَى الْاٰفَاقِ: اُنْظُرُوْا حَدِيْثَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَاجْمَعُوْهُ»[3]

یعنی آپ رحمہ اللہ نے دور دراز کے لوگوں کو تدوین حدیث کا حکم دے رکھا تھا۔

علماء کو بھی آپ نے ایسا ہی حکم دے رکھا تھا۔ چنانچہ سعد بن ابراہیم رحمہ اللہ کہتے ہیں:

«اَمَرَنَا عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيْزِ بِجَمْعِ السُّنَنِ فَكَتَبْنَاهَا دَفْتَرًا دَفْتَرًا»

''عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے ہمیں حکم دیا کہ ہم حدیثیں جمع کریں، لہٰذا ہم نے صحیفوں کی شکل میں انھیں محفوظ کیا۔''[4]

امام زہری رحمہ اللہ نے بھی خلیفہ مذکور کے حکم سے حدیثیں مدوّن کیں۔ بعد ازاں احادیث لکھنے اور جمع کرنے کا عام رواج پڑ گیا۔ چنانچہ صحاح ستہ سے قبل ہی حدیث کی کچھ کتابیں مدوّن ہو چکی تھی۔

محدثین کرام رحمہم اللہ نے احادیث کی کتابت اور تدوین کے تین دور قائم کیے ہیں:

پہلا دور 100ھ تک قائم رہا۔

دوسرا دور 150ھ تک۔

---

[1] ذکرہ المزی فی تهذیب الکمال: 440/4 ترجمة سمرة بن جندب. [2] مسلم، مقدمه، رقم: 23. [3] تاریخ أصبهان لابی نعیم 366/1، رقم الترجمة: 676 [4] جامع بیان العلم، رقم: 337.

اور تیسرا دور 300ھ کے بعد تک۔

اور پورا سرمایۂ احادیث نبویہ بحمد اللہ آج ہمارے پاس موجود ہے۔ ان حوالہ جات کا کوئی ذی شعور انسان انکار نہیں کرسکتا۔ اور کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ حدیثوں کی تدوین دوسری صدی ہجری میں ہوئی اس سے پہلے نہ ہوئی۔ کیونکہ یہ بات بالکل خلافِ واقعہ اور سراسر غلط ہے۔ حقیقت یہی ہے جیسا کہ آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ کتابت وجمع احادیث کی ابتدا آنحضرت ﷺ کے حکم سے آپ ﷺ کے دور ہی میں ہو چکی تھی۔

علوم تدوین حدیث

علم حدیث چونکہ نہایت اہم علم ہے، اسلام کا نصِ ثانی ہے اس لیے اس کی تکمیل اور حفاظت کے لیے متعدد علم ایجاد ہوئے۔ جن میں قابلِ ذکر علوم یہ ہیں:

- **علم اسماء الرجال**

اس میں راویوں کے حالات سے بحث ہوتی ہے۔

- **علم الروایت**

اس میں روایت حدیث پر بحث ہوتی ہے۔

- **علم الدرایت**

اس میں نفسِ حدیث پر بحث کی جاتی ہے۔

- **علم تدوین الحدیث**

اس میں جمع احادیث پر بحث کی جاتی ہے۔

- **علم ناسخ ومنسوخ**

اس میں ناسخ اور منسوخ حدیث اور علتِ نسخ پر بحث کی جاتی ہے۔

- علم النظر فی الاسناد

اس میں حدیث کی سند پر بحث کی جاتی ہے۔

- علم کیفیۃ الروایت

اس میں روایت کی کیفیت پر بحث ہوتی ہے۔

- علم الفاظ الحدیث

اس علم میں بتایا جاتا ہے کہ اصطلاحات محدّثین رحمہم اللہ کیا ہیں اور مروی الفاظ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہو سکتے ہیں یا نہیں؟

- علم المؤتلف والمختلف

یعنی واقعہ ایک ہے مگر احکام دو ہیں۔ یا دو واقعے ہیں مگر دونوں کے لیے ایک ہی طرح کی روایت کی ہے۔

- علم طبقات الحدیث

حدیث کے راوی کس طبقہ کے ہیں۔

- علم غریب الحدیث

یعنی حدیث میں نامانوس الفاظ کا صحیح مطلب کیا ہے۔

- علم الجرح والتعدیل

راویوں پر اعتماد و عدم اعتماد کے وجوہ۔

- علم طرق الاحادیث

بعض احادیث کئی کئی طریقوں سے مروی ہیں، ان کا مطلب اور سبب کیا ہے۔

- علم الموضوعات

بناوٹی روایات کی پہچان کا علم۔

- **علم علل الحدیث**

اس فن میں حدیث کی علت معلوم کی جاتی ہے۔

- **علم تصحیف الأسماء**

ایک جیسے ناموں کی توضیح کا علم۔

- **علم الوجدان**

قلیل الحدیث راویوں کا علم۔

علم أسماء الرجال

حدیث کی صیانت وحفاظت کے لیے جن علوم کا ذکر ہوا ہے ان میں سب سے زیادہ ضروری علم ''اسماء الرجال'' ہے۔ اس علم میں روایت حدیث کے احوال و کوائف پر بحث ہوتی ہے۔ اس میں راوی کا نام، لقب، خاندان، وطن، ولادت، وفات، علم، دیانت، حافظہ، صحت وغیرہ کا بیان ہوتا ہے۔ اس علم کے بغیر حدیث کی جانچ پرکھ مشکل ہے۔ اس کے ذریعے ائمہ حدیث نے احادیث اور روایت کا پتہ لگایا۔ بڑی مشکلات اور پیچیدگیوں کا حل نکالا۔

محدثین رحمہم اللہ نے اصول وقواعد مقرر کیے اور روایت پر خوب تنقید فرمائی اس بارے میں کسی علم وتقویٰ اور اجتہاد و امارت کی پروا نہ کی۔ حقیقت یہ ہے کہ محدثین کا یہ اتنا عظیم احسان ہے جس سے امتِ محمدیہ کبھی عہدہ برآ نہیں ہوسکتی۔

فن اسماء الرجال نے احادیث نبویہ کے گراں مایہ ذخیرہ میں مشکلات و پیچیدگیوں کو اس عمدگی اور خوش اسلوبی سے حل کیا کہ جس کی مثال نہیں ملتی۔

ایک مرتبہ امام حاکم رحمہ اللہ کے سامنے ایک شخص ابوجعفر محمد بن حاتم الکشی نے عبد بن حمید سے حدیث بیان کی تو امام حاکم نے پوچھا: تم کس سن میں پیدا ہوئے ہو؟ اس نے کہا: 260ھ میں۔

امام حاکم رحمہ اللہ نے تلامذہ کی طرف دیکھ کر فرمایا: ان کو دیکھو کہ ان سے یہ

حدیث عبد بن حمید نے اپنے انتقال کے تیرہ سال بعد بیان کی۔[1]

ابواسحاق ابراہیم بن عیسیٰ طالقانی کہتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ سے ایک حدیث کے متعلق دریافت کیا تو انھوں نے پوچھا: اس کا راوی کون ہے؟ میں نے کہا: شہاب بن خراش۔

ابن المبارک نے کہا: ''وہ ثقہ ہے۔ بتاؤ اس نے کس سے روایت کی ہے۔''

میں نے کہا: ''حجاج بن دینار سے۔''

آپ نے کہا: ''وہ بھی ثقہ ہے۔ بتاؤ اس نے کس سے روایت کی ہے۔''

میں نے کہا: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے۔''

ابن المبارک رحمہ اللہ نے کہا: اے ابواسحاق! حجاج بن دینار اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان تو بڑا طویل زمانہ ہے (لہٰذا اس نے یہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیسے سن لی۔)[2]

غرض علم اسماء الرجال کی مدد سے کسی حدیث کی حیثیت کی بآسانی جانچ پرکھ ہوسکتی ہے اور بخوبی اس کا معیار قائم ہوسکتا ہے۔

اسماء الرجال کے علم کی اہمیت کا اعتراف کرتے ہوئے مشہور جرمن ڈاکٹر اسپرنگر نے لکھا ہے: کوئی قوم دنیا میں ایسی گزری نہ آج موجود ہے جس نے مسلمانوں کی طرح اسماء الرجال کا عظیم الشان فن ایجاد کیا ہو جس کی بدولت آج پانچ لاکھ اشخاص کا حال معلوم ہوسکتا ہے۔[3]

[1] مقدمہ ابن الصلاح، ص 231 الجامع لأخلاق الراوي 132/1. [2] مسلم، المقدمة، باب بيان أن الإسناد من الدين...... رقم: 32. [3] بحوالہ خطبات مدراس، ص 50.

علم اصولِ حدیث

حدیث نبوی کی خدمت، حفاظت اور صیانت کے لیے بڑے علوم ایجاد ہوئے جن کی مدد سے حدیث کی صحت و عدم صحت کے بارے میں کوئی رائے قائم کی جاسکتی ہے۔ اس سلسلے کی ایک کڑی علم اصول حدیث ہے۔ جس نے پیچیدہ مشکلات کو بطریق احسن حل کرنے میں بڑی مدد دی۔

''اصول حدیث'' پر پہلی باقاعدہ کتاب علامہ ابن الصلاح رحمہ اللہ المتوفی 643ھ نے تصنیف کی۔ جو مقدمہ ابن الصلاح رحمہ اللہ کے نام سے مشہور ہوئی۔ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ المتوفی 852ھ نے اسے مختصر کر کے ''نخبتہ الفکر'' لکھی۔ اس موضوع پر اور بھی بہت سی کتب تصنیف ہوئیں۔ لیکن زیادہ شہرہ ان دونوں کتب کو حاصل ہوا۔ ان کے مطالعے سے علم اصولِ حدیث سے خاصی واقفیت ہوسکتیہے۔

اس فن میں حدیث کی حیثیت کی صحیح پہچان کے لیے علماء نے ان کی مندرجہ ذیل ناموں سے تقسیم کردی ہے۔

خبر مقبول

وہ احادیث جنھیں ائمہ حدیث نے روایت اور درایت کے اعتبار سے قابل حجت قرار دیا ہے۔

خبر مردود

وہ روایات جنھیں ائمہ حدیث نے روایت و درایت کے اعتبار سے نا قابلِ

حجت ٹھہرایا ہے۔

حدیث مقبول کی اقسام

1 صحیح لذاتہٖ

وہ حدیث جس کے تمام رواۃ صاحبِ عدالت اور تام الضبط ہوں۔ سند متصل ہو، معلول اور شاذ نہ ہو۔

2 حَسن لذاتہٖ

وہ حدیث جس میں صحیح کی تمام شرائط موجود ہوں صرف اس کے راوی کا ضبط خفیف ہو۔

3 صحیح لغیرہٖ

وہ حسن لذاتہٖ حدیث جسے کثرت طُرق حاصل ہو۔

4 حسن لغیرہٖ

وہ حدیث جو صفات رد وقبول کے متعارض ہونے کے باعث واجب التوقُف تھی لیکن کسی خاص قسم کے خارجی قرینہ نے اس کی جانبِ قبول کو ترجیح دے دی۔

حدیث غیر مقبول (مردود) کی اقسام

حدیث کے غیر مقبول ہونے کا سبب احادیث کا آپس میں تعارض ہوگا یا نقل کی خرابی، یا اس کی اسناد سے ایک یا کئی راوی ساقط ہوں گے یا اس کا کوئی راوی بلحاظ دیانت وضبط مجروح ہوگا۔

ضعیف حدیث

وہ حدیث جس میں نہ صحیح کی شرائط جمع ہوسکیں نہ حسن کی۔

حدیث کے متعلق شبہات کا ازالہ

بعض دوست حدیث کے بارے میں شبہات کا شکار ہیں۔ ان کا ازالہ بھی ضروری ہے۔ ہم چند شبہات کا ازالہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ خدائے برتر ہمارے ایسے دوستوں کو قبولِ حق کی توفیق بخشے۔ (آمین)

پہلا شبہ: نبی ﷺ نے کتابت حدیث سے منع فرمایا تھا

فتنہ انکار حدیث کے کیمپ سے بڑے زور شور کے ساتھ یہ آواز سننے میں آتی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اپنی حدیثوں کے لکھنے سے منع فرما دیا تھا، جیسا کہ صحیح مسلم میں ہے:

«لَاتَكْتُبُوْا عَنِّي وَمَنْ كَتَبَ عَنِّي غَيْرَ الْقُرْاٰنِ فَلْيَمْحَهُ»

''میری طرف سے کچھ نہ لکھو جس نے میری طرف سے قرآن کے سوا کچھ اور لکھا ہو تو وہ مٹا دے۔''[1]

ازالہ

یہ طرفہ تماشا ہے کہ ایک طرف حدیث کا انکار ہے اور دوسری طرف حدیث ہی سے استدلال ہے۔ یہاں واضح رہے کہ ہم اپنے ان بھائیوں کی طرح اس روایت کو ''عقل ومشاہدہ'' وغیرہ بہانوں کی آڑ لے کر ضعیف یا موضوع نہیں کہتے۔ کیونکہ یہ کوئی صحیح توجیہہ نہیں بلکہ ہم سند دیکھ کر اس کو ''موقوف'' مانتے ہیں، چنانچہ فتح الباری میں اس کے متعلق لکھا ہے:

«الصَّوَابُ وَقْفُهٗ عَلٰى اَبِيْ سَعِيْدٍ، قَالَهُ الْبُخَارِيُّ وَغَيْرُهٗ»

[1] مسلم، کتاب الزھد، باب التثبت فی الحدیث...... رقم:3004.

"یعنی اس روایت کا ابوسعید پر موقوف ہونا درست ہے۔ یہ بات امام بخاری وغیرہ نے فرمائی ہے۔"[1]

مطلب یہ کہ یہ روایت آنحضرت ﷺ کا فرمان نہیں بلکہ راوی کا اپنا قول ہے۔ اس کے علاوہ بھی علمائے کرام نے اس کے کئی ایک جوابات دیے ہیں مثلاً:

1 منع کتابت والی حدیث منسوخ جبکہ اذن کتابت والی احادیث اس کی ناسخ ہیں۔

2 کتابت حدیث سے ممانعت صرف نزول قرآن کے وقت تھی کیونکہ اس طرح قرآن کے ساتھ دوسری تحاریر کے التباس کا اندیشہ تھا۔

3 یا اس ممانعت کا تعلق اسی صورت میں تھا جب قرآن اور حدیث اکٹھی ایک ہی جگہ لکھی جائیں۔

4 یہ ممانعت صرف ایسے لوگوں کے لیے تھی جو صرف کتابت پر اعتماد کریں اور حفظ نہ کریں۔

5 یا ان لوگوں کے لیے جو قرآنی الفاظ اور عبارت حدیث میں امتیاز نہ کر سکیں۔

بہر حال آنحضرت ﷺ نے کتابت حدیث خود بھی کروائی اور دوسروں کو بھی اس کی ترغیب و تحریض دلائی، یعنی صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام نے حدیث کی کتابت و تدوین میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ اسے زبانی یاد کیا اور احادیث اپنے بچوں اور شاگردوں کو ازبر کروائیں۔

دوسرا شبہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ روایت کرنے سے روکتے تھے

اسی طرح حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے متعلق بھی بڑی شد و مد سے کہا جاتا ہے

[1] فتح الباری: 275/1.

کہ انہوں نے حدیث کو روایت اور بیان کرنے سے روکا تھا۔

ازالہ

اگر روایت حدیث علی الاطلاق ناجائز تھی تو خود حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کیوں حدیث کی روایت کی؟

حالانکہ صرف بخاری شریف میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ساٹھ حدیثیں مروی ہیں (مقدمہ فتح الباری 667) اور آپ رضی اللہ عنہ سے مروی سب کتابوں کی احادیث ملا کر پانچ سو سے زیادہ ہوتی ہیں۔ علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے مرویات عمر رضی اللہ عنہ کی تعداد پانچ سو انتالیس بتائی ہے (تاریخ الخلفاء 112) یہی تعداد مولانا اکبر شاہ نجیب آبادی نے تاریخ اسلام میں بیان کی ہے۔ (تاریخ اسلام 273/1) مگر حیرانی ہے کہ شبلی مرحوم نے ''سیرۃ النعمان'' میں یہ کیوں لکھ دیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے صرف پچاس حدیثیں مروی ہیں۔ بہر حال حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خود حدیثیں روایت کیں جو اس بات کی روشن دلیل ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ حدیث کے فیضان اور استناد کے باقاعدہ قائل تھے۔ یہ درست نہیں کہ وہ حدیث کو حجت نہیں سمجھتے تھے۔ جیسا کہ بعض لوگ سمجھ رہے ہیں۔

دراصل حضرت عمر رضی اللہ عنہ روایت حدیث کے بارے میں بہت محتاط تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب منسوب غلط بات کو پسند نہیں فرماتے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ حدیث کی تحقیق اور چھان پھٹک کرنے کے بعد روایت کرنے کی اجازت دیتے تھے۔ اس طرح آپ رضی اللہ عنہ نے وضاعین وکذابین کا ناطقہ بند کر دیا اور آنے والے خدامِ حدیث اور محقق محدّثین کے لیے راہ ہموار کر دی بلکہ کہنا چاہیے کہ روایت حدیث کے لیے صحیح راہنمائی کر دی۔ اور خطوط واضح فرما دیئے۔ رضی اللّٰہ عنہ.

تیسرا شبہ: کثرت روایات کی بنا پر تمیز ممکن نہیں

بعض دوستوں کو یہ بھی کہتے سنا گیا ہے کہ حدیثیں اس کثرت سے ہیں کہ اب ان میں صحیح اور غلط کی کوئی تمیز نہیں ہوسکتی۔

ازالہ

احادیث کی کثرت سے شبہ کا شکار ہو جانا اچھا نہیں۔ یہ تو اللہ کا بڑا فضل و احسان ہے کہ اس نے طریق محمدی ﷺ کو پوری تفصیلات کے ساتھ واضح فرما دیا اور حضور ﷺ کی 23 سالہ مبارک زندگی کی ایک ایک ادا کو محفوظ کر دیا۔ قرآن مجید اجمال ہے اور حدیث نبوی اس کی تفصیل ہے یا یوں کہہ لیجئے کہ قرآن متن ہے اور حدیث اس کی شرح ہے اور ظاہر ہے کہ تفصیل اجمال سے اور شرح متن سے کئی گنا زیادہ ہوتی ہے۔

البتہ اس سے انکار نہیں کہ بعض غیر محتاط یا بدنیت افراد نے بھی روایت حدیث شروع کر دی، لیکن علیم وخبیر نے ائمہ محدثین رحمہم اللہ کو پیدا فرمایا۔ جن کی انتھک اور حیرت انگیز کوششوں سے احادیث صحیحہ اختلاط اور تلبیس سے پاک رہیں اور حضور اکرم ﷺ کی سیرت وسنت صحیح حالت میں محفوظ ہوگئی۔ فالحمد للّٰه علىٰ ذٰلك.

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور علامہ ابوالملیح رحمہ اللہ کا شاندار استدلال

احادیث کے لکھنے کے سلسلے میں حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا استدلال بھی کیا خوب ہے۔ فرماتے ہیں:

’’جب اللہ تعالیٰ نے شک وشبہ سے بچنے کے لیے قرض کے لکھ دینے کا حکم دیا ہے اور فرمایا:

﴿وَلَا تَسْئَمُوْٓا اَنْ تَكْتُبُوْهُ صَغِيْرًا اَوْ كَبِيْرًا اِلٰٓى اَجَلِهٖ﴾

''(قرض) چھوٹا ہو یا بڑا ہو اسے مقرر مدت کے ساتھ لکھوانے میں سستی نہ کرو۔''①

تو علمِ حدیث کا یاد رکھنا قرض کے یاد رکھنے سے بھی زیادہ مشکل ہے، لہٰذا حدیث میں شک و شبہ سے بچنے کے لیے اس کے لکھنے کی اجازت واباحت زیادہ ضروری ہے۔''②

علامہ ابوالملیح رحمہ اللہ کا استدلال بھی بہت عمدہ ہے۔ فرماتے ہیں:

«يُعِيْبُوْنَ عَلَيْنَا الْكِتَابَ وَقَدْ قَالَ اللّٰهُ: ﴿عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ فِيْ كِتَابٍ﴾»③

''لوگ ہم پر احادیث لکھنے کے باعث عیب لگاتے ہیں اور اعتراض کرتے ہیں، حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''قرون کا علم اللہ کے پاس لکھا ہوا ہے۔''④

غرضیکہ اللہ تعالیٰ جس کی شان یہ ہے کہ:

﴿لَا يَضِلُّ رَبِّيْ وَلَا يَنْسَى﴾

''نہ وہ غلطی کرے اور نہ بھولے۔''⑤

جبکہ ہم غلطی بھی کرتے ہیں اور بھول بھی جاتے ہیں:

«لِاَنَّ الْاِنْسَانَ مُرَكَّبٌ مِنَ الْخَطَاِ وَالنِّسْيَانِ»

جب انسان بھول چوک جاتا ہے تو اندریں حالات ''احادیث مبارکہ'' کیوں نہ لکھ لیا کریں۔

① البقرة: 282. ② شرح معاني الآثار 479/5. ③ طٰہٰ: 52. ④ دارمي، المقدمة، باب من رخص في كتابة العلم، رقم: 489. ⑤ طٰہٰ: 52.

حدیث اور سلف صالحین

حدیث اور سلف صالحین

صحابہ رضی اللہ عنہم کی حدیث میں احتیاط

حدیث اور سلف صالحین

علامہ ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے ''الاستیعاب'' میں 3585 ایسے اصحاب رضی اللہ عنہم کے نام بتائے ہیں جنھوں نے حدیث روایت کی ہے۔ ''اسد الغابہ'' میں 7554 اصحاب کا ذکر ہے۔ بہر حال اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اصحاب پیغمبر رضی اللہ عنہم کو حدیث سے بے پناہ لگاؤ تھا۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے متعدد احادیث کو روایت کیا۔ بہت سی احادیث انہیں از بر تھیں۔ اور حدیث سے انہیں والہانہ عقیدت تھی۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ مدینہ سے چند میل دور عوالی میں رہتے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ ایک دن خود خدمت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوتے اور ایک دن اپنے ہمسایہ عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ کو بھیج دیتے۔ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جو کچھ سنتے اور دیکھتے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے جا کر بیان کر دیتے۔[1]

ایک صحابی رضی اللہ عنہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ فرمایا۔ جب وہ فارغ ہوئے تو صحابہ رضی اللہ عنہم ان کے گرد جمع ہو گئے تا کہ ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم معلوم کریں۔[2]

ایک صحابی رضی اللہ عنہ ایک حدیث معلوم کرنے کے لیے سینکڑوں میل کا سفر طے کر

---

[1] بخاری، کتاب العلم، باب التناوب فی العلم، رقم: 89، فتح الباری 245/1. [2] ابن ماجه، کتاب إقامة الصلوات، باب ماجاء فی إذا أقیمت الصلاة...... رقم: 1153، بخاری، رقم: 663، مسلم، رقم: 711.

کے گورنر مصر حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ کے پاس مصر پہنچے۔[1]

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ ایک مہینے کا سفر طے کر کے مصر پہنچے اور حضرت عبداللہ جہنی سے حدیث قصاص معلوم کی۔[2]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو احادیث مبارکہ سننے اور یاد کرنے کا شوق جنون کی حد تک تھا۔ ایک دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم حدیث کے بڑے حریص ہو۔''[3]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اپنی خالہ ام المومنین میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں اسی وجہ سے سویا کرتے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نمازِ شب کی کیفیت معلوم کریں۔[4]

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس درجہ محبت تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیاری حرکات و اشارات بھی محفوظ کر لیا کرتے تھے۔

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم نے شمار کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک نشست میں 100 دفعہ استغفار فرمایا۔[5]

حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ اور عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ دونوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک حدیث سنی تھی۔ کچھ عرصے کے بعد حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ کو اس میں کچھ شک ہوا تو اس کی تصحیح کے لیے مصر کا طویل سفر کیا اور وہاں پہنچ کر ان سے حدیث سنی۔[6]

مختصر یہ کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حدیث مبارکہ سے عشق کی حد تک محبت تھی۔ صحابہ رضی اللہ عنہم حدیث کو لکھتے بھی تھے اور یاد بھی کرتے تھے۔ وہ حدیث کی تصحیح کرتے

---

① ابوداود، کتاب الترجل، باب النهی عن کثیر من الارفاه، رقم: 4160۔ ضعیف.
② الرجلة فی طلب الحدیث، رقم: 32 ضعیف. ③ بخاری، کتاب العلم، باب الحرص علی الحدیث، رقم: 99 معناه. ④ مسلم، کتاب صلاة المسافرین، باب صلاة النبی ﷺ ودعائه باللیل، رقم: 763. ⑤ ابوداود، کتاب الوتر، باب فی الاستغفار، رقم: 1516 صحیح. ⑥ الرحلة فی طلب الحدیث، رقم: 34 ضعیف.

رہتے تھے اور حدیث کو قبول یا بیان کرنے کے بارے میں حد درجہ محتاط تھے۔

اس میں تو کوئی شک نہیں کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی جماعت، وہ جماعت ہے کہ جس نے سب سے پہلے اسلام کی حفاظت وصیانت فرمائی۔ اور چونکہ قرآن کے معانی و مطالب کی حفاظت، حدیث کی حفاظت کے بغیر ممکن نہ تھی۔ بنا بریں انہوں نے حدیث کے اخذ وقبول کرنے کے بارے میں از حد احتیاط سے کام لیا کہ جس سے زیادہ ممکن نہیں۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کی حدیث میں احتیاط

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حدیث مبارکہ سننے اور سنانے کا بہت شوق تھا لیکن وہ بغیر پوری تحقیق اور شہادت کے نہ کوئی حدیث قبول کرتے تھے اور نہ آگے بیان فرماتے تھے۔

ایک مرتبہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے سامنے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے دادی کی میراث کے متعلق حدیث بیان کی، تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے گواہ طلب فرمایا۔ چنانچہ حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے شہادت دی تب آپ رضی اللہ عنہ نے وہ حدیث قبول کی۔(سبق تخریجه)

ایک مرتبہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے سامنے تین مرتبہ سلام کہنے کی حدیث بیان کی۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے کہا: اس پر شہادت لاؤ۔ چنانچہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے شہادت دی تب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث قبول فرمائی۔[1]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس احتیاط کی وجہ بیان فرمائی کہ نہ تم جھوٹے ہو، نہ تمہارے راوی جھوٹے ہیں لیکن کان غلطی کر جاتے ہیں۔[2]

ایک مرتبہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عبداللہ بن عمرو بن العاص سے ایک سال بعد

[1] بخاری، كتاب البيوع، باب الخروج في التجارة، رقم: 2062، أبوداود، رقم: 5180.

[2] مسلم، كتاب الجنائز، باب الميت يعذب ببكاء أهله عليه، رقم: 928.

دوبارہ ایک حدیث سنی، جو بالکل ٹھیک تھی۔ ①

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سامنے جب کوئی حدیث بیان کرتا تو آپ رضی اللہ عنہ اس سے قسم لیتے۔ ②

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ عمر بن امیہ رضی اللہ عنہ سے بیوی کے صدقہ والی ایک حدیث سنی۔ فرمایا: رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر افتراء نہ کرو۔ اور ان کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس لائے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس حدیث کی تصدیق کی تب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اطمینان ہوا۔ ③

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جس طرح حدیث کو قبول کرنے میں محتاط تھے، اسی طرح حدیث کو بیان کرنے میں بھی احتیاط سے کام لیتے تھے کیونکہ ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

''جو میری طرف غلط بات منسوب کرے گا اس کی سزا جہنم ہے۔'' ④

اور بعض حضرات روایت حدیث سے بہت ڈرتے تھے، اور ان کا یہ ڈر بھی تقویٰ کا آئینہ دار ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جب قال رسول اللہ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا) کہتے تو بدن کانپنے لگتا۔ ⑤

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نہایت محتاط تھے اور روایتِ حدیث کے باب میں لرزاں و ترساں رہتے۔ ⑥

روایت حدیث میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا بھی یہی حال تھا۔ جیسا کہ پیچھے گذر چکا

① بخاری، کتاب الاعتصام، باب ما یذکر من ذم الرای...... رقم: 7307. ② احمد 2/1 صحیح. ③ مسند أبي داود الطیالسی، رقم: 1461 ضعیف. ④ بخاری، کتاب العلم، باب اثم من کذب علی النبی ﷺ رقم: 107. ⑤ ابن ماجه، کتاب السنة، باب التوقی فی الحدیث، رقم: 23 ضعیف. ⑥ ابن سعد 3/57 وسنده ضعیف.

ہے۔اور حضرت صہیب رضی اللہ عنہ روایت حدیث سے ممکن حد تک باز رہتے تھے۔ ①

خلاصہ کلام یہ کہ اصحابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حدیث کو قبول اور بیان کرنے میں از حد محتاط تھے، اور بحمد اللہ تابعین اور تبع تابعین رحمہم اللہ نے بھی اسی طرح کمال حزم و احتیاط کا مظاہرہ کیا جس کا ذکر اپنے مقام پر آئے گا۔

یہاں اگر یہ بات بیان کردی جائے کہ حدیث کا علم نہایت اشرف اور اعلیٰ علم ہے اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے مبارک عہد میں باقاعدہ حدیث کے مدارس قائم ہو چکے تھے تو غالبًا نا مناسب نہ ہوگا۔ اس سے ان کے علمِ حدیث سے ذوق وشوق کا اچھی طرح اندازہ ہوسکتا ہے۔

عہد صحابہ رضی اللہ عنہم میں مدارس

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ام المؤمنین سیدہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے درسِ حدیث جاری کیا تھا۔ مرد پردے میں آپ رضی اللہ عنہا سے پیچیدہ مسائل دریافت فرمایا کرتے تھے۔ احادیث کے بارے میں آپ رضی اللہ عنہا تصحیح کا بہت خیال رکھتی تھیں۔ بچوں کی بڑی عمدگی سے تربیت فرماتیں۔ آپ رضی اللہ عنہا کے تلامذہ کی تعداد 200 سے زائد تھی۔ ان میں 38 عورتیں تھیں۔ جلیل القدر صحابہ رضی اللہ عنہم آپ رضی اللہ عنہا کے شاگرد تھے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے تعلیم حدیث کے لیے مختلف علاقوں میں مدارس قائم کیے۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو کوفہ اور معقل رضی اللہ عنہ کو بصرہ روانہ کیا تاکہ وہ لوگوں کو تعلیم حدیث سے آشنا کریں۔ ②

حمص میں بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم حدیث کی خدمت کرتے تھے۔ ③

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ دمشق میں درس حدیث دیتے تھے۔ آپ کے ہاں طلبہ

---

① ابن سعد 229/3، معناہ و سندہ صحیح. ② إزالة الخفاء 6/2. ③ تذكرة الحفاظ 20/1.

کا بہت بڑا ہجوم ہوتا تھا۔[1]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ میں یہ خدمت سرانجام دیتے تھے۔[2]

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے علاوہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بھی حدیث کی تعلیم دیتے تھے۔[3]

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے عبدالرحمان بن شبل رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ لوگوں کو حدیث نبوی کی تعلیم دو۔[4]

مکہ کے صدر مدرس حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ تھے۔ جہاں آپ رضی اللہ عنہ نے حدیث کی بڑے وسیع پیمانے پر تعلیم دی۔[5]

جب احادیث صحیحہ کا بہت بڑا اور نہایت مستند ذخیرہ تیار ہو چکا تو اسے چھپا اور دبا کر تو نہیں رکھنا تھا، پھیلانا اور عام کرنا ہی تھا۔ چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اسے خوب پھیلایا اور عام کیا جیسا کہ آپ پڑھ چکے ہیں۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کے بعد حدیث کے مدارس

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد تابعین عظام رحمہم اللہ نے حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو عام کرنے اور پھیلانے کے لیے شہر شہر مدرسے جاری کیے۔ جہاں ہزاروں تشنگانِ علمِ حدیث نے اپنی پیاس بجھائی۔

شیخ عاصم بن علی رحمہ اللہ کی درس گاہ میں مشتاقانِ حدیث کا تخمینہ ایک لاکھ بیس ہزار بتایا گیا ہے۔[6]

① تذکرۃ الحفاظ 25/1. ② ترمذی، کتاب الزھد، باب ماجاء فی الریاء والسمعۃ، رقم: 2382 صحیح. ③ قالہ السیوطی فی حسن المحاضرۃ 63. ④ احمد 3/444 صحیح. ⑤ اعلام الموقعین 20/1. ⑥ تاریخ مدینۃ السلام 171/14.

شیخ یزید بن ہارون رحمہ اللہ کی درس گاہ میں ستر ہزار آدمی شریک ہوتے تھے۔[1]

شیخ سلیمان بن حرب رحمہ اللہ کے گرد چالیس ہزار تشنگانِ حدیث کا اجتماع ہوتا تھا۔[2]

ابو مسلم الکَجّی رحمہ اللہ کے درس میں چالیس ہزار لکھنے والوں کا شمار ہوا۔ اور سامعین اس کے علاوہ تھے۔[3]

خلاصہ کلام یہ کہ مدارس حدیث نے حدیث کی تبلیغ اور نشر و اشاعت میں بڑا اہم کردار ادا کیا۔ یہ ہم نے ان قدیم مدارس کی معمولی سی جھلک پیش کی ہے۔ تفصیل کے لیے بڑی کتب کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔

تابعین رحمہم اللہ کی حدیث کے بارے میں محنت اور احتیاط

حدیث جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال کا مجموعہ ٹھہری تو اہل اسلام اس کی طرف کیوں نہ لپکتے؟ اسے حرز جاں کیوں نہ بناتے؟ کتب ہائے سیر و سوانح کا مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ تابعین عظام رحمہم اللہ نے ایک ایک حدیث کی تلاش میں صبر آزما سفر کیئے۔ صحراؤں کی خاک چھانی، دریاؤں اور سمندروں کو عبور کیا، ہر قسم کی دولت صرف کر دی اور کسی بڑی سے بڑی قربانی سے بھی دریغ نہ کیا۔

امام زہری رحمہ اللہ نے طلب حدیث میں اپنا تمام مال اور اثاثہ خرچ کر دیا۔ حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ نے اس مقصد کے لیے 40 ہزار، یحییٰ بن معین رحمہ اللہ نے 10 لاکھ اور علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے 15 لاکھ درہم صرف کیئے۔

تابعین رحمہم اللہ کے بارے میں پوری تحقیق سے کہا جا سکتا ہے کہ انہوں نے بھی

(1) تاریخ مدینة السلام 503/14. (2) تاریخ مدینة السلام 10 / 45. (3) تاریخ مدینة السلام 37/7.

صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرح حدیث کو قبول اور بیان کرنے میں غایت درجہ احتیاط سے کام لیا اور حدیث کو ہر قسم کی ملاوٹ سے دور رکھنے کی امکانی کوشش کی۔ چنانچہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے آخری دور میں جب وضع و تدلیس (احادیث گھڑنے) کا سلسلہ شروع ہوا تو آئمہ حدیث نے کچھ قواعد وضع فرمائے اور روایت و درایت کے اصول کو وسعت دی اور سند کی باقاعدہ پوچھ گچھ شروع کی۔

ابو العالیہ رحمہ اللہ کا قول ہے کہ ہم بصرہ میں صحابہ رضی اللہ عنہم کی مرویات سنتے تو ان کی تصدیق کے لیے خود صحابہ رضی اللہ عنہم کے پاس جاتے۔ ①

امام شعبہ رحمہ اللہ نے ایک شخص سے اس لیے روایت حدیث ترک کر دی تھی کہ ایک دن اس کے گھر سے باجا (ساز) بجنے کی آواز سنائی دی تھی۔ ②

امام بخاری رحمہ اللہ جس کسی راوی کے وصف عدالت و صداقت میں کوئی کمی دیکھتے تو اس کی حدیث قبول نہ کرتے۔

آپ نے حماد بن سلمہ اور سہیل بن ابی صالح سے باوجود ان کی جلالت و عظمت کے کوئی روایت قبول نہیں کی۔ کیونکہ حماد کے ایک عزیز، حماد کی (بیان کردہ) حدیثوں میں دوسری حدیثیں بھی شامل کر دیتے تھے۔ اور سہیل سے روایات اس لیے قبول نہیں کیں کہ ان کے سماع میں کلام تھا۔ ③

محدّثین رحمہم اللہ کے ہاں یہ قاعدہ ہے کہ جس شخص کا پوری زندگی میں ایک دفعہ بھی جھوٹ ثابت ہو جائے، وہ نہ اس کی روایت لیتے ہیں، اور نہ اسے قابلِ اعتبار جانتے ہیں۔

① دارمی، المقدمة، باب الرحلة فی طلب العلم، رقم: 564. ② كتاب الضعفاء للعُقيلی 1380/4. ③ فتح المغيث 46/1.

امام بخاری ﷫ و امام مسلم ﷫ کے اخذِ حدیث کے سلسلے میں اصول کس قدر سخت ہیں؟ علماء واقف ہیں۔ ہر قسم کی امکانی احتیاط اور چھان پھٹک کے بعد انہوں نے اپنی تصنیفات کو کمال محنت سے دو، دو تین تین مرتبہ منقح و مہذّب کیا۔

محدّثین ﷭ نے جس محنت اور عرق ریزی سے علم حدیث کے لؤلؤ و لالہ جمع کیے وہ اپنی مثال آپ ہیں۔ انہوں نے میدان تحقیق میں وہ کمال دکھایا کہ جس کی مثال نہیں ملتی۔

امام بخاری ﷫ جب سمرقند گئے تو وہاں چار سو محدّثین ﷭ جمع ہوئے اور انہوں نے آپ کے رسوخ فی الحدیث کو یوں پرکھا۔ کہ شامی رُواۃ کا نام عراقی متن میں اور عراقی رُواۃ کا نام شامی متن میں اور اہل شام کا نام یمنی رواۃ کے متن میں ڈال کر احادیث پیش کیں۔ امام بخاری ﷫ کی لیاقت اور اپنے فن میں مہارت ملاحظہ ہو کہ جملہ رُواۃ کو ان کے اپنے اصلی متن کے ساتھ ملا کر سنا دیا۔ چار سو محدّثین ﷭ کسی ایک سند اور متن میں بھی امام بخاری ﷫ کی بھول چوک نہ نکال سکے۔[1]

یوں لگتا ہے جیسے حق تعالیٰ نے ان محدّثین ﷭ کو حدیث نبوی کی حفاظت و خدمت ہی کے لیے پیدا کیا ہو۔

امام داخلی ﷫ کی مجلس میں حدیث منعقد تھی۔ امام داخلی نے سلسلۂ سند میں ایک راوی کا نام ''ابو الزبیر عن ابراھیم ﷫'' بیان کر دیا۔ امام بخاری ﷫ نے شیخ کو متوجہ کیا کہ صحیح سند ''عن زبیر بن عدی عن ابراھیم'' ہے۔

شیخ نے کتاب کی طرف مراجعت فرما کر کہا: ''صدقت'' یعنی آپ نے سچ کہا۔[2]

ایک بار امام بخاری ﷫، جناب ابن راہو یہ کی مجلسِ درس میں تشریف فرما

① البداية والنهاية 252/11، فتح الباری، المقدمة 680. ② فتح الباری، المقدمة 669.

تھے کہ یکا یک محدّث ابن راہویہ نے امام بخاری رحمہ اللہ سے ایک راوی عطاء کیخارانی کے متعلق پوچھا: ''أیش کیخاران''؟ یعنی ''کیخاران کیا چیز ہے؟''

امام بخاری رحمہ اللہ نے فی الفور جواب دیا کہ کیخاران یمن کے ایک گاؤں کا نام ہے۔ جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فلاں صحابی کو یمن بھیجا تھا تو اس حدیث کو عطاء کیخارانی نے ان سے وہیں سنا تھا۔ ①

انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا 770/4 میں امام بخاری رحمہ اللہ کی قوت حافظہ کے متعلق یوں لکھا ہے: ''امام بخاری رحمہ اللہ کا حافظہ اور استحضار اس غضب کا تھا کہ ان کے معاصرین ائمہ تک کو وہ ایک کرامت نظر آتا تھا۔''

ان مذکورہ واقعات میں ان حضرات کے لیے لمحہ فکر یہ ہے جو امام بخاری رحمہ اللہ پر طعن کرنا اپنے بائیں ہاتھ کا کھیل سمجھتے ہیں۔

اس موضوع پر ہم نے امام بخاری رحمہ اللہ کا بطور مثال ذکر کیا ہے ورنہ دیگر ائمہ حدیث بھی تحقیق کی اسی روش پر قائم تھے۔ رحمهم الله تعالىٰ.

① تهذيب التهذيب 40/9.

تعارف کتبِ حدیث

تعارف کتبِ حدیث

صحاح ستّہ کے علاوہ کتُب حدیث

کتُب حدیث کی اقسام

تعارف کتبِ حدیث

تدوین حدیث کا آغاز بطورِ فن 100 ھ میں ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے محدّثین رحمہم اللہ کو پیدا فرمایا۔ انہوں نے یہ خدمت اپنے ذمے لی اور بڑی عرق ریزی، تندہی اور جانفشانی سے کام لیا، سخت سے سخت مصائب کا سامنا کیا ہر قسم کی مشکلات کو بخندہ پیشانی برداشت کیا۔ دور دراز کے دشوار گزار سفر کیے۔ احادیث کی تلاش میں دن رات ایک کر دیا۔ ایک ایک حدیث کے لیے سینکڑوں میل کا سفر طے کیا۔ اور حدیث کے اخذ و قبول میں نہایت اخلاص و دیانت، چھان بین، تحقیق و تدقیق سے کام لیا۔ اس وادی میں پھونک پھونک کر قدم رکھا۔ حدیث کے بہترین اصول وضع فرمائے۔ رواۃ کی چھان پھٹک کی۔ ہر مفتری اور دروغ گو کا پتہ لگایا۔ اور اس کی روایت، روایت کی علتِ ضعف کو طشت از بام کیا۔ حدیث مبارکہ کی اس کمال حزم و احتیاط سے تحقیق کی کہ کوئی تشنگی باقی نہ چھوڑی۔ کئی حضرات نے ان کی جانچ پرکھ کرنے کی کوشش کی مگر ان کی تحقیق کو غلط ثابت نہ کر سکے۔ جیسا کہ آپ پیچھے پڑھ چکے ہیں۔ الغرض محدّثین رحمہم اللہ نے بڑی محنت شاقہ کے بعد قابلِ اعتماد احادیث کا ایک بہت بڑا ذخیرہ ہمارے سامنے رکھ دیا۔ انہوں نے اس باب میں کمال دیانت کا مظاہرہ کیا اور چھانٹ چھانٹ کر مستند احادیث کو اپنی کتب میں یکجا کر دیا۔ ساتھ اسناد کا ذکر کیا، اقسام حدیث کی واضح نشان دہی کی۔ اور غیر ثقہ رُواۃ اور ان کی روایات سے آگاہ و خبردار کیا اور ان کی جو کمزوری تھی ظاہر فرما دی، تاکہ کسی کو دھوکہ نہ رہے۔

صحیح بخاری کتاب العلم میں مذکور ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ (خلافت 99 تا101ھ) نے امیر مدینہ ابوبکر بن حزم کو لکھا کہ اہل مدینہ سے جس قدر احادیث مل سکیں انہیں جمع کر لیا جائے۔[1]

امام ابن شہاب زہری رحمہ اللہ نے ان کے حکم سے ایک مبسوط کتاب تالیف کی۔ آپ50ھ میں پیدا ہوئے اور 74 برس کی عمر پا کر 124ھ میں وفات پائی۔ آپ جلیل القدر محدّث تھے۔ "خطبات مدراس" صفحہ 62 میں ہے کہ آپ نے اس قدر احادیث جمع کی تھیں کہ ان کے تحریر کردہ مسودات کوئی اونٹوں پر لاد کر لائبریری سے لایا گیا تھا۔ ابوبکر حزمی متوفی120ھ نے بھی حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی ترغیب سے حدیث کی کتابیں تالیف کی تھیں۔

اس دور میں موسیٰ بن عقبہ (متوفی141ھ) اور محمد بن اسحاق (متوفی 150ھ) نے سیرت نویسی کا آغاز کیا۔ اس زمانے میں باقاعدہ درس و تدریس اور تصنیف و تالیف کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ اور علمِ حدیث کے شوق کا یہ عالم تھا کہ ایک ایک محدّث کے حلقۂ درس میں ہزاروں لوگ شرکت کرتے اور محدّثین کی آواز سامعین تک پہنچانے کے لیے اشخاص مقرر تھے جنھیں مستملی کہتے ہیں۔ اس کے بعد حدیث کا عام رواج ہوگیا۔ مختلف دیار و امصار میں محدّثین رحمہم اللہ نے کتابیں تصنیف کرنا شروع کردیں۔

اس عہد میں امام مالک بن انس رحمہ اللہ کا نام نامی سرفہرست ہے۔ آپ93ھ میں مدینہ میں پیدا ہوئے۔ اور 179ھ میں مدینہ ہی میں وفات پائی۔ آپ نے اپنی مشہور کتاب "الموطأ" 143ھ میں تالیف کی۔ اس میں کل احادیث وآثار 1720 ہیں۔

[1] صحیح بخاری، کتاب العلم، باب کیف یقبض العلم، رقم الباب: 34.

اور مرفوع احادیث 822 ہیں۔ بعض محدثین ابن ماجہ کے بجائے موطأ امام مالک کو کتب صحاح ستہ میں شمار کرتے ہیں۔ [1]

بہر حال حدیث کی بطور فن ابتدا یوں ہوئی جو ہم نے بیان کی۔

اُس دور میں حدیث نبوی کی جمع و تالیف کے متعلق وسیع پیمانے پر کام شروع ہو چکا تھا۔ جیسا کہ آپ ابھی پڑھ چکے ہیں۔ مگر حدیث کی نقد و جرح کا آغاز ابھی نہیں ہوا تھا۔ کیونکہ اس وقت تک کوئی خاص ضرورت محسوس نہ کی گئی تھی۔ جب علم حدیث کو قبول عام حاصل ہوا تو کم علم اور ناواقف لوگوں نے بھی روایت حدیث کا مشغلہ اختیار کر لیا۔ بعض لوگوں نے اپنے ذاتی مفاد اور گروہی تعصب کو تقویت دینے کے لیے حدیثیں وضع کرنا شروع کر دیں۔ بعض نے اپنا نام پیدا کرنے کے لیے ناکام جسارت کی۔ چنانچہ خلافت راشدہ کے آخری زمانے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دعویداروں نے آپ رضی اللہ عنہ کی مدح میں حدیثیں وضع کرنے کی بنا ڈالی۔ آہستہ آہستہ نئے گروہ پیدا ہوتے گئے اور موضوع احادیث میں اضافہ ہوتا رہا۔ بعض طبقات نے اپنے مذہب کو تقویت دینے کے لیے احادیث وضع کیں۔ بعض نے اپنے امام کو برتری دینے کے لیے احادیث وضع کیں۔ اور بعض نے شاہان وقت کو خوش کرنے کے لیے احادیث گھڑیں۔ علاوہ ازیں روایات کا ایک حصہ دشمنانِ اسلام یہود و نصاریٰ، مجوس، اہل شرک اور مبتدعین کا رہین منت ہوا اور جو کمی رہ گئی تھی وہ واعظین اور صوفیاء نے پوری کر دی۔ حالانکہ روایت حدیث میں جس قدر بھی احتیاط ہو کم ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس بارے میں سخت وعید آئی ہے کہ جس نے جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ باندھا اس کی سزا جہنم ہے۔ (سبق تَخْرِيجُهُ) حیرت

[1] تحفة الاحوذی، المقدمة 148.

ہے ان مسلمانوں پر کہ جنہوں نے یہ مشغلہ اختیار کیا اور ان واعظین پر جنہوں نے انہیں پھیلایا۔ بہر حال سفال وخذف کے ڈھیر میں گہر ہائے لؤلؤ ولالہ اور شذور الذہب (سونے کے قیمتی ریزوں) کو ملا دیا گیا۔ روایات کا ذبہ کو روایات صادقہ میں خلط ملط کر دیا گیا۔ اب ضرورت تھی کہ معتبر اور صحیح احادیث کو غیر مستند اور غیر معتبر روایات سے الگ کر دیا جائے۔ یہ کام ہر کہ ومہ کا نہ تھا بلکہ ماہرین کاملین اور اس فن کے بلند پایہ محققین کا تھا۔ قصہ مختصر کہ اندریں حالات محدثین کی ذمہ داریاں بڑھ گئیں۔ حالانکہ جمع شدہ احادیث میں صحیح وسقیم اور ہر طرح کی روایات تھیں۔ اس لیے محدّثین نے ان کی جانچ پرکھ کے لیے اصول وضع کیے اور روایت کی تحقیق اور چھان پھٹک کے لیے فن اسماء الرجال معرض وجود میں آیا۔ جس کی بدولت ڈیڑھ لاکھ راویانِ حدیث کی تاریخ ولادت و وفات، سیرت وسوانح اور احوال وکوائف ضبط تحریر میں آ گئے۔ اس فن میں سب سے پہلی کتاب یحییٰ بن معین رحمہ اللہ (158ھ تا 233ھ) نے لکھی۔ رحمه الله تعالیٰ.

کتب حدیث

اس دور میں نقد وجرح کے ساتھ ساتھ تدوین حدیث کا کام بھی شروع ہوا۔ ائمہ حدیث نے بڑی کوشش اور عرق ریزی سے حدیثوں کی اسناد اور متن میں چھان بین اور تحقیق وتفتیش کے بعد کتابیں تیار کیں۔ جزاهم الله احسن الجزاء.

حدیث کے ان مجموعوں کی طرز ایک جیسی نہ تھی۔ ان کو مختلف اقسام میں تقسیم کیا گیا ہے۔ جو یہ ہیں: جامع، سُنن، مُسند، معجم، مفرد، مستدرک، اربعین، مُستخرج، کتب العلل، کتب الاطراف، کتب الامالی۔ (مقدمہ تحفۃ الاحوذی، کشف الظنون)

تیسری صدی ہجری کے نصف دوم میں بعض محدثین نے اسی التزام کے ساتھ

کتابیں تالیف کیں کہ اپنی کتاب میں کوئی ضعیف حدیث نہیں لائیں گے۔ ان میں دیگر کُتب کے علاوہ صحاح ستہ نے شہرت دوام حاصل کی۔ وہ یہ ہیں:

1 صحیح بخاری 2 صحیح مسلم 3 سنن ابی داود

4 جامع ترمذی 5 سنن نسائی 6 سنن ابن ماجہ

① صحیح بخاری

امام ابوعبداللہ محمد بن اسمٰعیل بخاری رحمہ اللہ (194ھ۔256ھ) کو چھ لاکھ حدیثیں یاد تھیں۔ آپ نے ان کو چھانٹ کر یہ مجموعۂ حدیث مرتب کیا۔ آپ نے اس پر سولہ سال صرف کیے۔ آپ کی زندگی ہی میں نوے ہزار اشخاص نے ان احادیث کی آپ سے سماعت کی۔ آپ نے بڑی تحقیق وتنقید کے بعد اس میں 7563 صحیح حدیثیں درج کیں۔ اگر مکررات وغیرہ کو نظر انداز کیا جائے تو حدیث کی کل تعداد 2761 رہ جاتی ہے۔ علمائے امت نے اسے ''اَصَحُّ الْکُتُبِ بَعْدَ کِتَابِ اللّٰہِ الصَّحِیْحُ الْبُخَارِیُّ'' قرار دیا ہے۔ یعنی قرآنِ کریم کے بعد صحیح ترین کتاب صحیح بخاری ہے۔ صحیح بخاری مجتہد گر ہے۔

امام بخاری بذات خود آئمہ مجتہدین میں سے تھے اس لیے آپ کی یہ کتاب بھی فقہی احکام ومسائل کی جامع ہے۔ آپ نے اس کے تراجم ابواب میں اپنے اجتہادات واستنباطات کو سمو دیا ہے۔ تراجم ابواب میں امام بخاری کے دو طریقے ہیں: 1 آپ باب کا جو عنوان مقرر کرتے ہیں حدیث بھی اس کے موافق لاتے ہیں۔ 2 باب کا عنوان عام ہوتا ہے لیکن اس میں مندرج حدیث خاص ہوتی ہے اس سے امام بخاری کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ حدیث اگرچہ خاص ہے مگر اس کا حکم عام ہے یا بعض اوقات اس کے برعکس یعنی باب کا عنوان خاص مگر حدیث عام

تاکہ پتہ چلے کہ حدیث اگرچہ عام ہے مگر اس سے خصوصیت مراد و مقصود ہے۔ اسی لیے کہا جاتا ہے: فقه البخاری فی تراجمه یعنی بخاری کی فقاہت ان کے تراجم ابواب میں پائی جاتی ہے۔

صحیح بخاری میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی 446، حضرت انس رضی اللہ عنہ کی 268، ابن عمر رضی اللہ عنہ کی 270، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی 217، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی 242، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی 60، حضرت علی رضی اللہ عنہ کی 29، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی 22، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی 9 روایات ہیں۔ مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہوں! مقدمہ فتح الباری صفحہ 665 تا 668۔ علوم حدیث کے ماہرین ''صحیح بخاری'' کے متعلق یوں رائے دیتے ہیں: بخاری کو صحت میں وہ مقام حاصل ہے گویا امام بخاری رحمہ اللہ نے ہر حدیث کو براہ راست حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا۔

② صحیح مسلم

امام مسلم بن حجاج نیشاپوری (204ھ-261ھ) کو تین لاکھ حدیثیں یاد تھیں۔ آپ کے مجموعہ حدیث میں کل 7563 حدیثیں ہیں، جیسا کہ دارالسلام کی ترقیم میں ہے۔ اگر مکررات کو شامل نہ کیا جائے تو پھر حدیثوں کی تعداد چار ہزار رہ جاتی ہے۔ یہ کتاب محض احادیث صحیحہ پر مشتمل ہے اس کا درجہ صحیح بخاری کے بعد ہے۔ امام مسلم نے اسے نہایت حکیمانہ انداز سے مرتب فرمایا جس کی بنا پر اس سے استفادہ نہایت آسان ہوگیا۔ اس میں امام مسلم نے یہ طرز و انداز اختیار کیا ہے کہ قریب المعنی ملتی جلتی احادیث کو ایک ہی جگہ ذکر کر دیا۔ اس کے ساتھ ساتھ ان کے مختلف طرق و اسانید اور ان کے الفاظ کے فرق و اختلاف کو مختصر عبارت میں نہایت ترتیب اور حد درجہ احتیاط کے ساتھ بیان کر دیا ہے۔ جو حدیث صحیح بخاری اور صحیح

مسلم دونوں میں موجود ہو اسے متفق علیہ کہا جاتا ہے۔ کل متفق علیہ روایات کی تعداد 2633 ہے۔

③ سنن ابی داود

امام ابوداود سلیمان بن اشعث سجستانی رحمہ اللہ (202۔275) امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے شاگرد تھے۔ سنن ابی داود میں احادیث کی تعداد 5274 ہے۔ یہ سب احادیث احکام کے متعلق ہیں اور بہت مشہور ہیں۔ امام ابوداود ایک بہت بڑے محدث ہونے کے ساتھ ساتھ بہت بڑے فقیہ بھی تھے یہی وجہ ہے کہ آپ کی کتاب فقہی احکام و مسائل کی جامع ہے اس میں وہ احادیث ہیں جن سے فقہاء نے استدلال کیا اور فقہی احکام کو ان پر مبنی قرار دیا۔

④ جامع ترمذی

اس کتاب کے مؤلف امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی (209ھ۔279ھ) ہیں۔ آپ امام بخاری رحمہ اللہ، مسلم رحمہ اللہ، ابوداوَد رحمہ اللہ کے شاگرد تھے۔ آپ کی کتاب میں حدیثوں کی تعداد صحیحین کے مقابلے میں کم ہے۔ اس کتاب کی ترتیب بہترین ہے۔ آپ نے اسے فقہی ابواب پر مرتب فرمایا۔ صحیح، حسن وضعیف ہر قسم کی احادیث شامل کیں۔ جہاں کوئی حدیث ذکر کی ہے اسی جگہ اس کا درجہ بھی بیان کردیا۔ اگر وہ ضعیف ہے تو وجہ ضعف پر روشنی ڈالی۔ اس کے ساتھ ساتھ صحابہ و تابعین نیز علماء وفقہاء کے مذاہب و مسالک بھی واضح کردیے۔ حدیث صرف ایک ہی سند کے ساتھ بیان فرماتے ہیں مگر دوسری اسانید کی طرف اشارہ کردیتے ہیں۔ احادیث وآثار کی کل تعداد 3956 ہے۔

⑤ سُنن نسائی

اس کتاب کے موئف امام ابوعبدالرحمان احمد بن شعیب نسائی (215ھ۔303ھ) ہیں۔ آپ جلیل القدر محدِّث تھے۔ آپ کی شرائط بہت کڑی ہیں۔ آپ نے ایک بہت بڑی کتاب السنن الکبریٰ مرتب کی جس میں صحیح و معلول ہر قسم کی حدیثیں تھیں پھر ''السنن الصغریٰ'' کے نام سے اسے مختصر کیا اور اس کا نام ''المجتبیٰ'' رکھا جسے ہمارے ہاں سنن نسائی کہتے ہیں۔ سنن نسائی میں سب سے کم احادیث ضعیفہ پائی جاتی ہیں۔ کتب احادیث میں بقول علماء کے اس کا درجہ صحیحین کے بعد ہے۔

⑥ سُنن ابن ماجہ

حدیث کی اس کتاب کے موَلف امام ابوعبداللہ محمد بن یزید بن عبداللہ بن ماجہ قزوینی (209ھ۔273ھ) ہیں۔ اس کتاب میں 4341 حدیثیں ہیں۔ بعض محدثین ابن ماجہ کی بجائے سنن دارمی کو صحاح ستہ کی چھٹی کتاب تسلیم کرتے ہیں۔ اس میں بعض ضعیف اور موضوع روایات بھی ہیں۔ مگر ان کی تعداد تیس سے زیادہ نہ ہوگی۔ اس کتاب کا معیار صحاح ستہ کی دیگر کتب کی بہ نسبت کم ہے۔ اس کا انداز بھی سنن نسائی، ابوداود اور ترمذی کی طرح فقہی ہے۔

صحاح ستہ کے علاوہ کُتب احادیث

صحاح ستہ کے علاوہ بھی حدیث کی کُتب ہیں ذیل میں کچھ مشہور اور قابلِ ذکر کتابوں کا مختصر تعارف پیش کیا جاتا ہے:

موطا امام مالک

یہ امام مالک بن انس (93ھ۔179ھ) کی شہرہ آفاق تصنیف ہے۔ بعض علماء نے صحاح ستہ میں ابن ماجہ کی بجائے اس کا نام رکھا ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ نے ایک لاکھ احادیث میں سے انتخاب کر کے اسے مدوّن کیا۔ یہ کتاب ابوابِ فقہ پر مرتب ہوئی۔ موطا میں قوی احادیث اور صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین رحمہم اللہ کے فتاویٰ جات بھی ہیں۔ موطا کے تمام احادیث و آثار تقریباً انیس سو کے قریب ہیں۔ موطا کو صحاح ستہ میں شامل نہ کرنے کا بڑا سبب یہ ہے کہ موطا کی جملہ مرفوع احادیث صحیح بخاری میں آ چکی ہیں۔

مسند ابی داؤد طیالسی

اس کے مؤلف امام سلیمان بن داود (متوفی 204ھ) ہیں، اس میں انتیس سو کے قریب روایات ہیں۔

مصنّف عبدالرزاق

یہ امام عبدالرزاق بن ہمام (متوفی 211ھ) کی تصنیف ہے، اس میں ہر طرح کی روایات ہیں۔ جن کی تعداد اکیس ہزار سے متجاوز ہے۔

مصنّف ابن ابی شیبہ

امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ (متوفی 235ھ) کی تصنیف ہے۔اس میں بھی ہر طرح کی روایات مرفوع، موقوف، صحیح اور ضعیف پائی جاتی ہیں جن کی تعداد چالیس ہزار کے قریب ہے۔

سنن دارمی

امام ابومحمد عبداللہ بن عبدالرحمٰن دارمی (متوفی 255ھ) کی تصنیف ہے، مفید عام کتاب ہے جو فقہی ابواب پر مرتب کی گئی ہے، شروع میں شاندار مقدمہ ہے۔ سنن دارمی میں تین ہزار پانچ سو سے زائد روایات ہیں۔

مسند امام احمد

امام اہل السنہ احمد بن حنبل (متوفی 241ھ) کی کتاب ہے یہ حدیث کی عظیم کتاب ہے۔ قدیم و جدید محدثین نے اس بات کی گواہی دی ہے کہ یہ حدیث کی جامع تر کتاب ہے اس میں ہر وہ چیز موجود ہے جس کی ایک مسلمان کو دین و دنیا میں ضرورت ہوتی ہے۔ امام احمد اس کی ترتیب وتہذیب میں اس روش پر گامزن رہے جو ان کے طبقہ سے ہم آہنگ تھی۔ امام احمد ایک صحابی کا ذکر کرتے ہیں پھر وہ احادیث بیان کرتے ہیں جو انھوں نے روایت کی ہیں، یعنی ایک صحابی سے جتنی روایات مروی ہیں ان کو ایک جگہ جمع کر دیا ہے۔ اس میں احادیث کی فقہی ترتیب نہیں ہے، پھر ایسے ہی وہ دوسرے صحابی کا ذکر کرتے ہیں۔ اس میں ساڑھے ستائیس ہزار سے زائد مرویات ہیں۔

مسند بزار

یہ حقیقت میں معجم ہے۔ابوبکر احمد بن عمرو بزار (متوفی 292ھ) کی تصنیف ہے۔

مسند ابویعلیٰ

امام ابویعلی احمد بن علی موصلی (متوفی307ھ) کی تصنیف ہے۔اس میں سات ہزار پانچ سو پچاس احادیث ہیں۔

المنتقیٰ

یہ کتاب صحیح ابن خزیمہ سے متخرج ہے۔ امام ابومحمد عبداللہ بن علی بن الجارود (متوفی307ھ) کی تصنیف ہے۔

معانی الآثار

امام ابوجعفر احمد بن محمد طحاوی (متوفی321ھ) کی تصنیف ہے۔یہ کتاب بھی فقہی ابواب پر مرتب ہے۔

معجم طبرانی

امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد طبرانی (متوفی 360ھ) نے معجم صغیر، معجم اوسط اور معجم کبیر کے نام سے تین معجم تیار کیے۔ان میں حروف تہجی کے اعتبار سے راویانِ حدیث کی علیحدہ علیحدہ روایات بیان کی گئی ہیں۔ان معاجم میں ملی جلی حدیثیں ہیں۔

صحیح ابن حبان

امام ابوحاتم محمد بن حبان (متوفی 354ھ) کی تصنیف ہے۔امام موصوف محتاج تعارف نہیں۔آپ کی یہ تصنیف عجیب وغریب ترتیب پر مشتمل ہے نہ تو یہ فقہی ابواب

پر مرتب کی گئی ہے اور نہ ہی مسند کے انداز پر۔ امام موصوف نے اسے پانچ اقسام: اوامر، نواہی، اخبار، اباحات اور افعال النبی ﷺ پر منقسم فرمایا، پھر ان میں سے ہر قسم کو چند انواع میں تقسیم کیا۔ بعد ازیں متاخرین میں سے امام علاء الدین علی بن بلبان (متوفی 937ھ) نے اسے فقہی ابواب کی طرز پر مرتب کر کے اس کا نام ''الاحسان فی تقریب صحیح ابن حبان'' رکھا۔

سنن دار قطنی

امام ابوالحسن علی بن عمر دار قطنی (متوفی 385ھ) کی تصنیف ہے جو کہ چار ہزار آٹھ سو کے قریب روایات پر مشتمل ہے۔ یہ کتاب اہل علم میں بہت معروف ہے۔

مستدرک حاکم

امام ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ الحاکم (متوفی 405ھ) کی تصنیف ہے۔ اس میں آٹھ ہزار آٹھ سو کے قریب احادیث و آثار وغیرہ موجود ہیں۔ امام موصوف کا اپنی تصنیف کی بابت دعویٰ تو بہت اونچا ہے مگر اس میں ضعیف اور بعض موضوع روایات بھی پائی جاتی ہیں۔

سنن کبریٰ

امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی (متوفی 458ھ) کی تصنیف ہے۔ بائیس ہزار احادیث پر مشتمل یہ کتاب نہایت جامع ہے۔ اسے ''السنن الکبریٰ'' بھی کہا جاتا ہے۔

صحیح ابن خزیمہ

امام ابوبکر محمد بن اسحاق بن خزیمہ (متوفی 311ھ) کی تالیف ہے، فقہی ترتیب پر مشتمل اس کتاب میں تقریباً دو ہزار ایک سو احادیث ہیں۔

مسند حمیدی

امام ابوبکر عبداللہ (متوفی 219ھ) کی تالیف ہے یہ کتاب تیرہ سو سے زائد احادیث پر مشتمل ہے۔

مسند ابی عوانہ

امام ابوعوانہ یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم (متوفی 316ھ) کی تالیف ہے۔ یہ کتاب مستخرج علی صحیح مسلم ہے اس میں سات ہزار سے زائد احادیث موجود ہیں۔

کُتب حدیث کی اقسام

الجامع

جس کتاب میں اسلام سے متعلق ہر قسم کے مباحث موجود ہوں۔ خواہ ان کا تعلق عقائد سے ہو یا احکام سے، تاریخ سے ہو یا تفسیر سے، فتن سے ہو یا ملاحم سے، یا بحث الفاظ سے یا ان کے علاوہ جو مباحث بھی احادیث میں ملتے ہیں، اسے الجامع کہتے ہیں جیسے امام بخاری کی ''الصحیح'' اور امام ترمذی کی ''الجامع'' ہے۔

السنن

جس کتاب میں احادیث احکام جمع کی گئی ہوں جیسے سنن نسائی اور سنن ابی داود وغیرہ ہیں۔

المُسند

جس کتاب میں ہر ایک صحابی کی روایات علیحدہ علیحدہ جمع کی گئی ہوں۔ یا کسی ایک صحابی، یا کسی ایک جلیل القدر امام کی مرویات جمع کی گئی ہوں۔ جیسے امام احمد رحمہ اللہ کی ''المُسند'' ہے۔

الجزء

جس کتاب میں کسی ایک مسئلے یا ایک نوع کے مسائل پر احادیث جمع کی گئی

ہوں۔ جیسے امام بخاری کی ''جزء رفع الیدین'' ہے۔

المستخرج

جس کتاب میں کسی ایک کتاب کی احادیث دوسری اسانید سے روایت کی جائیں۔ جیسے ''مستخرج الاسماعیلی علیٰ صحیح البخاری'' ہے۔

المستدرک

جس کتاب میں کسی مصنف کی ملحوظ شرائط کے مطابق ایسی صحیح احادیث جمع کی جائیں جو اس مصنف نے اپنی کتاب میں درج نہ کی ہوں۔ جیسے امام حاکم کی ''المستدرک'' ہے۔

کتاب العلل

جس کتاب میں معلولہ احادیث بیان علل کے ساتھ نقل کی گئی ہوں جیسے امام احمد رحمہ اللہ کی کتاب ''علل الحدیث ومعرفۃ الرجال'' ہے۔

الاطراف

جس کتاب میں احادیث کا ایک ایک ٹکڑا نقل کر کے ان کی اسانید جمع کی گئی ہوں، یا ان کے مخرجین کا ذکر کیا گیا ہو، جیسے حافظ ابنِ عساکر کی ''الاشراف'' ہے۔

التخریج

جس کتاب میں کسی کتاب کی مرویات کی اسانید پر بحث کی گئی ہو کہ وہ کیا کیا ہیں اور کیسی کیسی ہیں اور کس کس کتاب میں ہیں۔

المعجم

ایسی کتاب جس میں مؤلف نے اپنے اساتذہ کے ناموں کی ترتیب سے احادیث کو جمع کیا ہو جیسے امام طبرانی کی ''المعجم الکبیر، المعجم الاوسط اور المعجم الصغیر'' ہے۔

الاربعین

جس کتاب میں چالیس احادیث جمع کی گئی ہوں جیسے امام نووی کی ''الاربعین'' ہے۔

باب:5

طبقات کُتب حدیث

طبقات کتبِ حدیث

طبقات کُتب حدیث

کتب حدیث کو صحت وقبول کے اعتبار سے چند طبقات میں تقسیم کیا گیا ہے۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں: کتب حدیث کے درجے و طبقے مختلف ہیں ان طبقوں کا معلوم کرنا اور لحاظ کرنا ضروری ہے۔ ①

شاہ عبدالعزیز فرماتے ہیں: کتب حدیث کو صحت، شہرت اور قبول کے اعتبار سے چند طبقات پر تقسیم کیا جاتا ہے۔ ②

صحت سے مراد ہے کہ اس کے مصنف نے پوری کوشش سے صحیح احادیث جمع کی ہوں۔

شہرت سے مراد ہے کہ ہر زمانے کے ماہرین فن اسے پڑھتے پڑھاتے رہے ہوں۔

قبول سے مراد ہے کہ ہر دور کے علماء نے ان کتب کو معتبر، مستند اور فقہاء نے انہیں قابلِ تمسک قرار دیا ہو۔

ذیل میں کتب حدیث کے عام طبقات کا ذکر کیا جاتا ہے:

طبقہ اول

جن کتب کی صحت، شہرت اور قبولیت اعلیٰ قسم کی ہو جیسے صحیح بخاری، صحیح مسلم اور موطا امام مالک ہیں۔

① حجة الله البالغه 226. ② تحفة الاحوذی، المقدمة 107.

طبقہ دوم

وہ کتب جن میں یہ تینوں صفات تو پائی جائیں لیکن طبقہ اولیٰ سے کچھ کم حیثیت میں ہوں اس طبقہ میں سنن نسائی، سنن ابی داود اور جامع ترمذی ہیں مسند احمد بھی تقریباً اسی طبقہ میں شامل ہے۔

طبقہ سوم

طبقہ سوم میں وہ کتب ہوں گی جن میں شہرت اور قبولیت ادنی درجے کی پائی جائے۔ اس طبقے میں صحیح ابن حبان، صحیح ابن خزیمہ، مستدرک حاکم وغیرہ کو شمار کیا ہے۔

طبقہ چہارم

اس طبقہ میں وہ کتب ہوں گی جن میں صحت، شہرت اور قبولیت انتہائی کم درجے کی پائی جائے، مثلاً کتاب الضعفاء لابن حبان، الکامل لابن عدی وغیرہ۔

طبقہ پنجم

اس طبقہ میں وہ کتب آئیں گی جن کی سند ہی نہ ہو جو صوفی اور واعظ حضرات نے بنا رکھی ہیں۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہوں: مقدمہ تحفۃ الاحوذی صفحہ 103 تا 107)

نوٹ: مسلمان کے گروہ اہل بدعت کا زیادہ تر انحصار اسی طبقہ پنجم اور چہارم کی کتب پر ہے۔ اور کچھ طبقہ سوم پر۔ اور طبقہ اول و دوم پر وہ شدید مجبوری کی صورت میں اعتنا کرتے ہیں۔

کتب شیعہ

شیعہ صرف ان اخبارات و روایات کو معتبر سمجھتے ہیں جن کی روایت اہل بیت

اوران کے ائمہ کرام ﷭ سے ہوئی ہو، چنانچہ اس قاعدے کے مطابق صرف چار مجموعے (کتب اربعہ) ان کے نزدیک معتبر سمجھے جاتے ہیں جو یہ ہیں:

1. ''کتاب اصول الکافی'' از ابوجعفر محمد بن یعقوب الرازی الکلینی (متوفی 328ھ)
2. ''مَنْ لَّا یَحْضُرُہٗ'' از ابوجعفر محمد بن الحسین القمی (متوفی381ھ)
3. ''تہذیب الاحکام'' از جعفر محمد الطّوسی (متوفی 411ھ)
4. ''الاستبصار فیما اختلف من الاخبار'' از جعفر محمد طوسی۔

اختلاف فکر

تیسری صدی ہجری میں علم حدیث کی نشرو اشاعت باقاعدہ شروع ہوگئی اور محدثین وفقہا کے گروہ نے اسلام کی ناقابل فراموش خدمات سرانجام دیں۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد اسمعیل سلفی ﷫ فرماتے ہیں:

''آنحضرت ﷺ کے بعد امت میں مختلف طبقات رہے کبھی ظاہر پرستی اس طرح دماغوں پر چھاگئی کہ الفاظ کی پرستش شروع ہوگئی۔ لوگوں نے مقاصد اور مصالح کو نظر انداز کر کے محض الفاظ پر سارا زور صرف کردیا، کبھی آراء رجال اور قیاسات نے ذہن کو اس قدر متاثر کیا کہ شخصی آراء وافکار نے تقلید جامد کی صورت اختیار کر لی، آئمہ اور علماء کی تقلید کو واجب اور فرض کہا جانے لگا۔ بڑے علماء کی جزوی مخالفت اس قدر جرم سمجھی جانے لگی۔ گویا وہ پیغمبر ﷺ کی مخالفت ہے۔ یہ دونوں غلط راہیں تھیں یہ مرض زہد واتقیاء میں نمودار ہوا ..... بزرگوں کی عادات اور اوراد و وظائف کو وحی کا مقام دے دیا گیا۔''

مختلف مذاہب کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''حجاز، بخارا، مصر اور مغرب میں حدیث کا دور دورہ تھا۔ لوگ حدیث پڑھتے پڑھاتے تھے۔ حفظ و ضبط کی مجلسیں گرم تھیں۔ مدارس میں ''حدثنا'' اور ''اخبرنا'' کے غلغلے بلند تھے۔ یکا یک حجاز اور مصر میں امام شافعی رحمہ اللہ کے حفظ و ذکاء کا اثر بڑھا۔ سوڈان سے اندلس تک امام مالک رحمہ اللہ کے مسلک فقہ کا اقتدار قائم ہوا۔ کوفہ سے ایران اور پھر اقصائے ہند میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی علمی ضیا باریوں نے اپنا اثر ظاہر کیا۔ نجد اور اس کے حوالی میں حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کی قربانیاں رنگ لائیں۔ اس کے علاوہ بھی بعض آئمہ اجتہاد نے بعض علاقوں پر اپنا اثر ڈالا۔ جیسے امام اوزاعی رحمہ اللہ، ابن جریر طبری رحمہ اللہ، ابن خزیمہ، داؤد، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان بزرگوں کے فہم اور طریقِ فکر کو بھی حدیث فہمی میں ضروری قرار دیا گیا۔ ابتداء میں یہ خیال تھا کہ ان حضرات کے افکار کا تتبع ذہن کو لغزش سے بچا سکے گا۔ لیکن نتیجہ یہ ہوا کہ یہ فکر مندی خود ایک لغزش بن گئی اور سنگ میل سنگ راہ ہو گیا۔''

ائمہ حدیث اور فقہا کے مباحث، احناف اور شوافع کے مناقشات، اسلام کی خدمت کی بجائے بعض مقامات پر اسلام کے لیے نقصان دہ ثابت ہوئے۔ قرآن وسنت کے نصوص باہم تقسیم ہو گئے۔

اپنی تاریخ پر نظر ڈالیے تو معلوم ہوگا۔ ہر دور کے اہل علم اس مرض کے علاج میں مصروف رہے۔ آوارگی سے بچتے تو جمود آ جاتا، جمود سے بچنے کی کوشش کرتے تو آوارگی کے خارستان میں دامن الجھ جاتا۔ ابن تیمیہ رحمہ اللہ، ابن قیم رحمہ اللہ، شاطبی رحمہ اللہ اور عبدالرحمٰن بن اسمٰعیل رحمہ اللہ وغیرہ کی تجدیدی مساعی اسی مدو جزر اور

اس کی طغیانیوں کے متعلق تھیں۔'' (تحریک آزادی فکر)

محدثین عقائد اعمال، فروع و اصول میں قرآن و سنت ہی کو حجت سمجھتے تھے۔ وہ قلبی طور پر مطمئن تھے کہ حق وہی ہے جو ان کو قرآن و سنت سے ملا ہے۔ اسے کسی دوسری کسوٹی پر نہیں پرکھا جا سکتا۔ بلکہ لوگوں کی کسوٹیاں اس پر آزمائی جانی چاہئیں اور حق بات یہ ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین کا یہی نظریہ تھا جس پر وہ سختی سے کار بند تھے۔ ائمہ میں امام شافعی رحمہ اللہ، امام مالک رحمہ اللہ، امام احمد رحمہ اللہ، امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ، سفیان بن عیینہ، شعبی، زہری، وکیع، یزید بن ہارون، عبدالرزاق، اسحاق بن راہویہ، عبدالملک بن ابی سفیان، عاصم الاحول، یحییٰ بن سعید انصاری وغیرہم (رحمہم اللہ) وہ شہرہ آفاق ہستیاں ہیں جنھوں نے براہ راست قرآن و حدیث کو حجت اور دلیل قطعی جانا۔ اور اس کی بے پناہ خدمات سرانجام دیں۔ ارباب سُنن، اصحاب صحاح ستہ اور جملہ دیگر محدّثین کا یہی طریقہ رہا کہ براہ راست قرآن و حدیث سے احکام و مسائل کا استنباط و استخراج کیا جائے۔[1] محدّثین رحمہم اللہ (اہل حدیث) اور فقہائے عراق (احناف) میں اتنا فرق تھا کہ وہ نصوص کی موجودگی میں قیاس کی ضرورت ہی نہیں سمجھتے تھے گو استنباط اور اجتہاد کے اصول، اس کے ظاہر الفاظ کے خلاف فیصلہ کا تقاضا کریں۔ فقہائے عراق رحمہم اللہ کا خیال ہے اصول نظر انداز نہیں ہوں گے اور قرآن و حدیث کی تاویل کی جائے گی۔ یہ تفصیل عنقریب اپنے مقام پر آئے گی۔

[1] مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو ''سیرت ائمہ''

باب: 6

اختلاف اور اُس کی وجوہات

- اختلاف اور اُس کی وجوہات
- ارباب تقلید و جمود

اختلاف اور اُس کی وجوہات

اختلاف فی نفسہ بُری چیز نہیں، فرقہ بندی اور ملی انتشار بری چیز ہے۔ اختلاف صحابہ رضی اللہ عنہم میں بھی تھا اور ائمہ میں بھی۔ لیکن وہ سوء ادبی کا شکار نہ ہوئے۔ انہوں نے اس اختلاف کو انتشار کا رنگ کبھی نہ دیا۔

بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے اختلاف رائے تھا۔ اور بعض کو فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے، بعض کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے تھا اور بعض کو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے۔ مگر اس اختلاف کے باوجود سب حضرات بدستور ان کے حلقۂ بگوش اور مداح رہے۔ اور اس اتحاد باہمی کا قابلِ ذکر سبب یہ تھا کہ ان کے اختلاف میں نفسانیت نہ تھی۔ سرتاپا اخلاص تھا۔ اللہ ان سے راضی ہو۔

جب حقیقت یہ ٹھہری کہ اختلاف ایک فطری اور قدرتی چیز ہے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر اس اختلاف کے اسباب و وجوہ کیا ہیں؟ ہم اس وقت موجود اختلافات پر روشنی ڈالنا نہیں چاہتے، ہم اس اختلاف اور اس کے وجوہ کو بیان کرنا چاہتے ہیں جو صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ کے دور میں تھا۔

"تاریخ الحدیث" میں اختلافِ صحابہ رضی اللہ عنہم کے درج ذیل وجوہ بیان کئے گئے ہیں:

1. حضور صلی اللہ علیہ وسلم عادات و مباحات میں ایک امر کے پابند نہ تھے۔ اس لیے جس نے جیسا دیکھا اسے گرہ باندھ لیا۔
2. بعض اعمال کو بخیالِ سہولت، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود کئی طرح کر کے دکھایا۔

3 احکام میں بمقتضائے مصلحت تغیر وتبدل ہوا۔ جس کو اس ترمیم کی اطلاع نہ ہوئی وہ بدستور حکم سابق پر قائم رہا۔

4 کسی معاملے کے متعلق ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ سنا مگر دوسرے نے نہیں سنا۔ اس لیے اس نے اجتہاد سے کام لیا۔

5 رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض افعال کو بعض اصحاب رضی اللہ عنہم نے عبادت پر محمول کیا، بعض نے اباحت پر۔ زمانہ حج میں نزول محصب کو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سنن حج میں شمار کرتے تھے جبکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما امر اتفاقی قرار دیتے تھے۔

6 رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی فعل کی صحابہ رضی اللہ عنہم نے اپنے ظن سے مختلف حیثیتیں قائم کر لیں۔ جیسے حجۃ الوداع کے متعلق بعض اصحاب کہتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم قارن تھے۔ بعض کہتے ہیں متمتع تھے اور بعض کہتے ہیں مفرد تھے۔

7 بعض اختلافات سہو ونسیان کی بنا پر ہوئے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا خیال ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رجب میں عمرہ ادا کیا۔ مگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اسے سہو و نسیان کا نتیجہ قرار دیتی ہیں۔

8 بعض اختلافات پوری روایت کو نہ سننے سے ہوئے۔

9 بعض اختلافات روایت کے پورے اجزاء محفوظ نہ رکھنے سے ہوئے۔

10 کسی حکم کی علت میں اختلاف ہوا، جیسا کہ جنازہ کو دیکھ کر کھڑا ہونا۔ کسی نے کہا: تعظیم میت کے لیے تھا۔ کسی نے کہا: تعظیم ملائکہ کے لیے تھا۔

11 رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دو متضاد احکام کی تطبیق دینے میں اختلاف ہوا۔

12 کسی حکم کا شان نزول نہ معلوم ہونے کی وجہ سے اختلاف ہوا۔

یہ تو وجوہ ہوئے اختلاف صحابہ رضی اللہ عنہم کے۔ اور جہاں تک تابعین رحمہم اللہ کے

اختلافات کا ذکر ہے تو ان میں بھی قریب قریب یہی وجوہ تھے۔ جس تابعی رحمہ اللہ نے جس صحابی رضی اللہ عنہ سے اکتسابِ علم کیا اس نے اپنے عمل و اجتہاد کا مدار اسی کے اقوال و افعال اور استنباط و استخراج پر رکھا۔ اور یہ ایک فطری امر ہے کیونکہ شاگرد اپنے استاد سے تاثر لیا ہی کرتا ہے۔ اور یہ سلسلہ ائمہ اور ان کے تلامذہ تک قریباً اسی طرح چلتا رہا۔

بعض دوست صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں تو خاموش رہتے ہیں لیکن تابعینِ عظام رحمہم اللہ اور ائمہ کرام رحمہم اللہ کے بارے میں ذہن صاف نہیں رکھتے اور کہتے ہیں کہ ملت اسلامیہ میں اختلاف و انتشار انھی کا پیدا کردہ ہے۔ مسلمانوں میں فرقہ بندی کی بنا انہوں نے ڈالی۔ افسوس کہ ہم ان کے خیال سے متفق نہیں۔ جب ہم حقائق وشواہد کا مطالعہ کرتے ہیں تو اس خیال کو سولہ آنے غلط اور سو فیصد باطل پاتے ہیں۔ ہم علیٰ وجہ البصیرت کہتے ہیں کہ حضرات تابعین رحمہم اللہ اور ائمہ رحمہم اللہ نے کسی تفرقے کی کوئی بنیاد نہیں ڈالی۔ کسی اختلاف کو کبھی ہوا نہیں دی۔ وہ لوگ توحید وسنت کے داعی، قرآن و حدیث کے خادم اور حق وصداقت کے مناد تھے۔ ان کی پوری زندگی قومی وملی خدمت میں صرف ہوئی۔ یہ تفرقے، یہ گروہ اور یہ جتھے ان کے بعد وجود میں آئے۔ ہمارے لیے یہ کہنا بہت ہی مشکل ہے کہ امام جعفر صادق رحمہ اللہ نے شیعہ، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے حنفی، امام مالک رحمہ اللہ نے مالکی، امام شافعی نے شوافع اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے حنبلی فرقے کی بنیاد رکھی۔ ہم ان اکابرین کو فرقوں کا موجد نہیں مانتے۔ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ وہ لوگ قرآن و حدیث کے والہ وشیدا تھے۔ صحیح اہل سنت اہل حدیث تھے۔ فرقوں اور گروہوں کی داغ بیل ڈالنے والے اسلاف نہیں تھے اخلاف ہیں۔ آئمہ نہیں تھے، ان کے جامد

مقلدین ہیں جنہوں نے ایک اسلام کا بٹوارہ کردیا۔ ایک دین کے ٹکڑے ٹکڑے کردیئے اور ستم یہ کہ ایک نبی ﷺ کی حدیثِ مبارکہ کو بانٹ دیا اور کہا کہ یہ احادیث احناف کی نہیں شوافع کی ہیں۔ احناف کو ان سے کوئی سروکار نہیں۔ اور یہ موالک کی نہیں حنابلہ کی ہیں۔ موالک کا ان سے کوئی تعلق نہیں۔ اس عنوان کی کچھ تفصیل ہم کتاب ہذا کے حصہ دوم میں بیان کریں گے۔ یہاں ہم صرف یہ بتانا چاہتے ہیں کہ گرامی منزلت تابعین عظام رحمہم اللہ وائمہ کرام رحمہم اللہ فرقہ بندی سے الگ اور مسلکی تعصب سے بالا تھے۔ یہ کام ان کے متعصب پیروکاروں اور جامد مقلدوں کا ہے کہ جنہوں نے ایک دین میں اپنے اپنے مذاہب کے دائرے کھینچ لیے۔ جنہوں نے اپنے اپنے تقلیدی دائروں سے باہر نکلنے کو بے دینی سے تعبیر کیا۔ اور اپنا قیمتی وقت اپنے اپنے مذاہب کی بالادستی قائم کرنے اور اس مقصد کے لیے اصول تراشنے میں صرف کردیا اور اس کے برعکس تحقیق واجتہاد پر پہرے لگا دیئے اور اس کے دروازے کو بابِ نبوت کی طرح بند کردیا۔ انا للہ۔

ارباب تقلید و جمود

اکابرین کی پیروی بری بات نہیں بشرطیکہ مقصود بالذات اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت ہو۔ مگر یہاں معاملہ کچھ برعکس ہے۔ کہ مطاع (جس کی اطاعت فرض کی گئی ہو) اکابرینِ امت کو قرار دے دیا گیا اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو ثانوی حیثیت دے دی گئی۔ امت محمدیہ میں سے کچھ بزرگوں کو تقلید کے لیے متعین کر لیا گیا۔ ہمارا موضوعِ سخن برادران اہل سنت ہیں۔ ہم بڑے ادب سے گزارش کرتے ہیں کہ شیعہ احباب نے اگر بارہ امام منتخب کر لیے تو جناب نے بھی تو چار امام متعین کر رکھے ہیں۔ اور پھر حق کو انہیں میں حصر (بند) کر دیا ہے بلکہ اگر غور کیا جائے تو آپ ان سے بھی آگے ہیں۔ پاک و ہند کی بات لیجئے یہاں سیدنا و مولانا حضرت المحترم امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی طرف منسوب زیادہ لوگ ہیں۔ جن کی دو شاخیں ہو گئیں: دیو بندی حنفی اور بریلوی حنفی۔ اور دونوں ایک دوسرے پر کفر کے فتوے عائد کرتے ہیں۔ آگے چل کر ان دوستوں کے مزید گروپ ہو جاتے ہیں۔ کوئی قاسمی ہے تو کوئی اشرفی، کوئی قادری تو کوئی سہروردی، کوئی راشدی ہے تو کوئی نقشبندی۔ علیٰ ھذا القیاس.

ذرا غور فرمائیے۔ عقاید میں الگ امام، سلوک و تصوف میں جدا امام۔ ہم نے زیادہ کرید نہیں کی۔ ورنہ ایک حنفی فرقے کے اس کثرت سے امام سامنے آئیں گے کہ عقل حیران رہ جائے۔

جب آدمی سیدھی راہ سے ہٹ جاتا ہے تو بھول بھلیوں میں الجھ کر رہا جاتا ہے۔ کچھ یہی حال اربابِ تقلید کا ہے۔

حق قرآن ہے یا حدیث۔ اور حدیث بھی وہ جو صحیح ہو، من گھڑت اور موضوع نہ ہو۔ اربابِ تقلید نے خود مذاہب ایجاد کیے اور پھر انہیں حق قرار دیا۔ اور جو مسلمان مذاہب اربعہ یعنی حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی سے خارج ہوا وہ گویا اسلام سے خارج ہوگیا۔ اور اس بیچارے کے لیے بدنام اصطلاحات استعمال کرنا شروع کردیں۔

اگر یہ مفروضہ مان ہی لیا جائے کہ چاروں مذاہب برحق ہیں تو پھر ایک حنفی شافعی کے اقتداء سے کیوں بھاگتا ہے؟ شافعی حنفی سے کیوں گریز پا ہوتا ہے؟ گریز پا ہونا دوسری بات ہے یہاں معاملہ دست و گریباں تک پہنچا ہوا ہے، ایک دوسرے کے مسائل کی تردید ہورہی ہے۔ آج دیوبند اور بریلی وغیرہ مدارس اسی مشغلہ میں لگے ہوئے ہیں۔ اپنے اپنے امام کو ''امت کا چراغ'' ''ملت کا مجدد'' امت کا حکیم اور اس کے برعکس دوسرے گروہ کے پیشوا کو ''جاہل'' ''گمراہ'' اور ''غبی'' کہا جارہا ہے۔ كُلُّ حِزْبٍ بِمَالَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ.

ہمارا نظریہ ہے کہ وہ چاروں امام کہ جن کے نام پر اہل سنت کے فرقے بنے ہوئے ہیں ہر قسم کی فرقہ بندی سے بیزار تھے۔ انہوں نے کسی فرقے کی کوئی بنیاد نہیں رکھی تھی، وہ خود بھی قرآن وحدیث کے پیروکار تھے اور دوسروں کو بھی قرآن و حدیث کی دعوت دیتے رہے۔

چاروں آئمہ کے دور میں تقلید جامد نہ تھی۔ یہ جمود اور یہ تقلید شخصی بعد کی پیداوار ہے۔ اور یہ فقہ جس پر ناز کیا جارہا ہے ان بزرگوں کی فقہ نہیں بلکہ طرح طرح کے لوگ تھے کہ جن کے اقوال کا یہ مجموعہ ہے۔ کہاں قرآن وحدیث اور کہاں موجودہ

فقہ؟ دونوں میں بہت فرق ہے۔ پورے دفترِ فقہ میں شاید ہی کوئی ایسا قول ہو جس کی سند سیّدی و مرشدی حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تک پہنچتی ہو۔ رنگ رنگ کے لوگوں نے قال ابوحنیفہ رحمہ اللہ کہہ کر آگے اپنی بات کا پیوند لگا دیا ہے۔ فقہ میں بڑی پست اور خام باتیں بھی ہیں جو حضرت امام عالی مقام رحمہ اللہ کی طرف منسوب ہیں حالانکہ وہ ان باتوں سے مبرا تھے۔

ایک بات ہماری سمجھ سے بالا ہے کہ کتب اصولِ فقہ میں تو یوں لکھا ہوا ملتا ہے:

«فَاعْلَمْ أَنَّ أُصُوْلَ الْفِقْهِ اَرْبَعَةٌ: كِتَابُ اللّٰهِ وَ سُنَّةُ رَسُوْلِهٖ وَإِجْمَاعُ الْأُمَّةِ وَالْقِيَاسُ»

''احکام و مسائل کے استنباط و تخریج کے لیے پہلا مصدر قرآن ہے دوسرا سنت، تیسرا اجماع اور چوتھا قیاس ہے۔''

لیکن تقلید کی دنیا میں ہم دیکھتے ہیں کہ پہلا مصدر قیاس ہے، دوسرا اجماع تیسرا سنت اور سب سے آخری اور چوتھا قرآن کا ہے۔ آخر ایسے کیوں؟ حالانکہ قرآن اور حدیث کو فراخ دلی سے اولیت دینی چاہیے اور یہی ایک مسلمان کا شیوہ ہے۔

گزشتہ سطور میں آپ نے تقلید اور فقہ کی کچھ حقیقت ملاحظہ فرمائی ہے اب تھوڑی سی اجماع کی حقیقت بھی ملاحظہ کر لیجیے۔

اجماع کیا ہے؟ اصل میں اجماع وہ ہے جس پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یا پھر محدثین و ائمہ دین رحمہم اللہ متفق ہوں، مثلاً قرآن کی صداقت پر، حدیث کی حجیت پر، ارکان اسلام پر، اسی طرح نمازوں کی تعداد اور رکعات وغیرہ پر۔ مگر ہمارے ہاں اجماع سے مراد کسی اختلافی مسئلہ میں خاص طبقہ کے مولوی صاحبان کا اکٹھا اور متفق الرائے ہونا ہے۔ ایک حنابلہ کا اجماع ہے، ایک مالکیہ کا، ایک شوافع کا اجماع ہے اور ایک حنفیہ کا، یہ چاروں

اجماع اہل سنت کے ہیں۔ آگے چلیے ایک اہل سنت دیو بند کا اجماع ہے اور ایک اہل سنت بریلی کا اجماع ہے۔ آپ نے سنا ہوگا ''بیس تراویح پر اجماع ہے۔''

''نماز میں زیر ناف ہاتھ باندھنے پر اجماع ہے۔''

''ایک مجلس میں دی ہوئی تین طلاق کے تین ہونے پر اجماع ہے۔''

پتہ نہیں کہیں آئندہ گیارہویں، چہلم، عرس، قوالی اور قبروں کی پرستش پر اجماع کا دعویٰ نہ ہو جائے۔

ہم سمجھتے ہیں کہ یہ براہ راست قرآن وحدیث پر عمل کرنے سے روکنے کے ہتھکنڈے ہیں۔ ایک بات قرآن وحدیث میں واضح طور پر موجود ہے اور ایک مسلمان اس پر عمل کرنا چاہتا ہے لیکن آپ اس پر علمی رعب ڈالتے ہیں کہ یوں نہ کرو یہ اجماع کے خلاف ہے۔ خود ہی انصاف سے کہیے کیا یہ انداز قرآن وحدیث کی پیروی ہے؟ فَاَنّٰی تُؤْفَكُوْنَ؟

چوتھا مصدر قیاس ہے، جس کی افادیت مسلم ہے۔ مگر حال وہاں بھی یہی ہے کہ قرآن وحدیث کے واضح اور روشن دلائل کے ہوتے ہوئے قیاسی گھوڑے دوڑائے جاتے ہیں اور بمقابلہ قیاس، آیات نہ سہی، معتبر احادیث کو ٹھکرا دیا جاتا ہے۔ کہاں ایک مولوی، مفتی یا فقیہ کا قیاس اور کہاں رسولِ برحق ﷺ کا مبارک ارشاد ؎

چہ نسبت خاک را باعالم پاک

مثلاً حدیث صحیح میں آمین بالجہر کا ثبوت ملتا ہے۔ دوستوں نے کہا آمین بھی ایک دعا ہے اور دعا آہستہ کہنی چاہیے، قیاس یہی کہتا ہے۔ لہٰذا آمین بالجہر نہ کہی جائے۔ حالانکہ ائمہ کا نظریہ یہ ہے کہ ضعیف روایت قیاس سے افضل ہے۔[1]

[1] فتح المغيث 20/1.

لیکن یہاں صحیح حدیث کو قیاس کے مقابلے میں چھوڑ دیا گیا ہے۔ آمین بالجہر کی مثال ہم نے بات سمجھانے کے لیے دی ہے وگرنہ اس طرح کی بے شمار امثلہ ہیں۔ آج کل قیاس کو بطور مشغلہ اختیار کیا جاتا ہے۔ حالانکہ اس کو اس وقت کام میں لانا چاہیے جب قرآن و حدیث اور اجماع سے کوئی نظیر نہ ملے۔ امام صالح (المتوفی 1218ھ) قیاس کا ذکر کرتے ہوئے کیا خوب فرماتے ہیں:

هٰذا هو الواجب علٰى كل مسلم الاجتهاد انما يباح عند الضرورة.

﴿فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ [1]

وكذٰلك القياس انما يصار اليه عند الضرورة قال الإمام أحمد سألت الشافعي عن القياس فقال عند الضرورة.....وقال ايضاً عن الشعبى الرأىُ بمنزلة الميتة اذا اضطررت اليها اكلتها. [2]

مطلب یہ کہ اجتہاد و قیاس سے محض اس وقت کام لیا جائے جب حالت لاچاری اور سخت مجبوری کی سی ہوجائے۔ جیسے مردار کھانے کی اس وقت اجازت ہے جب حالت اضطراری ہوجائے۔

حاصل کلام یہ کہ تقلید جامد نے تحقیق پر پہرے بٹھا دیئے۔ باب اجتہاد بند کر دیا۔ امت محمدیہ کے حصے بخرے کر دیئے۔ مسلمانوں کو جزم و یقین کی پٹڑی سے اتار کر شکوک واوہام کی لائن پر چڑھا دیا۔ امت مسلمہ کے دلوں میں نفرت کے بیج بوئے۔ پاکباز ائمہ کو داغ دار کرنے کی کوشش کی۔ اجماع اور قیاس وغیرہ نے اصطلاحات کی آڑ میں براہ راست قرآن و حدیث پر عمل کرنے سے روکا۔ اسی

---

[1] البقرة:173. [2] ايقاظ همم اولى الابصار.

لیے کہا جاتا ہے کہ تقلید جامد نہایت ضرر رساں اور مہلک چیز ہے، تقلید جامد کو حرز جان بنانا ایمان کے لیے سخت نقصان دہ ہے۔

فَاهْرُبْ عَنِ التَّقْلِيْدِ فَاِنَّهٗ ضَلَالَةٌ

اِنَّ الْمُقَلِّدَ فِيْ سَبِيْلِ الْهَالِكِ

صحیح حدیث میں ہے کہ ایک مرتبہ حضور ﷺ نے ایک سیدھی لکیر کھینچی۔ پھر دو لکیریں اس کے دائیں اور دو اس کے بائیں کھینچیں بعد ازاں فرمایا: ''یہ سیدھی لکیر میرا راستہ ہے اور دائیں بائیں شیطانی راستے ہیں۔''[1]

ایک دوسری حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے سیدھی لکیر کے دائیں بائیں بہت سی لکیریں کھینچ کر وہی ارشاد فرمایا جس کا اوپر ذکر ہوا۔[2]

ہم ارباب تقلید جامد کی خدمت میں بڑے ادب سے یہ گذارش کرتے ہیں کہ ٹیڑھی اور اندھیری راہ سے ہٹ کر صاف اور سیدھی لائن پر گامزن ہوں۔

سنتِ رسول ﷺ پہ سالک چلا جا بے دھڑک
جنت الفردوس کو جاتی ہے سیدھی یہ سڑک

سب کتابوں سے بہتر کتاب قرآن ہے اور سب راہوں سے بہتر راہ سنت خیر الانام ﷺ ہے۔ اللہ تعالیٰ سمجھنے کی توفیق دے۔ آمین۔

پچھلے صفحات پر ہم نے اہل حدیث اور ارباب تقلید کا ذکر کیا ہے۔ اب منکرین حدیث کی کچھ خبر لیتے ہیں۔

---

① ابن ماجه، كتاب السنة، باب اتباع سنة رسول اللهﷺ، رقم: 11، حديث حسن بشواهده بدون ذكر: خَطَّيْنِ. ② أحمد 465/1 حسن.

فتنہ انکارِ حدیث

- فتنہ انکارِ حدیث
- منکرین حدیث کے طبقات
- محدّثین رحمہم اللہ کے کارنامے
- مولانا مودودی رحمہ اللہ کا نظریۂ حدیث
- حدیث کی ضرورت واہمیت

فتنہ انکارِ حدیث

حدیث نبوی کی حجیّت، اہمیت اور قرآن فہمی میں اس کی ضرورت کا انکار کرنے والوں کو منکرین حدیث کہا جاتا ہے۔ یہ لوگ اگرچہ حدیث کے منکر ہیں لیکن اس لقب سے کچھ چڑتے ہیں۔ اسے غالبًا اپنی شان سے فروتر سمجھتے ہیں۔ بعض اپنے آپ کو اہل قرآن کہتے ہیں۔ چونکہ یہ نظری وفکری اعتبار سے اہلحدیث کی ضد ہیں، اس لیے انہوں نے یہ لقب پسند کیا۔ منکرین حدیث کے ایک طبقے نے کہا کہ ''اہل قرآن'' کہلانا اچھا نہیں، اس سے فرقہ بندی کی بُو آتی ہے، بس ہم ''مسلمان'' ہیں (حدیث کے منکر مسلمان)۔ ہمارے ہاں انہیں چکڑالوی اور پرویزی بھی کہا جاتا ہے۔ یعنی مولوی عبداللہ چکڑ الوی اور مسٹر غلام احمد پرویز کے پیروکار یا ہم خیال لوگ۔ ان دو کے علاوہ ''متقدمین و متأخرین'' میں کچھ اور بھی نامی گرامی ہستیاں ہیں جنہوں نے اسلام کی ''ناقابل فراموش خدمات'' سرانجام دیں۔ جن کے نام اہل اسلام کو ہمیشہ یاد رہیں گے۔ کچھ نام یہ ہیں:

سرسید احمد خاں، مولوی چراغ علی، نیاز فتح پوری مصنف ''من دیزداں'' حشمت علی، مستری محمد رمضان، مولوی احمد دین امرتسری، اسلم جیراجپوری، سید رفیع الدین وغیرہ۔

کچھ ان اکابرین کے جانشین بھی ہیں۔ کتاب کی ضخامت کا خدشہ ہے ورنہ ہم ان کا مفصل ذکر کرتے۔

ان جملہ منکرین کو حدیث پر ایک بڑا گلہ یہ ہے کہ اس کو اپنانے سے نظری و فکری اتحاد کو دھچکا لگتا ہے اور مسلمان گروہ بندی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ لیکن جب ہم ان مدعیانِ اتحاد کا اپنا حال دیکھتے ہیں تو ان کا حال قابلِ رحم نظر آتا ہے۔ ان میں خاصا اختلاف دیکھتے ہیں۔ چھوٹے مسائل میں بھی اور بڑے مسائل میں بھی بڑا تفاوت، بڑا اختلاف اور بڑا تضاد نظر آتا ہے، مثال کے طور پر نماز ہی کو لے لیجیے:

مولوی عبداللہ صاحب چکڑالوی لکھتے ہیں: پانچ نمازیں دن رات میں فرض ہیں...... اور یہی قرآن سے ثابت ہیں۔ (رسالہ نماز)

مولوی حشمت علی صاحب لکھتے ہیں: ''پنجگانہ اوقات نماز قرآن مجید میں مفصل مذکور ہیں۔ تین یا چار پڑھنے والا مسیلمہ کذاب، مفتری علی اللہ، منحرف قرآن اور جہنمی ہے۔ (صلوٰۃ القرآن کما علم الرحمٰن)

مولوی محمد رمضان صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ تین وقت ہی نماز کے ثابت و بین ہیں۔ صلوٰۃ فجر، عصر، مغرب، غیر اللہ کی ہوائے نفس، من گھڑت اور خانہ ساز ہیں۔'' (صلوٰۃ القرآن کما علم اللہ الرحمٰن)

مولوی رفیع الدین صاحب رقمطراز ہیں کہ روزانہ نماز کے اوقات قرآن میں نہ پانچ ہیں نہ تین، بلکہ متوسطانہ چار ہیں۔ ان میں کمی بیشی کرنے والا ﴿اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوَاتِ﴾[1] کا مصداق ہے۔'' (الصلوٰۃ للرحمن جآءَ فی القرآن)

قارئین کرام! دیکھا آپ نے ان حضرات کا کس قدر باہمی اختلاف ہے کہ نماز جیسے اہم اور بنیادی مسئلہ پر ہی اتفاق نہیں، پھر نماز کی رکعات میں

[1] نمازوں کو ضائع کرنے والے اور خواہشات کی پیروی کرنے والے۔

اختلاف، تکبیر اولیٰ میں اختلاف، اذکار نماز میں اختلاف، غرض قدم قدم پر اختلاف ہی اختلاف ہے۔ موجودہ دور کے اس کیمپ کے ماہنامہ ''البلاغ'' اور ''طلوع اسلام'' کا بھی یہی حال ہے۔ دونوں قرآن مجید کی خود ہی تفسیریں کر رہے ہیں اور شاید ہی کوئی جگہ ہو جہاں دونوں کی تفسیریں متفق ہو جائیں، ورنہ ایک صاحب کچھ الاپ رہے ہیں تو دوسرے صاحب کچھ گا رہے ہیں۔ حدیث نبوی کے قریب جاتے نہیں کہ یہ تو اختلاف پیدا کرتی ہے۔ نعوذ باللّٰہ من ذٰلِكَ.

منکرین حدیث کے طبقات

ہمارے خیال میں منکرین حدیث کے بھی کچھ طبقات ہیں۔ جو معلوم ہونے چاہئیں۔

طبقہ اُولیٰ

حدیث تو رہی ایک طرف یہ قرآن ہی کا منکر ہے جیسے نیاز فتح پوری ہے۔ یہ صاحب لکھتے ہیں: ''اگر قرآن کے الفاظ کو کلام الٰہی کہا جائے گا تو ساری عربی زبان کلام خداوندی قرار پائے گی۔'' حالانکہ اس سے زیادہ مضحکہ خیز بات کوئی نہیں۔ (من ویزدان)

طبقہ ثانیہ

یہ نیچر کے خلاف احادیث کا منکر ہے اور قرآن مجید کی تفسیر و ترجمہ نہایت غلط انداز میں پیش کرتا ہے۔ جیسے سر سید احمد خاں اور غلام احمد پرویز وغیرہ۔ سرسید نے قرآن مجید میں جنات سے وحشی اقوام مراد لی ہیں۔ اور سورہ فیل میں جس لشکر کا کنکریوں سے ہلاکت کا ذکر ہے اس سے چیچک کی وبا تفسیر کرتے ہیں۔ معراج اور شق قمر وغیرہ جملہ معجزات کا صاف انکار کرتے ہیں۔ ملاحظہ ہوں خطبات احمدیہ۔ پرویز صاحب کی پرواز اس سے بھی اونچی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ، صحابہ کبار رضی اللہ عنہم یا ائمہ فقہ رحمہم اللہ کسی کے مقلد (یعنی پیروکار)

نہیں تھے۔ وہ مسائل زندگی کا حل خود سوچتے تھے۔ آپ بھی مسائل زندگی کا حل خود کیجیے۔ (تاریخ اسباب زوالِ امت) حالانکہ ایک عامی طالب علم بھی جانتا ہے کہ حضور ﷺ خدا کے مطیع تھے اور صحابہ رضی اللہ عنہم حضور ﷺ کے متبع۔

محمد علی صاحب کے ''البلاغ'' کا حال بھی کچھ ایسا ہی ہے۔ ان کی تحریر چیستاں اور گورکھ دھندے سے کم نہیں۔

طبقہ ثالثہ

یہ کہتا ہے کہ ہم ان احادیث کو مانتے ہیں جو قرآن مجید کے خلاف نہ ہوں۔ مولوی احمد دین امرتسری اور ان کے اتباع کا قریباً یہی نظریہ ہے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ کوئی صحیح حدیث قرآن کے خلاف نہیں ہے، یہ صرف فہم کا قصور ہے۔ بھلا پیغمبر اسلام قرآن کے خلاف ارشاد فرما سکتے ہیں؟ کبھی نہیں، ان حضرات کو فن حدیث کے ماہرین سے رابطہ قائم کرنا چاہیے۔

طبقہ رابعہ

یہ سمجھتا ہے کہ حدیث محض تاریخی حیثیت رکھتی ہے اور بس۔

اسلم جیرا جپوری کا قریباً یہی خیال ہے۔ بھلا کہاں حدیث اور کہاں تاریخ؟ حدیث میں رواۃ پر بحث ہوتی ہے۔ فن اسماء الرجال کو کام میں لایا جاتا ہے۔ پوری سند دیکھی جاتی ہے، تاریخ بیچاری میں یہ باتیں کہاں؟ پھر حدیث مجموعہ ہے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اقوال اور افعال مبارکہ کا، جبکہ تاریخ میں محض واقعات گزشتہ کا بیان ہوتا ہے۔ تاریخ حدیث کے ہم پلہ کیسے ہوسکتی ہے؟

طبقہ خامسہ

یہ کہتا ہے کہ بیشک صحیح حدیثیں بھی ہوں گی مگر غلط روایات میں وہ خلط ملط ہوچکی ہیں۔ اب صحیح کو غلط سے کیونکر جدا کیا جاسکتا ہے؟ لیکن انہیں اطمینان رکھنا چاہیے کہ حضرات محدثین کرام ﷭ نے برسوں پہلے جان سوزی اور کاوش کر کے ان کی یہ مشکل آسان کردی ہے۔

ہمارا ناقص خیال یہ ہے کہ مندرجہ بالا منکرین حدیث نئی تہذیب سے مرعوب اور غیر مسلم معترضین کے جواب سے عاجز ہیں۔ یہ انہیں اپنا ہمنوا بنانے کی فکر میں خود ان کے ہمنوا بن گئے ہیں۔ یہ مسلمانوں کو اپٹوڈیٹ اور اسلام کو ماڈرن بنانا چاہتے ہیں۔ مولانا مودودی بھی کئی مقامات پر سلف سے کٹ گئے۔

طبقہ سادسہ

چونکہ عیش پرست اور آرام پسند طبقہ اسلام کی پابندیوں سے بیزار اور اسلام کے داعیوں سے متنفر رہا ہے اس لیے اسے منکرین حدیث کی باتیں جلد اپیل کرتی ہیں۔

کچھ سیدھے سادھے مسلمان، مولویوں کی سر پھٹول اور باہم جھگڑوں، رگڑوں سے ایسے بھاگے کہ فتنہ انکار حدیث کے پرچم تلے جا جمع ہوئے، چنانچہ ہمارے بہت سے بھائی یوں ہی گمراہ ہورہے ہیں۔

بعض نو آموز تحقیق حق کرتے کرتے ان کے جال میں پھنس جاتے ہیں ایسے بھائیوں کو جلدی نہیں کرنی چاہیے بلکہ اپنے دینی مطالعہ کو محنت اور دیانت کے ساتھ وسعت دینی چاہیے۔

قادیانیت

جب کبھی گمراہ فرقوں کا ذکر آتا ہے تو قادیانی حضرات کا نام سرفہرست آتا ہے۔ اس سے بڑی گمراہی اور کون سی ہوسکتی ہے کہ قصرِ ختم نبوت میں شگاف ڈالا جائے؟ حالانکہ حضور ﷺ آخری نبی ہیں اور اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو خاتم النبیین بنایا۔ قرآن وحدیث اس پر شاہد ہے۔

نبی علیہ السلام بچپن ہی سے ذہین وفطین اور حسین وجمیل ہوتے ہیں۔ مگر مرزا غلام احمد کا حال اس کے کچھ برعکس ہی تھا۔ وہ (علیہ ما استحق) شروع سے ہی غبی اور نالائق تھا۔ امتحانات میں فیل ہوجاتا تھا۔ صحت بھی اچھی نہ تھی، عصبی کمزوری مراق اور ہسٹریا کا مرض تھا۔ پاگلوں کی سی باتیں کرتا رہتا تھا۔ کبھی کہتا: میں مجتہد ہوں، کبھی کہتا: میں مجدد ہوں، کبھی نبی بنتا، کبھی مہدی اور کبھی مسیح موعود۔ اس کا تعلق بجائے اللہ کے انگریزوں سے تھا۔ یہی وجہ ہے جو مرزا صاحب کو انگریزی میں بھی وحی آتی تھی جس کی بنیاد پر اس نے متعدد قرآنی احکام کو منسوخ کردیا، جہاد کو حرام کہا، اور جو بھی مسلمان اس کی نبوت کا انکار کرتا اسے بے نقطہ سناتا اور مغلظات بکتا اور ''حسن و جمال'' ایسا کہ بچے دیکھ لیں تو ماں سے چمٹنے لگیں، بڑے دیکھ لیں تو دفع دور کرنے لگیں۔

اس سیرت وصورت کے شخص کو نبی کہنا تو درکنار صحیح انسان کہنا بھی مشکل ہے۔

حیرت ہے ان جوہر شناس احباب پر جنہوں نے آپ کو مجدّد اور نبی مان لیا۔

مسلمانوں نے اس جھوٹی نبوت کا پردہ چاک کیا۔ مرزا کے دجل وفریب کو طشت ازبام کیا۔ مناظرے اور مباہلے کیے اور جھوٹی نبوت کی ہنڈیا کو چوراہے میں پھوڑ دیا۔ اور دنیائے اسلام پر یہ ثابت کردیا کہ قادیانی نبی علیہ السلام کی احادیث اور

قرآن مجید دونوں کے منکر ہیں۔[1]

یہ ہمارا موضوع نہیں ورنہ ہم اس پر سیر حاصل بحث کرتے۔ دعا ہے:

خدا محفوظ رکھے ہر بلا سے
خصوصاً آج کل کے انبیاء سے

قادیانیوں کی گمراہی کی سب سے بڑی وجہ بلاشبہ امت محمدیہ کے متفق علیہ مسئلہ ختم نبوت کا انکار ہے۔ مگر ان کی گمراہی کے اور اسباب و وجوہ بھی ہیں۔ مثلاً قرآن مجید کی تحریف اور احادیث نبویہ کا انکار۔ یہ ہر اس حدیث کو نہیں مانتے جو ان کے مذہب کے خلاف ہو۔ اس اعتبار سے ان کا شمار منکرین حدیث میں بھی ہوتا ہے۔ اپنے مذہب کے مطابق احادیث کو ماننا اور اپنے مذہب کے خلاف احادیث کو نہ ماننا۔ خواہ وہ حدیث معتبر اور صحیح ہی کیوں نہ ہوں، یہ احادیث کو ماننا تو نہ ہوا، کیونکہ جنھیں مانا انہیں بھی ایک مقصد اور غرض کے تحت مانا۔ یقیناً یہ بھی انکار حدیث ہے۔

منکرین حدیث کے شگوفے

منکرین حدیث خواہ اپنے کیا نام رکھیں، کتنے خوبصورت دعوے کریں ان کی قدر مشترک انکار حدیث ہے۔ آدمی جب سیدھی راہ سے ہٹ جاتا ہے تو پھر وہ مادر پدر آزاد ہو جاتا ہے۔ جو جی چاہتا ہے بولتا ہے۔ یہی حال منکرین حدیث کا ہے۔ ہم بطور نمونہ ان کے ایک دو شگوفوں کا ذکر کرتے ہیں تاکہ قارئین کرام کو اس گروہ کے افکار و خیالات اور جذبات و تاثرات کا کچھ اندازہ ہو۔

مولوی عبداللہ چکڑالوی لکھتا ہے:

---

[1] اس طرح کی تفصیل مطلوب ہو تو ہماری کتاب ''ختم نبوت'' نیز ماہنامہ ضیائے حدیث کا ختم نبوت نمبر بنام ''قندیل'' کا مطالعہ فرمائیے۔

"کتاب اللہ کے مقابلہ میں انبیاء اور رسولوں کے اقوال و افعال یعنی احادیث قولی و فعلی و تقریری پیش کرنے کا مرض ایک قدیم مرض ہے۔ محمد رسول اللہ ﷺ کے مقابل ومخاطب بھی قطعی اور یقینی طور پر اہل حدیث ہی تھے۔"[1]

حافظ اسلم جیراجپوری لکھتے ہیں:

"نہ حدیث پر ہمارا ایمان ہے نہ اس پر ایمان لانے کا ہم کو حکم دیا گیا ہے۔ نہ حدیث کے راوی پر ہمارا ایمان ہے نہ اس پر ایمان لانے کا ہم کو حکم دیا گیا ہے۔ پھر یہ کس قدر عجیب بات ہے کہ ایسی غیر ایمانی اور غیر یقینی چیز کو ہم قرآن کی طرح دینی حجت مانیں۔"[2]

منکرین حدیث کے دو سرخیل بزرگوں کے حوالے دیئے گئے ہیں۔ ورنہ "ہمہ خانہ آفتاب است۔" ہمارا خیال ہے کہ ان مذکورہ اقتباسات پر کسی تبصرے کی گنجائش نہیں ہے۔ اور ان عبارات کے بعد ان فریب خوردہ یا فریب دہندہ دوستوں کے دعوے کی کیا گنجائش باقی رہ جاتی ہے کہ ہم تمام احادیث کا انکار نہیں کرتے صرف ان احادیث کا انکار کرتے ہیں جو قرآن اور عقل کے خلاف ہیں۔ لوگوں نے خواہ مخواہ ہمیں منکرین حدیث مشہور کر رکھا ہے۔ مگر دیکھ لیجئے مذکورہ عبارات میں تمام احادیث کا برملا انکار کیا گیا ہے ان میں سے کسی حدیث کو مستثنیٰ نہیں کیا گیا۔

① بلفظہ ترجمۃ القرآن بآیات القرآن 97، تحت قولہ تعالیٰ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ.
② بلفظہ مقامِ حدیث 169/1.

محدّثین رحمہم اللہ کے کارنامے

محدثین کرام رحمہم اللہ کے کارنامے تاریخِ اسلام میں ہمیشہ روشن رہیں گے انہوں نے حدیث کی خاطر جو قربانیاں دیں انہیں کبھی فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ انہیں بڑی بڑی چٹانوں سے ٹکرانا پڑا۔ وہ حق کی خاطر تنگ و تاریک کوٹھریوں میں گئے۔ سخت سے سخت سزائیں برداشت کیں۔ انہوں نے اگر ایک طرف ارباب اقتدار کا بڑی جرأت واستقامت سے مقابلہ کیا تو دوسری طرف آزاد منش علماء، فلاسفہ اور منطقیین سے ٹکر لی، ان کے گمراہ کن جال کو تار تار کیا اور قرآن وسنت کو کسی صورت غبار آلود اور مکدر نہ ہونے دیا۔ الحاد و زندقہ کے بادل گرجے، کفر و شرک کی آندھیاں چلیں، بدعت اور ہوا پرستی کے سیلاب آئے۔ مگر محدثین نے قرآن وسنت کا ضیا پاش چراغ بجھنے نہ دیا اور مسلک حق پر کوئی گرد نہ پڑنے دی۔ اس سلسلے میں کس کس بزرگ کا نام اور کوشش و کاوش کا ذکر کیا جائے ہزاروں ائمہ رحمہم اللہ ہیں جنہوں نے ان تاریکیوں میں روشنی کے مینار کا سا کام کیا اور خدمت دین کا حق ادا کر دیا۔

اصحاب حدیث کی ہندوستان میں آمد

تاریخ شاہد ہے کہ ہندوستان میں فاتحین اسلام دو راستوں سے آئے۔ سندھ کی راہ سے اور ایران کی راہ سے۔ پہلا لشکر محمد بن قاسم رحمہ اللہ کی قیادت میں پہلی صدی کے اواخر میں پہنچا۔ یہ حملے 92 ھ سے 95 ھ تک جاری رہے۔ ملتان سے قنوج تک ان کی فوجیں پہنچیں۔ اس وقت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے سوا باقی ائمہ پیدا

بھی نہیں ہوئے تھے اور حضرت ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے لیے یہ دور بچپن کا تھا۔ آپ 80 ھ میں عالم شہود میں آئے جبکہ آپ کی عمر اس وقت 15 برس سے زائد نہ تھی۔ جہاں تک ہمیں علم ہے حضرت امام صاحب رحمہ اللہ نے 20 سال کی عمر میں علمی شغل شروع فرمایا، لہٰذا اس دور میں حنفیت کے رواج کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

ظاہر ہے یہ لشکر اہل حدیث اور موجودہ تفریق مذہبی سے بالکل نا آشنا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں میں اس وقت تعصب کلیۃً ناپید تھا۔

دوسرا حملہ ایران کی راہ سے ہوا۔ یہ چوتھی صدی ہجری کی بات ہے یہ حملہ محمود غزنوی رحمہ اللہ نے کیا۔ اس وقت مذاہب اربعہ کا رواج کسی قدر ہو چکا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ہندوستان میں حنفیت پورے زور سے پہنچی اور اس وقت تک ملک میں احناف کی کثرت ہے۔

ہندوستان پر عرب مسلمانوں کے حملوں کا آغاز کب ہوا؟ اس سلسلے میں مولانا اسحاق بھٹی رقمطراز ہیں: ہند پر عرب مسلمانوں کی طرف سے فوج کشی کا آغاز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال سے چار سال بعد 15 ھ میں ہوا جبکہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان بن ابی العاص ثقفی رضی اللہ عنہ کو بحرین اور عمان کا والی مقرر کر کے بھیجا تھا۔ حضرت عثمان بن ابوالعاص رضی اللہ عنہ نے اپنے بھائی حضرت حکم بن ابو العاص رضی اللہ عنہ کو ایک لشکر کا کمانڈر بنا کر ہندوستان کی ایک بندرگاہ ''تھانہ'' پر حملہ کرنے کے لیے روانہ کیا۔ موجودہ جغرافیائی اعتبار سے یہ بندرگاہ بمبئی کے قریب تھی۔ اب بھی اسے چھوٹی سی بندرگاہ کی حیثیت حاصل ہے۔

ایک روایت کے مطابق عثمان بن ابو العاص نے اپنے بھائی حکم بن ابو العاص کو گجرات کاٹھیاواڑ میں تھانہ اور بھڑوچ کی طرف بھیجا اور دوسرے بھائی حضرت

مغیرہ بن ابو العاص رضی اللہ عنہ کو فوج دے کر دیبل پر حملہ کرنے کے لیے روانہ کیا۔ یہ تینوں بھائی (عثمان، مغیرہ اور حکم رضی اللہ عنہم) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی تھے۔ اس زمانے میں تھانہ، بھڑوچ اور دیبل بلاد ہند و سندھ کے تین اہم مقام تھے، جن پر سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سب سے پہلے پرچم اسلام لہرانے کا عزم کیا۔

عرب اصحابِ تاریخ ''تھانہ'' کو ''تانہ'' اور بھڑوچ کو ''بروص'' یا ''بروس'' رقم کرتے ہیں اس کی مناسب تفصیلات بہ ترتیب زمانی اس کتاب کے بعض مقامات میں درج کی جارہی ہے۔

چچ نامہ کی روایت کی رو سے اس عہد میں ہندوستان کے ان علاقوں کا بادشاہ چچ بن سیلائج تھا جو 35 سال سے حکومت کررہا تھا اور اس کی طرف سے دیبل کا حکمران سامہ بن دیوائج تھا۔

دیبل ایک مشہور اور تجارتی شہر تھا جو سندھ کے موجودہ شہر ٹھٹھہ کے قریب واقع تھا۔ جب مسلمان اور غیر مسلم فوجیں ایک دوسرے کے مقابلے میں میدان جنگ میں اتریں تو اسلامی فوج کے کمانڈر حضرت مغیرہ بن ابو العاص رضی اللہ عنہ نے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی تھے تلوار میان سے نکالی اور بسم اللہ فی سبیل اللہ کا نعرہ لگا کر دشمن پر ٹوٹ پڑے۔

عہد فاروقی میں بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کرمان اور مکران میں بھی وارد ہوئے وہاں جنگیں لڑیں اور اس کے بہت سے حصوں کو فتح کیا۔ یہ علاقے اس دور میں حدود سندھ میں واقع تھے۔ وہاں دربار خلافت سے بعض صحابہ باقاعدہ والی اور گورنر مقرر ہو کر آتے رہے۔ (برصغیر میں اسلام کے اولین نقوش 40،39)

سرزمین ہند بہت عرصہ تک قرآن و حدیث کی برکات سے بے حد تشنہ رہی

جہاں اگرچہ علامہ صنعانی (660ھ) شیخ علی المتقی (975ھ) شیخ محمد طاہر (986ھ) اور سب سے آخر میں شیخ عبدالحق[1] (1052ھ) رحمھم اللہ تعالیٰ رونق افروز ہوتے رہے۔ مگر اکبر ایسے فاسق بادشاہ اور ملا مبارک کے خاندان کے غلط اثر کو مٹانا مشکل تھا۔ یہاں علوم قرآن وسنت کا جو انحطاط تھا وہ مخفی ہے۔ علم وتقویٰ کی بجائے القاب پر زور تھا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ جہالت عام ہوگئی، عملی بدعات گھر گھر پھیل گئیں، علماء کا کام محض حیلوں کی تلاش رہ گیا اور شرعی احکام کو ٹالنا فقہ کی انتہا قرار پا گیا۔ آخری دینی خدمات ''فتاویٰ عالمگیری'' کی تدوین ہے۔ وہ بھی آخر یہی کہ مخصوص آراء کو جمع کیا گیا۔ (جس کے کچھ حوالے آگے آئیں گے) اور حکومت کی سرپرستی سے اسے اعتماد کی صورت حاصل ہوگئی۔

جہاں تک تاریخی شہادت کا تعلق ہے خراسان، ایران، یمن، الجزائر، بربر، اور اقصائے مغرب میں ابتداءً ائمہ حدیث ہی کا اثر تھا۔ موجودہ فقہی مسالک کو حکومت یا دوسری وجوہ سے غلبہ حاصل ہوا۔ بارھویں صدی ہجری میں تاریک پردے چاک ہوگئے اور قرآن وسنت کی شعاعیں پھیلیں۔ اس دور میں یوں لگتا جیسے دنیائے اسلام نے خواب غفلت سے آنکھیں کھولی ہوں۔ عرب میں نجدی[2] تحریک پیدا ہوئی۔ ایران میں سید جمال الدین افغانی رحمہ اللہ نے آوازۂ حق بلند کیا۔ جس سے مصر، اسکندریہ اور قسطنطنیہ تک حرکت میں آ گیا۔ تقریباً اس سے تھوڑی مدت پہلے

[1] حضرت شیخ عبدالحق رحمہ اللہ کی بڑی خدمات ہیں۔ البتہ آپ کی تصانیف میں اہل علم وتحقیق کو گلہ ہے کہ کثرت سے ضعیف بلکہ موضوع روایات تک پائی جاتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے ملک کے بریلوی احباب کا زیادہ تر انہیں پر مدار ہے۔ [2] یہ تحریک ہمارے ہاں کچھ بدنام ہے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ محض قبوری دنیا کا پروپیگنڈہ ہے، حقیقت اور ہے اہل علم دوست اور تحقیق پسند طلبہ احباب ''تحریک وہابیت'' کا مطالعہ فرمائیں۔

ہندوستان کی قسمت خوابیدہ بیدار ہوئی۔ جس کا آغاز سید احمد سرہندی رحمہ اللہ نے کیا، بدعات کے خلاف کھلی جنگ لڑی اور بدعت کے جال کو تار تار کر دیا۔ پھر وہ وقت بھی آیا جبکہ افق ہند پر ایک مہر عالمتاب طلوع ہوا۔ جس نے نورِ علم کی شعاعوں سے تقلید و جمود کے دبیز پردوں کو چاک کر دیا اور خلق خدا کو قرآن اور حدیث سے متعارف کرایا۔ اس دور میں جہالت اور لادینی کا یہ عالم تھا کہ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے قرآن کریم کا جب پہلا ترجمہ کیا تو کیا عوام اور کیا خواص سب نے مل کر ایک طوفان کھڑا کر دیا مگر یہ مردِ قلندر ثبت استقلال و استقامت کے ساتھ اپنا کام کرتا رہا۔ آپ نے بڑے حکیمانہ انداز سے دین کی خدمت فرمائی۔ آپ کی مساعی سے واقعی قصر تقلید و جمود کی دیواروں میں شگاف پڑ گئے۔ اس تحریک کو قاضی ثناء اللہ، مرزا مظہر جان جاناں، مولانا فاخرالہ آبادی، آزاد بلگرامی کے علاوہ آپ کے صاحبزادگان شاہ عبدالعزیز، شاہ رفیع الدین، شاہ عبدالقادر، شاہ عبدالغنی اور بعد ازاں شاہ احمد شہید، شاہ اسمٰعیل شہید، مولانا عنایت علی، مولانا ولایت علی، مولانا عبدالحی وغیرھم نے چلایا۔ ان میں بعض حضرات عملاً حنفی تھے لیکن عقیدۃً اہل حدیث۔

جہاں تک ہماری تحقیق ہے، ہم سمجھتے ہیں حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے اہل حدیث اور اہل الرائے دونوں مکاتبِ فکر کو الگ الگ سمجھا اور الگ الگ پیش کیا اور آپ نے طریق اہل حدیث کو زیادہ پسند فرمایا۔ اس کی وضاحت کسی دوسری جگہ کی جائے گی۔ ان شاء اللہ۔

ہندوستان میں اہل حدیث اور ان کی خدمات

قریب قریب اسی دور میں افقِ ہند پر ایک ایسا ماہتاب طلوع ہوا۔ جس سے پورا برصغیر چمک اٹھا۔ اس سے ہماری مراد حضرت سید نذیر حسین محدث دہلوی رحمہ اللہ

ہیں۔ آپ قصبہ سورج گڑھ ضلع مونگیر صوبہ بہار میں 1220ھ بمطابق 1805ء میں پیدا ہوئے۔ آپ نے تعلیم شاہ عبدالقادر رحمہ اللہ کے شاگرد اور نواسے سید عبدالخالق رحمہ اللہ اور مولانا محمد اسحاق رحمہ اللہ سے حاصل کی۔ علاوہ ازیں مولانا شیر محمد، مولانا جلال الدین، مولانا کرامت علی، مولانا عبدالقادر رامپوری وغیرہ سے درسی کتابیں پڑھیں۔ آپ نے شاہ محمد اسحاق رحمہ اللہ سے دو مرتبہ حدیث اور تفسیر پڑھی۔ اور سید عبدالخالق سے ایک مرتبہ آپ نے علم قرآن و حدیث میں پوری طرح مہارت و دسترس اور معقولات میں کمال حاصل کر لیا۔

قرآن و حدیث کی نشر و اشاعت کے لیے شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ جس شمع کو روشن کر چکے تھے اسے شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ نے فروغ دیا۔ پھر شاہ صاحب کے بعد ان کے حقیقی نواسے شاہ محمد اسحاق نے تعلیم و تدریس کی اس مسند کو مزید ترقی دی۔ اللہ تعالیٰ نے اس علمی مسند کی ضیا باریوں سے سر زمین ہند کو یوں مستفید فرمایا کہ حضرت شاہ محمد اسحاق محدث نے آخر عمر میں جب دیار حبیب صلی اللہ علیہ وسلم میں جانے کا قصد کیا تو اپنی عدم موجودگی میں اپنی یہ مسند تدریس حضرت سید نذیر حسین رحمہ اللہ کے حوالے کر دی اور دعا فرمانے کے علاوہ سند و اجازت بھی دے دی۔ شاہ صاحب کے تشریف لے جانے کے بعد سید صاحب رحمہ اللہ نے مسند تدریس کو چار چاند لگا دیئے۔ آپ کا بہت شہرہ ہوا۔ عوام و خواص آپ کو شمس الہند کے لقب سے یاد کرتے تھے۔ دور دور ممالک سے علماء آ کر آپ سے حدیث پڑھتے۔ رسائل و اخبارات نے آپ کے علمی مقام لکھ کر آپ کو شیخ الکل فی الکل کے خطاب سے نوازا۔ آپ کی حیرت انگیز قابلیت کو دیکھ کر گورنمنٹ برطانیہ نے آپ کو شمس العلماء کا خطاب دیا، یہ الگ بات ہے آپ کو یہ خطاب پسند نہ تھا۔

آپ نے اپنے اکابرین کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے شرک و بدعت اور تقلید و جمود کے محلات کو لرزہ براندام کر دیا اور ولی اللّٰہی تحریک کو بڑی خوبی سے پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔ آپ نے علی الاعلان قرآن و حدیث کا علم بلند کیا کہ تقلید جامد کے قلعے پاش پاش ہو گئے۔ آپ نے قرآن و حدیث کی لافانی خدمات سرانجام دیں۔ اور جگہ جگہ حدیث نبوی کی قندیلیں روشن کیں۔ آج جس قدر حدیث کی درسگاہیں ہیں یہ سب حضرت میاں سید نذیر حسین محدث دہلوی رحمہ اللہ کی تدریس کا ہی فیضان ہے۔

آپ نے فن حدیث و تفسیر کو وہ رونق بخشی کہ دنیا بھر سے طلباء حدیث و تفسیر آ کر آپ کے سامنے زانوئے تلمذتہ کرتے۔ آپ نے حدیث کی ناقابل فراموش خدمات سرانجام دیں۔ حق اور باطل کے درمیان حد فاصل کھینچی اور حجت قائم کر دی۔ اس عہد میں اہل حدیث کو اس قدر فروغ ہوا کہ آپ کی مبارک زندگی ہی میں اسی لاکھ حاملین بالحدیث کی کثیر جماعت اطرافِ ہند میں تیار ہو گئی اور آپ کے شاگرد جنہوں نے آپ سے علم حدیث پڑھا وہ حجاز، نجد، یمن، شام، حبش، افریقہ، تیونس، الجزائر، جاوا، ہماٹرہ، کابل، غزنی، قندھار، سمرقند، بلخ، بخارا، داغستان ایشیاء کوچک، ایران، خراسان، مشہد، ہرات، چین اور ہندوستان میں جگہ جگہ پھیل چکے تھے۔ صرف تین سال میں بارہ ہزار طلباء نے آپ سے علم حدیث پڑھا۔ (الحیاۃ ص 355)

آپ نے پچھتر برس تک درسِ حدیث دیا۔ مشہور قول ہے کہ آپ کے تلامذہ کی تعداد سوا لاکھ سے متجاوز تھی۔ صاحب ''غایۃ المقصود فی حلِ سنن ابی داؤد'' آپ کے بارے میں رقمطراز ہیں:

''اگر میں بیت اللّٰہ شریف میں رکن و مقام کے درمیان کھڑا ہو کر یہ حلف اٹھاؤں: اِنِّیْ مَارَأَیْتُ یعنی مثله ولا رأى هو مثل نفسه في

العلم و العبادۃ والزھد والصبرو الکرم والخلق والحلم.
یعنی میں نے علم و عمل، زہد و عبادت، صبر و تحمل، جود و کرم، حُسن خلق اور برد باری میں حضرت میاں صاحب کی نظیر اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھی تو میری یہ قسم یقیناً صحیح ہوگی۔''

نیز لکھتے ہیں: ''آپ کے مرتبہ اور شان کے لیے یہی دلیل کافی ہے کہ عارف باللہ حضرت مولانا سید عبداللہ غزنوی رحمہ اللہ ان کے تلامذہ سے ہیں۔''

ان سطور سے ہمارا مقصد محض یہ بتانا ہے کہ ہندوستان میں ولی اللہی تحریک کو حضرت میاں نذیر حسین محدّث دہلوی رحمہ اللہ نے پروان چڑھایا۔ دنیائے اسلام کو کھل کر تقلید جامد کی سیاہ کاریوں سے آگاہ کیا، حدیث کا بول بالا کیا، قرآن وسنت کو ڈنکے کی چوٹ پیش کیا اور مسلک اہل حدیث کا بڑا عمدہ تعارف کرایا۔ گویا آپ نے محدّثین اور مجدّدین دونوں کا کام کیا۔

آپ کے دماغ کی ساخت ہی اس ڈھنگ کی تھی۔ جس میں آنحضرت ﷺ کی احادیث کا سمندر سما گیا۔ آپ کو حدیث کی پوری کتابیں حفظ تھیں۔ چاروں مذاہب کی فقہیں ازبر تھیں۔ صرف بخاری شریف کئی سو مرتبہ پڑھائی۔ بخاری کی ایک ایک حدیث نوکِ زبان تھی۔ درسِ حدیث کا غایت درجہ خیال رکھتے تھے۔ آپ کھانے پینے سے ناغہ کر لیتے مگر درسِ حدیث سے کبھی ناغہ نہ فرماتے۔ آپ کو دمہ کی تکلیف ہوگئی، مگر جب درس حدیث دینے بیٹھتے تو وہ تکلیف دور ہوجاتی۔ گویا درس حدیث آپ کی غذا بھی تھی اور دوا بھی۔ آپ کے استاد سید عبدالخالق رحمہ اللہ نے آپ کی لیاقت اور تقویٰ دیکھ کر اس غریب الوطن طالب علم کو اپنی لڑکی نکاح میں دے دی۔

آپ کے مشہور تلامذہ میں سے مولانا حافظ عبدلمنان رحمہ اللہ محدث وزیرآبادی

ہیں۔ جو اپنے استاد کے جانشین بنے۔ اور ''استاد پنجاب'' کے لقب سے مشہور ہوئے۔ [1] سید صاحب کو اپنے اس نابینا شاگرد سے نہایت محبت تھی۔

ایک دفعہ حضرت حافظ صاحب کے جوتے مسجد سے باہر پڑے رہ گئے، میاں صاحب دیکھ کر خود اٹھا لائے اور حافظ صاحب کو دے دیئے۔ حافظ صاحب کے ایک دو نہیں بلکہ سینکڑوں با کمال شاگرد ہیں جنھوں نے اپنے اپنے علاقوں میں توحید و سنت کے فانوس روشن کیے۔ قرآن وحدیث کا پرچار کیا۔ کتاب وسنت کے مدارس قائم کئے۔ آپ کے تلامذہ میں سے شیخ القرآن والحدیث حضرت مولانا حافظ محمد ابراہیم میر سیالکوٹی رحمہ اللہ بھی ہیں۔ جنھوں نے زندگی بھر تدریس، تحریر اور تقریر سے علم حدیث کی ٹھوس خدمات کیں۔ آپ کے اس سلسلے میں اور بھی بے شمار ساتھی ہیں جن میں شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ کا نام نامی سرفہرست ہے۔ [2]

آپ نے ہفتہ وار ''اخبار اہل حدیث'' جاری کیا جو بہت کامیاب رہا۔ حضرت حافظ ابراہیم میر رحمہ اللہ کے تلامذہ میں شیخ الحدیث مولانا محمد اسمٰعیل سلفی رحمہ اللہ (گوجرانوالہ) مولانا احمد دین گکھڑوی، مولانا عبدالمجید سوہدروی رحمہم اللہ وغیرہم کے اسمائے گرامی قابل ذکر ہیں۔ یہ بزرگ تفسیر وحدیث کے پختہ کار عالم اور فن تحریر و خطابت کے شہسوار تھے۔ ان کے علاوہ غزنوی، روپڑی اور لکھوی خاندان نے قرآن وحدیث کی وہ گرانقدر خدمات سرانجام دیں جو ہمیشہ یاد رہیں گی۔ حضرت مولانا حافظ محمد محدث گوندلوی رحمہ اللہ اور مفتی اعظم حافظ عبداللہ محدث روپڑی رحمہ اللہ نے بھی ناقابلِ فراموش خدمات سرانجام دیں۔ حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے کس کس معلم

---

[1] آپ کے دلچسپ حالاتِ زندگی چھپ چکے ہیں ہم سے طلب فرمائیں۔ [2] حضرت مولانا امرتسری رحمہ اللہ کے حالات زندگی پر مفصل کتاب ''سیرت ثنائی'' کا مطالعہ فرمائیں اپنے وقت میں آپ منفرد مناظر تھے۔

و داعی کا ذکر کیا جائے۔ اگر ہم ایک سو برس کے علمائے اہل حدیث کے صرف نام ہی لکھنا چاہیں تو کئی صفحات اور درکار ہیں، بہر حال تفصیل مطلوب ہو تو ''تراجم علمائے حدیث'' مؤلفہ امام خاں نوشہروی رحمہ اللہ کا بغائر مطالعہ کیا جائے تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ ہندوستان میں بلکہ دنیائے اسلام میں علمائے اہل حدیث کہاں کہاں رہے اور انہوں نے حدیث کی کیا کیا خدمات سرانجام دیں۔

خلاصہ کلام یہ کہ دورِ صحابہ رضی اللہ عنہم سے لے کر تا امروز ایک ہی ایسی خادمِ دین جماعت رہی ہے جس کا کام براہ راست قرآن و حدیث پیش کرنا ہے۔ حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کرنا ہے، حدیث کے خلاف ہر چیلنج کا مقابلہ کرنا ہے۔ ان کا نعرہ یہی رہا ہے:

کسی کا ہو رہے کوئی، نبی کے ہو رہیں گے ہم

اس گروہ نے قرآن کی تفسیر حدیث کو مانا۔ عقیدۃً بھی اور عملاً بھی۔ بزرگوں کی آراء، اقوال اور خیالات کو معتبر تسلیم کیا بشرطیکہ وہ حدیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے متصادم نہ ہوں۔ متصادم ہونے کی صورت میں اقوال ائمہ کو حدیث نبوی پر قربان کر دیا۔ اس مبارک جماعت نے محض قرآن و حدیث کو حجت، دلیل اور بُرہان تسلیم کیا۔ اس جماعت نے عقیدۂ ختم نبوت کا برملا اعلان کیا۔ اور عقیدۂ ختم نبوت کے منکر کو کافر کہا۔ جماعت اہل حدیث ایک تحریک ہے، ایک نظریہ ہے جس کی تمام تر کوششیں اور کاوشیں قرآن و حدیث کے گرد گھومتی رہی ہیں۔

تاریخ فتنہ انکارِ حدیث

حدیث کا انکار درحقیقت قرآن کریم کا انکار ہے اور قرآن کریم کا منکر مسلمان نہیں ہو سکتا۔

امت میں سے برملا انکار حدیث کی جرات شاید کسی کو نہیں ہوئی۔ (غالباً

سوائے مولوی عبداللہ چکڑالوی اور اس کے چند متبعین کے) بالعموم حیلوں اور بہانوں سے کام لیا گیا۔

مثلاً کہا گیا قرآن کے ہوتے ہوئے ہمیں کس چیز کی ضرورت ہے؟ یا جو حدیث قرآن سے ٹکرائے اسے نہ مانا جائے۔

حالانکہ بات ایسے نہیں ہے۔ ایک نبی برحق کے ارشادات آپس میں ٹکرائیں؟ یہ ممکن ہی نہیں۔ احادیث کو وسعت علم وظرف اور احترام وعقیدت سے سمجھنا چاہیے۔ اور یہ بھی کہا گیا:

''جو حدیث عقل اور نیچر کے خلاف مفہوم پیش کرے (سند کے اعتبار سے خواہ کیسی ہی معتبر کیوں نہ ہو) اس کا انکار کر دینا چاہیے۔''

''حدیثیں آدمیوں نے ہی روایت کی ہیں، اور آدمی بہر حال غلطی کر سکتے ہیں، لہٰذا ان کا اعتبار نہیں۔''

غرض جتنے منہ اتنی باتیں، قریباً نصف صدی سے یہ فتنہ پروان چڑھا اور اس نے حدیث نبوی پر بڑے بڑے رکیک حملے کیے۔ مگر بحمد اللہ اہل حدیث جماعت نے ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر ان کا مقابلہ کیا اور ہر مرحلے اور ہر موڑ پر حدیث کا دفاع کیا۔

حضور اکرم ﷺ کی پیش گوئی

فتنہ انکار حدیث کے بارے میں آنحضرت ﷺ نے جو پیشگوئی فرمائی وہ یاد رکھنی چاہیے۔ چنانچہ حضرت مقدام بن معدیکرب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

''خبردار مجھے قرآن دیا گیا ہے اور اس کے ساتھ ویسی ہی ایک اور چیز بھی، نیز ایسا نہ ہو کہ کوئی پیٹ بھرا شخص اپنی مسند پر بیٹھا ہوا یہ کہنے لگے کہ

بس تم قرآن کی پیروی کرو۔ جو کچھ اس میں حلال پاؤ اسے حلال سمجھو اور جو اس میں حرام پاؤ اسے حرام سمجھو، حالانکہ جو اللہ کا رسول ﷺ حرام قرار دے وہ ویسا ہی حرام ہے جیسا اللہ کا حرام کیا ہوا۔ خبردار! تمہارے لیے پالتو گدھا حلال نہیں ہے اور نہ پھاڑنے والے درندے حلال ہیں۔''[1]

حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے بھی اسی مفہوم کی حدیث مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

''خبردار! خدا کی قسم! میں نے جن باتوں کا حکم دیا اور جو نصیحتیں کی ہیں اور جن کاموں سے منع کیا ہے وہ بھی قرآن ہی کی طرح ہیں بلکہ اس سے کچھ زیادہ۔''[2]

یہی وجہ ہے کہ ائمہ نے حدیث کو حجت اور دلیلِ شرعی تسلیم کیا ہے۔ مگر کچھ سہل انگار اور خودغرض لوگوں نے ان احادیث کا جن کو انہوں نے اپنے مطالب میں مفید نہ پایا، انکار کر دیا۔ ذیل میں ایک جدول پیش کیا جاتا ہے جس سے یہ علم ہوگا کہ کون سے فرقے نے کب، کن کن احادیث کا انکار کیا ہے۔ جدول ملاحظہ ہو:

جدول

نمبر شمار	منکر	کون سی احادیث کا انکار	کب؟
1	خوارج	جو احادیث اہل بیت کے فضائل میں تھیں۔	200ھ

[1] ابو داؤد، کتاب السنة، باب فی لزوم السنة، رقم: 4604 صحیح . [2] ابو داؤد، کتاب الخراج، باب فی تعشیر اهل الذمه...... رقم:3050 ضعیف.

2	شیعہ	جو احادیث صحابہ رضی اللہ عنہم کے فضائل میں تھیں۔	200ھ
3	معتزلہ اور جہمیہ	احادیث صفات	200ھ
4	قاضی عیسیٰ بن ابان اور ان کے اتباع	جو احادیث ان کے نزدیک غیر فقیہ صحابہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہیں	221ھ
5	متاخرین فقہاء سے قاضی ابو زید دبوسی وغیرہ	// // // // // // //	//
6	اس کے بعد معتزلہ اور متکلمین کیساتھ متاخرین فقہاء کی مختصر سی جماعت	اصول اور فروع دونوں میں ان حضرات نے خبر واحد سے اختلاف کیا	400ھ کے بعد
7	یورپین تہذیب سے مرعوب گروہ مولوی چراغ علی، سر سیّد احمد خاں وغیرہ	یہ حضرات فن حدیث سے قطعاً ناواقف تھے ان کی تحقیق میں احادیث تاریخ کا ذخیرہ ہیں جو ان کی (عقل اور) نیچر کے موافق ہوں قبول کر لیا اور جو مخالف ہوں انہیں ترک کر دیا۔	1300ھ کے قریب قریب
8	مولوی عبداللہ چکڑالوی، مستری محمد رمضان گوجرانوالہ، مولوی حشمت علی لاہوری، مولوی رفیع الدین ملتانی	احادیث کا بالکلیہ انکار	1300ھ کے بعد

9	مولوی احمد دین امر تسری، مسٹر غلام احمد پرویز	یہ حضرات سر سیّد سے متاثر ہیں لیکن بالکل جاہل اور غیر محتاط، ان کے نزدیک قرآن و حدیث اور پورا دین ایک کھیل ہے یا زیادہ سے زیادہ ایک سیاسی نظریہ جسے ہر وقت ہمیں بدلنے کا حق ہے۔ مولوی احمد دین بعض متواتر اعمال کو مستثنیٰ سمجھتے ہیں۔	1400ھ
10	مولانا شبلی، مولانا حمید الدین فراہی، مولانا مودودی، مولانا امین احسن اصلاحی اور عام فرزندانِ ندوہ باستثنائے سید سلیمان ندوی مرحوم	یہ حضرات حدیث کے منکر نہیں لیکن ان کے اندازِ فکر سے حدیث کا استخفاف و استحقار معلوم ہوتا ہے اور طریقۂ گفتگو سے انکار کے چور دروازے کھل سکتے ہیں۔	1300ھ 1400ھ

یہ نقشہ ہمارا نہیں شیخ الحدیث مولانا محمد اسمٰعیل سلفی رحمہ اللہ (گوجرانوالہ) کا پیش کردہ ہے، چنانچہ آپ اس کے متعلق رقمطراز ہیں:

''یہ جدول میرے ذاتی مطالعہ کا نتیجہ ہے۔ مجھے اس کے کسی حصہ پر اصرار نہیں۔ میں ممنون ہوں گا اگر مجھے میری لغزش سے آگاہ کیا جائے۔ میرے خیال میں تحریک انکار حدیث تدریجی ارتقاء سے اس مقام تک پہنچی ہے۔''[1]

منکرین حدیث آج بھی سرگرم عمل ہیں۔ مگر بے جان تحریکوں کی طرح یہ

[1] حجیت حدیث 114,113۔

تحریک بھی کچھ عرصہ بعد ختم ہو کر رہ جائے گی۔ مولانا مودودی ایک قابل قدر اور مایہ ناز ہستی ہیں۔ آپ کی بعض تصانیف تو واقعی نا قابلِ فراموش ہیں۔ مثلاً تفہیم القرآن، سود اور پردہ وغیرہ۔ مگر اس کے ساتھ ہی ہم بصد ادب یہ عرض کریں گے کہ مولانا سے بعض خطرناک غلطیاں سرزد ہوئی ہیں۔ غلطی کا صدور کوئی بڑی خطرناک بات نہیں، البتہ غلطی پر اصرار بڑی بات ہے۔ ہمیں افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ مولانا سے کچھ ذہنی وفکری غلطیاں سرزد ہوئیں جن پر وہ آخر تک قائم رہے۔ تفصیل کے لیے تفہیمات، رسائل و مسائل اور خلافت و ملوکیت وغیرہ کا بغائر مطالعہ کیجئے۔ بعض مقامات پر تو بڑی دلیری کا مظاہرہ کیا ہے کہ عقل حیران ہوتی ہے۔ تفہیم القرآن کے بھی کئی مقامات محلِ نظر ہیں۔

آپ کو معلوم ہوگا مولانا مودودی کا مضمون ''مسلک اعتدال'' جب پہلے پہل چھپا تو شیخ الاسلام حضرت مولانا ثناء اللہ امرتسری نے اس کا نوٹس لیا۔[1] اور متنبہ کیا کہ یہ سرسید احمد خاں کی صدائے بازگشت ہے اور اس میں انکار حدیث کے جراثیم موجود ہیں، ہم بطور شکوہ عرض کرتے ہیں کہ ہمارے جماعت اسلامی کے دوست حدیث کا بھی تحفظ کرتے ہوں گے مگر اس سے بڑھ کر وہ محترم مولانا مودودی کا تحفظ کرنے کی فکر میں رہتے ہیں۔ اگر خوش اسلوبی سے غلط کو غلط کہہ دیا جائے تو یہ کوئی بُری بات نہیں ہوتی اور بعض دوست عقیدت میں اس قدر بڑھے ہوئے ہیں کہ وہ یہ نہیں دیکھتے کہ حدیث کو کیا نقصان پہنچتا ہے۔ بس وہ یہ دیکھتے ہیں کہ مولانا مودودی کو کیا نقصان پہنچتا ہے۔ یہی وہ تقلید اور جمود ہے جس کو اہل حدیث توڑنا

[1] حضرت شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ کی سیرت کا جدید ایڈیشن نئے اضافہ وترتیب کے ساتھ چھپ چکا ہے۔ جو بلاشبہ پڑھنے کی چیز ہے۔

چاہتے ہیں اور بحمد اللہ کافی حد تک اس سے عہدہ برآ ہو رہے ہیں۔

حدیث، قرآن کریم کے بعد دوسری اصل ہے۔ جس کے بغیر اسلام نا تمام ہے۔ یہی وجہ ہے کہ منکرین حدیث کو علمائے امت نے کافر کہا، کیونکہ انھیں حدیث کی حجیت وقطعیت سے انکار ہے۔ مگر مولانا مودودی ہیں کہ موجودہ منکرین حدیث کے سرخیل غلام احمد پرویز صاحب کو اہل حق سے سمجھتے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ مسٹر غلام احمد پرویز نے اپنے نظریۂ انکارِ حدیث کے سلسلے میں مولانا مودودی کو اپنی شہادت میں کئی مرتبہ پیش کیا ہے۔ علاوہ ازیں جب حدیث کے خلاف پرویز صاحب کا پہلا مضمون ''شخصیت پرستی'' ترجمان القرآن میں چھپا تھا، تو مولانا نے اپنے اس رسالے میں اس کی تائید فرمائی تھی۔ ''تفہیمات'' میں بسلسلہ ''حدیث میں مختلف نظریات'' مولانا مودودی نے چند گروہوں کا ذکر کیا ہے، تیسرے گروہ کے متعلق لکھتے ہیں:

''تیسرا گروہ حیثیت رسالت اور حیثیت شخصی میں فرق کرتا ہے، میں سمجھتا ہوں کہ چوہدری صاحب (یعنی غلام احمد پرویز ایڈیٹر طلوع اسلام) اسی گروہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور میں ابتداء ہی میں یہ امر واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ ان کا مسلک حق سے بہت زیادہ قریب ہے اگرچہ تھوڑی سی غلطی اس میں ضرور ہے لیکن الحمد للہ وہ گمراہی کی حد تک نہیں پہنچتی۔''[1]

ہم ذاتی طور پر مولانا مودودی کو قابلِ قدر اور مایہ ناز شخصیت تصور کرتے ہیں۔ لیکن کیا کیا جائے ان کی اس غیر معتدل روش کا کہ جس نے سادہ لوح اردو دان اور انگریزی خوان طبقے کو اسی لائن پر چڑھا دیا ہے۔ اَللّٰھُمَّ اعْفُ عَنْهُ.

[1] تفہیمات 236,235/1، طبع چہارم۔

مولانا مودودی رحمہ اللہ کا نظریۂ حدیث

تاریخ فتنہ انکار حدیث کے زیرِ عنوان منکرین حدیث کا ایک جدول پیش کیا گیا تھا جسے دیکھ کر ہمارے بہت سے دوست ہم سے پوچھیں گے کہ اس میں مولانا مودودی کا نام بھی ہے، تو کیا مولانا مرحوم منکرِ حدیث تھے؟

ان سائلین کی خدمت میں ادب سے گذارش ہے کہ یہ جدول ہمارا مرتّبہ نہیں بلکہ علم حدیث کے نامور عالم شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد اسمٰعیل سلفی رحمہ اللہ کا ترتیب دیا ہوا ہے، جنہیں پاک و ہند کی علمی دنیا اچھی طرح جانتی ہے۔ اور انہیں اس پر کوئی اصرار بھی نہیں بشرطیکہ کوئی غلطی ظاہر کرے۔

دوسری بات یہ ہے کہ جدول میں مولانا مودودی کے ساتھ مولانا فراہی مولانا اصلاحی اور فرزندان ندوہ بھی ہیں باستثنائے سید سلیمان رحمہ اللہ مولانا مودودی اکیلے نہیں اور پھر آگے جو الفاظ درج ہیں وہ بھی ملاحظہ ہوں۔ لکھا ہے:

''یہ حضرات حدیث کے منکر نہیں۔'' اور ہمارا خیال بھی بحمد اللہ یہی ہے۔ جہاں تک مولانا مودودی کی شخصیت کا تعلق ہے۔ وہ شریف، پاکیزہ، بلند اخلاق اور ایک گونہ علمی شخصیت کے مالک تھے۔ لیکن علمی اختلاف کا حق ہونا چاہیے۔ چنانچہ ہم عرض کرتے ہیں کہ مولانا مودودی کے نظریۂ حدیث سے ہمیں علمی اختلاف ہے۔ عقیدت سے حقیقت مسخ نہیں ہونی چاہیے۔ حقیقت بہر حال حقیقت ہے جسے جھٹلایا نہیں جا سکتا۔

مولانا مرحوم و مغفور سے اہل سنت کو بہت سے اختلافات ہیں مثلاً انبیاء اور

صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں، یا مولانا کی فقہی تحقیقات کے سلسلے میں جن کی اپنی جگہ تفصیلات ہیں۔ یہاں ان کے بیان کرنے کا موقع ہے نہ ضرورت۔ البتہ موضوع کی مناسبت سے یہاں مولانا موصوف کی ان چند محلِ نظر عبارات کو ہدیۂ قارئین کرتے ہیں جو حدیث نبوی کے بارے میں ہیں۔ مولانا مودودی ایک جگہ فرماتے ہیں:

''احادیث چند انسانوں سے چند انسانوں تک پہنچتی آئی ہیں۔ جن سے حد سے حد اگر کوئی چیز حاصل ہوتی ہے تو وہ گمانِ صحت ہے نہ کہ علم الیقین۔''①

مزید فرماتے ہیں:

''محدثین کرام رحمہم اللہ نے اسماء الرجال کا عظیم الشان ذخیرہ فراہم کیا جو بلاشبہ نہایت بیش قیمت ہے مگر ان میں کونسی چیز ہے جس میں غلطی کا احتمال نہ ہو۔''②

ایک جگہ رقمطراز ہیں:

''جو شخص اسلام کے مزاج کو سمجھتا ہے اور جس نے کثرت کے ساتھ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کا گہرا مطالعہ کیا ہوتا ہے وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایسا مزاج شناس ہو جاتا ہے کہ روایات کو دیکھ کر خود بخود اس کی بصیرت اسے بتا دیتی ہے کہ ان میں کونسا قول یا کونسا فعل میرے سرکار کا ہو سکتا ہے۔''③

نیز فرماتے ہیں:

''احادیث ظنی تو ہیں اور ظنی چیز ثابت شدہ نہیں ہوتی لیکن کسی چیز کا ثابت شدہ نہ ہونا یہ کب معنی رکھتا ہے کہ وہ رد ہی کر دینے کے قابل ہو۔''④

① ترجمان القرآن جون 1945ء۔ ② تفہیمات 1/291. ③ تفہیمات 1/295.

④ تفہیمات 1/312.

ایک دوسری جگہ فرماتے ہیں:

''وہ بہر حال تھے تو انسان ہی۔ انسانی علم کے لیے جو حدیں فطرۃ اللہ نے مقرر کر رکھی ہیں ان سے آگے تو وہ نہیں جا سکتے تھے۔ انسانی کاموں میں جو نقص فطری طور پر رہ جاتا ہے اس سے تو ان کے کام محفوظ نہ تھے۔''[1]

مولانا کا یہ ارشاد توجہ سے پڑھیے، لکھتے ہیں:

''اس مقام پر پہنچ کر انسان اسناد کا زیادہ محتاج نہیں رہتا۔ وہ اسناد سے مدد ضرور لیتا ہے مگر اس کے فیصلے کا مدار اسناد پر نہیں ہوتا۔ وہ بسا اوقات ایک غریب، ضعیف، منقطع السند اور مطعون فیہ حدیث کو بھی لے لیتا ہے۔ اس لیے کہ اس کی نظر اس افتادہ پتھر کے اندر ہیرے کی جوت دیکھ لیتی ہے۔''[2]

اس کے ساتھ ہی تحریر فرماتے ہیں:

''یہ چیز سراسر ذوقی ہے اور کسی ضابطہ کے تحت نہیں آتی نہ آ سکتی ہے۔ اس لیے اس میں اختلاف کی گنجائش پہلے بھی تھی، اب بھی ہے اور آئندہ بھی رہے گی۔''[3]

''صحیح بخاری'' جو حدیث کی مستند ترین کتاب ہے اس کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''بخاری شریف کی احادیث یا دوسری احادیث کے مجموعوں کی روایات پر مسلمہ قواعد کے مطابق تنقید کرنا ہر صاحب علم کا حق ہے۔''[4]

① تفہیمات 318/1. ② تفہیمات 324/1. ③ تفہیمات 324/1. ④ المنیر 10 جون 1955ء.

پھر فرماتے ہیں:

''آج اگر کوئی اس (بخاری) کی احادیث پر تنقید کرے تو محض اس بنا پر کہ وہ بخاری کی احادیث پر کلام کر رہا ہے قابلِ ملامت نہ ہوگا بشرطیکہ وہ قواعد کے مطابق تنقید کرے۔''①

بخاری شریف کی وہ حدیث جس میں کذبات ابراہیم علیہ السلام کا ذکر ہے انہیں مولانا صحیح نہیں سمجھتے بلکہ اس پر سخت اعتراض کرتے ہیں۔ ملاحظہ ہو: ترجمان القرآن ج 5، ص 28/44 دسمبر 1955ء

مولانا نے کسی زمانے میں برکت علی ہال لاہور میں دورانِ تقریر فرمایا تھا:

''بخاری جس کے بارے میں اصح الکتب بعد کتاب اللہ کا جملہ کہا جاتا ہے، حدیث میں کوئی بڑے سے بڑا غلو کرنے والا بھی یہ نہیں کہہ سکتا کہ اس میں چھ سات ہزار حدیثیں درج ہیں وہ ساری کی ساری صحیح ہیں۔''②

مولانا نے احادیث صحیحہ پر عدم اطمینان کا اظہار کیا ہے۔ دیکھیے: تفہیمات 292/1.

مولانا نے محدثین کی تحقیق و تصحیح کے قبول کرنے کو اندھی تقلید سے تعبیر کیا ہے۔ ملاحظہ ہو: (مقالہ حدیث اور قرآن ص 126)

مولانا کا ارشاد ہے:

''احادیث کسی مسئلہ میں حجت نہیں پا سکتیں۔''③

اوپر ہم نے مولانا مودودی رحمہ اللہ کے اپنے اقتباسات نقل کیے ہیں، اپنی طرف

① المنیر 17/24، جون 1954ء۔ ② الاعتصام لاہور 27، مئی 1955ء۔ ③ ترجمان القرآن، فروری 1946ء۔

سے ہم نے کوئی بات نہیں کی۔ آپ ان حوالہ جات کا غور سے مطالعہ کیجئے اور پھر انصاف سے کہیے: کیا مولانا کے ارشادات سے منکرینِ حدیث کو تقویت نہیں ہوتی؟ اور فرمایئے کیا مولانا حدیث کا صحیح مقام واضح کر رہے ہیں؟

اب ذرا پرویز صاحب کا مسلک بھی سن لیجئے جو تحریر فرماتے ہیں:

”حدیث کے متعلق بعینہٖ مسلک (جو مولانا مودودی کا ہے) طلوعِ اسلام کا ہے۔ صرف اس فرق کے ساتھ کہ وہ کسی ایک فرد کو اختیار نہیں دیتا کہ جس بات کو اس کی نگاہ جو ہر شناس سنت رسول قرار دے دے اس کی اتباع ساری امت پر لازم قرار پائے۔“[1]

لگے ہاتھ جناب مرزا غلام احمد صاحب کا مسلک بھی ملاحظہ کر لیجئے۔ مرزا صاحب کہتے ہیں:

”ہر ایک مومن خود سمجھ سکتا ہے کہ حدیثوں کی تحقیقات روایتی نقص سے خالی نہیں۔ کیونکہ ان کے درمیان راویوں کی چال چلن وغیرہ کی نسبت ایسی تحقیقاتِ کامل نہیں ہو سکی اور نہ ممکن تھی کہ کسی طرح شک باقی نہ رہتا۔“[2]

یہ حوالہ اگرچہ گزر چکا ہے لیکن یہاں بھی اس کا ذکر نا مناسب نہ ہوگا مولانا مودودی رحمہ اللہ پرویز صاحب کے بارے میں صاف لکھتے ہیں:

”میں ابتداء ہی میں یہ واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ ان (پرویز) کا مسلک حق سے بہت زیادہ قریب ہے۔ اگرچہ تھوڑی سی غلطی اس میں ضرور ہے لیکن الحمد للہ کہ وہ گمراہی کی حد تک نہیں پہنچتی۔“[3]

[1] طلوع اسلام کراچی 12، اپریل 1955ء۔ [2] مباحثہ لدھیانہ۔ [3] تفہیمات 236,235/1، طبع چہارم۔

بعض دوست کہتے ہیں کہ مولانا حدیث کو سند، حجت اور بہت معتبر جانتے تھے۔ ہم با ادب گزارش کرتے ہیں کہ بیشک مولانا مرحوم کی اس طرح کی تحریرات بھی ہیں مگر جو نمونے ہم نے پیش کیے ہیں یہ عبارات بھی تو آخرانھی کی ہیں جن سے حدیث نبوی ﷺ کا استخفاف و استحقار ہوتا ہے اور انکار حدیث کے چور دروازے کھلتے ہیں۔

ہم نے مولانا مودودی رحمہ اللہ کی اپنی عبارات کی روشنی میں ان کا نظریۂ حدیث پیش کر دیا ہے اور ہم یقین رکھتے ہیں کہ یہ نظریۂ حدیث صحیح نہیں۔ اس سے حدیث نبوی کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچ سکتا ہے۔ امید ہے جماعتِ اسلامی کے دوست ہماری گزارش پر ٹھنڈے دل سے غور کریں گے۔ اللہ تعالیٰ حق کا ساتھ دینے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

حدیث کی ضرورت واہمیت

حدیث ایک بڑا مقدس علم ہے اور از بس ضروری بھی۔ مقدس اس لیے کہ حدیث آنحضرت ﷺ کے اقوال وافعال کا مجموعہ ہے اور ضروری اس لیے کہ اس کے بغیر آسمانی وحی سمجھی نہیں جاسکتی اور قرآن کا صحیح مفہوم پایا نہیں جاسکتا۔ جب کبھی کسی نے حدیث سے بے نیاز ہو کر قرآن کریم کو سمجھنے کی کوشش کی، ناکام رہا۔ منکرین حدیث کو لے لیجئے کہ آج تک ان کا پانچ نمازوں پر اتفاق نہ ہوسکا۔ حج، نماز، قربانی، روزوں اور دیگر کئی احکام کی واضح تشریح نہ کرسکے۔ اور حدیث اس لیے بھی ضروری ہے کہ ہم اس سے صرف نظر کر کے پیدائش تا وفات اسلامی احکام پر عمل نہیں کر سکتے۔ شادی، غمی، تجہیز وتکفین، وضو، غسل، جنابت، نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، درود شریف، ادعیہ۔ اسی طرح بیع، شراء، جھگڑوں کا فیصلہ، تقسیم وراثت، اخلاقیات، عمرانیات، سیاسیات کی تفصیلات سمجھ نہیں سکتے۔ اور تو اور ہم حدیث سے بے نیاز ہو کر نکاح بھی نہیں کر سکتے۔ میت کی نماز جنازہ تک ادا نہیں کر سکتے۔

علاوہ ازیں قرآن کریم متعدد اشیاء کی حلت وحرمت کی بابت خاموش ہے۔ پرندوں میں کوا، گدھ، اُلو وغیرہ اور جانوروں میں ریچھ، بندر، گدھے، کتے وغیرہ کی حرمت کا کوئی ذکر نہیں۔ ہم ان کے حلال وحرام کے بارے میں کوئی فیصلہ کن رائے قائم نہیں کر سکتے۔

حاصل کلام یہ کہ ہم حدیث سے بے نیاز ہو کر زندہ نہیں رہ سکتے اور اسلامی

احکام و آداب بجا نہیں لا سکتے۔

ایک اور اہم بات یہ ہے کہ قرآن کریم نے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی سیرت مبارکہ کو ہمارے لیے ''بہترین نمونہ'' قرار دیا ہے، لیکن حدیث سے استغنابرت کر ہم کامل نبی ﷺ کی پاکیزہ سیرت کو کیوں کر پیش کر سکتے ہیں؟ کیونکہ آپ ﷺ کی سیرت مبارکہ کی تمام تر تفصیل تو حدیث میں موجود ہے اور نہیں سمجھ سکتے کہ حدیث سے نظر ہٹا کر ہم دنیا کے سامنے سرور کائنات ﷺ کی سیرت کا پھر کون سا عکس پیش کریں گے؟

حدیث شریف کا قرآن کریم ۔کے بعد دوسرا نمبر ہے۔ یہ حجت شرعی ہے اور یہ بات قرآن کریم سے بخوبی ثابت ہے۔ کتاب و سنت دونوں ایک دوسرے کا جزو لاینفک ہیں۔ من جانب اللہ ہونے کے اعتبار سے بھی دونوں ایک ہی نور کا پرتو ہیں اور وجوب اطاعت کے اعتبار سے بھی دونوں یکساں ہیں۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ﴾

''اور جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔''[1]

رسول کی اطاعت اس لیے کی جاتی ہے کہ وہی ایک مستند ذریعہ ہے جس کے توسط سے ہم تک اللہ تعالیٰ کے احکام پہنچتے ہیں ۔ ہم اللہ تعالیٰ کی اطاعت صرف اسی طریقہ سے کر سکتے ہیں کہ رسول ﷺ کی اطاعت کریں۔

ایک دوسری جگہ فرمایا:

﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ﴾

''ہم پیغمبروں کو اسی لیے بھیجتے ہیں کہ اللہ کے حکم سے ان کی فرمانبرداری

[1] النساء: 80.

کی جائے۔"[1]

اللہ کی اطاعت رسول ﷺ کی سند کے بغیر معتبر نہیں ہے۔ رسول ﷺ کی فرمانبرداری سے منہ موڑنا اللہ سے منہ موڑنا ہے اور سراسر اللہ کی نافرمانی کے مترادف ہے۔

آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد آپ ﷺ کی اطاعت کی صرف یہی صورت باقی رہ جاتی ہے کہ آپ ﷺ کے اقوال و ارشادات وغیرہ کو ضروری اور واجب الاطاعت قرار دیا جائے اور قرآن کریم کو انہیں کی روشنی میں سمجھا جائے۔ ظاہر ہے کہ آپ ﷺ کے اقوال و ارشادات کا دوسرا نام حدیث ہی ہے۔ قرآن کریم اجمال ہے جبکہ حدیث شریف اس کی تفصیل ہے۔ اور قرآن کریم کی سب تفسیر و تشریح آنحضرت ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے کی ہے اپنے پاس سے نہیں کی۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰىo اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى﴾

"یعنی ہمارا نبی ﷺ اپنی خواہش سے کوئی بات نہیں کہتا۔ بس وہی کہتا ہے جو اس کی جانب وحی کی جاتی ہے۔"[2]

اسی مضمون کی وضاحت کے لیے مندرجہ ذیل آیات ملاحظہ کیجیے:

1. ﴿وَ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ﴾

"اور ہم نے یہ ذکر (قرآن کریم) آپ کی طرف نازل کیا ہے تاکہ آپ لوگوں کے لیے اس کتاب کی تشریح کر دیں جو ان کی طرف اتاری گئی ہے۔"[3]

---

① النساء 64. ② النجم: 4,3. ③ النحل: 44.

2 ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾

''بلاشبہ تمہارے لیے رسول اللہ ﷺ کی ذات میں بہترین نمونہ ہے۔''①

3 ﴿وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا﴾

''جو کچھ رسول ﷺ تم کو دے اسے لے لو اور جس سے روک دے اس سے رک جاؤ۔''②

4 ﴿فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَنْ تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾

''جو لوگ آپ ﷺ کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہیں انہیں ڈرتے رہنا چاہیے کہ مبادا فتنہ میں مبتلا ہو جائیں یا دردناک عذاب انہیں اپنی لپیٹ میں لے لے۔''③

5 ﴿وَإِنْ تُطِيعُوهُ تَهْتَدُوا﴾

''اور اگر رسول ﷺ کی اطاعت کرو گے تو ہدایت پاؤ گے۔''④

6 ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ﴾

''اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی۔''⑤

7 ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَلَا تُبْطِلُوا أَعْمَالَكُمْ﴾

''اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور اپنے اعمال باطل نہ کرو۔''⑥

① الاحزاب: 21. ② الحشر: 7. ③ النور: 63. ④ النور: 54. ⑤ النساء: 59. ⑥ محمد: 33.

یہ آیات مشتے نمونہ از خروارے ہیں ورنہ اس مفہوم کی بیسیوں اور آیات پیش کی جا سکتی ہیں۔ مندرجہ بالا آیات واضح طور پر بتاتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ صرف اس لیے مبعوث نہیں کیے گئے کہ محض کتاب اللہ کے الفاظ پڑھ کر سنائیں۔ بلکہ آپ ﷺ کا مقصدِ بعثت یہ ہے کہ وہ قرآن کریم کی تشریح کریں۔ قرآن پر جیسے عمل کریں ہم پورا پورا آپ کا اتباع کریں۔ حضور ﷺ اپنے قول و عمل سے ہمیں جو کچھ دیں اسے سرمایہ زندگی سمجھیں اور جس سے منع فرمائیں اس سے بلا تامل رک جائیں۔ حضور ﷺ کی فرمانبرداری ہی ہدایت ہے اور آپ ﷺ کی مخالفت سے ملتِ اسلامیہ کسی خطرناک فتنے اور دردناک عذاب سے دوچار ہو سکتی ہے۔ ایک سچے مسلمان کے لیے اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ دونوں کے حکم کی بجا آوری ضروری ہے۔ کیونکہ رسول اپنے پاس سے کچھ نہیں کہتا وہ اللہ کے حکم سے ہی کہتا ہے۔ اللہ کی بات قرآن کو ماننا اور رسول ﷺ کی بات (حدیث) کو تسلیم نہ کرنا اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ میں تفریق کر دینے کے مترادف ہے جو منع اور حرام ہے۔

ہم ایک اور وضاحت کر دینا چاہتے ہیں۔ آپ اللہ کے رسول ﷺ تھے ڈاکیہ اور محض ایلچی نہ تھے۔ جیسا کہ بعض لوگوں نے سمجھ لیا ہے کہ آپ ﷺ بس قرآن کریم لائے اور امت کے حوالے کر کے چلے گئے۔ نہیں بلکہ آپ ﷺ قرآن کریم کے شارح ترجمان اور انسانی کائنات کے لیے رہبر کامل ہیں۔ مضمون کی وضاحت کے لیے قرآن ہی سے چند مثالیں پیش خدمت ہیں، ملاحظہ فرمائیے:

1 قرآن مجید میں حکم ہے:

﴿وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَآتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ﴾

"نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور رسول کی اطاعت کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔"[1]

قرآن کریم نے نماز اور زکوٰۃ کی عملی صورت نہیں بتائی۔ نماز کی تعداد رکعات، اوقات، شرائط اور ارکان وغیرہ نہیں بتلائے۔ اسی طرح قرآن کریم نے زکوٰۃ کا نصاب، ادائیگی کا طریقہ اور جملہ بیشمار تفصیلات نہیں بتائیں۔ جبکہ یہ سب کچھ آنحضرت ﷺ نے بتایا ہے جو سب کا سب احادیث میں موجود ہے۔

2 قرآن کریم میں ہے:

﴿وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ﴾

"اور اللہ کے لیے لوگوں پر بیت اللہ کا حج فرض ہے۔"[2]

قرآن کریم نے یہ نہیں بتایا کہ حج کن لوگوں پر فرض ہے؟ ایک دفعہ فرض ہے یا ہر سال؟ حج کے احکام اور طریقے کیا ہیں؟ ان تمام باتوں کا جواب حضور ﷺ کی حدیث مبارکہ سے ملے گا۔

3 ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ﴾

"اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کر دیے گئے ہیں۔"[3]

روزے کے متعلق بعض چیزیں قرآن نے بتائیں اور بہت سی چیزوں کو نبی کریم ﷺ پر چھوڑ دیا۔ چنانچہ حضور اکرم ﷺ نے ان کے متعلق ضروری احکام و مسائل بیان فرمائے۔ جو حدیث میں ہی ملتے ہیں۔

4 اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ﴾

① النور: 56. ② آل عمران: 97. ③ البقرة: 183.

''نبی ان پر پاکیزہ چیزیں حلال اور ناپاک چیزیں حرام ٹھہراتا ہے۔''[1]

قرآن مجید میں گدھے، کتے، پھاڑنے والے جانوروں اور پنجے دار پرندوں کے متعلق کوئی حکم نہیں۔ ان کو آنحضرت ﷺ نے حرام قرار دیا۔ دیکھئے کتب حدیث۔

5 قرآن کریم میں ہے:

﴿اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَیْكُمُ الْمَیْتَةَ وَ الدَّمَ﴾

''اللہ نے تم پر مردار اور خون حرام کیا ہے۔''[2]

مگر آنحضرت ﷺ نے ٹڈی، مچھلی اور تلی کو حلال قرار دیا۔ ٹڈی اور مچھلی بیشک مردہ ہوں حلال ہیں اور تلی منجمد خون ہے جو حلال ہے۔

6 اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَ السَّارِقُ وَ السَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْۤا اَیْدِیَهُمَا﴾

''چوری کرنے والے مرد اور عورت کا ہاتھ کاٹ دو۔''[3]

آیت میں ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا مگر یہ نہیں بتایا کہ ہاتھ کہنی تک کاٹا جائے یا کندھے تک۔ جبکہ عربی زبان میں پورے بازو کو ''ید'' کہتے ہیں۔ آیت میں یہ وضاحت بھی موجود نہیں کہ مال کی کم از کم کتنی مقدار ہو جس میں چور کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔ اور محض یہ حکم دیا کہ ''چور کا ہاتھ کاٹ دو۔'' نیز قرآن نے یہ بھی نہیں بتایا کہ یہ سزا دینے کا مجاز کون ہے۔ ان تمام باتوں کی تفصیل حضور ﷺ نے بیان فرمائی جو حدیث شریف میں ہے۔

یہ بات غلط اور سو فیصد غلط ہے کہ محض ادب اور لغت کے سہارے پر قرآن کریم کا صحیح مفہوم حاصل ہوسکتا ہے۔ مثال کے طور پر ''صلوٰۃ'' کا لغوی معنی

[1] الاعراف: 157۔ [2] البقرۃ: 173۔ [3] المائدۃ: 38۔

''عاجزی سے دعا کرنا'' اور تحریک الصَّلوَین (چوتڑوں کو ہلانا) ہے اور زکوٰۃ کا لغوی معنی ''پاک کرنا''۔ صوم کا معنی ''بند رہنا، رک جانا'' اور حج کا ''قصد اور ارادہ کرنا ہے۔''

اب آپ ہی فرمائیے کہ ایک آدمی دعا کرتا ہے یا اپنے چوتڑوں کو حرکت دے کر رقص کرتا ہے۔ یا اپنے کپڑے دھو کر پاک کر لیتا ہے۔ یا بیوی کے پاس نہیں جاتا یا بچوں سے بات چیت بند کر دیتا ہے اور کاروبار پر جانے سے باز رہتا ہے اور اپنے شہر سے کسی دوسرے شہر جانے کا قصد و ارادہ کرتا ہے۔ تو کیا ایسا شخص ارکان اسلام پر عمل کر رہا ہے؟

کل کو ایک شخص قرآن کی سچ مچ یونہی تفسیر شروع کر دے تو آپ اسے کیونکر روک سکتے ہیں؟

ہمارے ایک دوست ہیں وہ قرآن مجید میں لفظ ''خنزیر'' سے مراد سور نہیں لیتے۔ کہتے ہیں اس بیچارے جانور نے کیا قصور کیا ہے جو اسے حرام سمجھیں، ''خنزیر'' سے مراد تو گلا سڑا گوشت ہے (آج کل قرآن کی اس قسم کی تشریحات بھی شروع ہو چکی ہیں۔) ہمارا عقیدہ ہے کہ اللہ نے قرآن کی پوری حفاظت فرمائی ہے، الفاظ کی حفاظت بھی اور معنی کی حفاظت بھی۔ اب کوئی شخص قرآن میں نقب نہیں لگا سکتا۔ نہ اس کی لفظی تحریف کر سکتا ہے نہ معنوی۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے خادم (یَنْصُرُهُمُ اللّٰهُ) ہمہ وقت پہرہ دے رہے ہیں اور وہ قرآن و حدیث میں کسی تحریف یا کسی اضافہ و ترمیم کے روادار نہیں۔

مقامِ حیرت ہے کہ محض لغوی تفسیر کے بھیانک نتائج و عواقب سامنے آ جانے کے باوجود ہمارے منکرینِ حدیث دوست پھر بھی مصر ہیں کہ ہم قرآن کو حدیث

سے نہیں سمجھیں گے۔ ہم تو بس لغت، ادب اور اپنی عقل سے سمجھیں گے۔ یہاں پر ہم سوائے اس کے اور کیا کہہ سکتے ہیں کہ ۔

بریں عقل و دانش بباید گریست

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بڑھ کر قرآن کو کون سمجھ سکتا ہے؟ اپنی وسعت علم کے باوجود وہ بھی قرآن فہمی میں حدیث ہی کے محتاج تھے۔ بعض اوقات کسی صحابی رضی اللہ عنہ نے بوجہ حدیث معلوم نہ ہونے کے مجبوری سے قرآن پر عمل کیا تو صحیح مطلب سمجھنے میں ٹھوکر کھائی۔

قرآن کریم میں ارشاد ہے: ''وضو کے لیے پانی نہ مل سکے تو مٹی سے تیمّم کرلو۔''[1]

ایک صحابی رضی اللہ عنہ کو تیمّم کی کیفیت معلوم نہ تھی۔ ایک دفعہ انہیں غسل کی حاجت پیش آئی، پانی نہ ملا تو مٹی میں لیٹنے لگے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچ کر یہ واقعہ عرض کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں تیمّم کا طریقہ بتایا۔[2]

اسی طرح صحابہ رضی اللہ عنہم کو حسبِ ذیل آیات کے صحیح مفہوم سے آگاہی نہ تھی:

﴿ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ لَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ ﴾

''جو لوگ ایمان لائے اور اپنے ایمان کے ساتھ ظلم کی ملاوٹ نہ کی۔''[3]

وہ سمجھے کہ ظلم سے مراد شاید عام کوتاہی، زیادتی وغیرہ ہے لیکن جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک یہ بات پہنچی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہاں ظلم سے مراد شرک ہے۔''[4]

مقصد یہ کہ قرآنی احکام کو سمجھنے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریح کی بڑی اشد

[1] النساء: 43. [2] بخاری، کتاب التیمم، باب التیمم هل ینفخ فیهما، رقم: 338. [3] الانعام:82. [4] بخاری، کتاب احادیث الانبیاء، باب قول اللّٰه تعالیٰ: واتخذ اللّٰهُ ابراهیم...... رقم:3360.

ضرورت ہے ورنہ "يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا" والی بات بن جاتی ہے۔

آنحضرت ﷺ نے جو قرآنی تشریحات فرمائیں اور احکام صادر فرمائے وہ بھی من جانب اللہ تھے۔ اور یہ امور آپ ﷺ پر بذریعہ وحی نازل ہوتے تھے۔ اہل علم کی اصطلاح میں اس قسم کو "وحی خفی" یا "وحی غیر متلو" کہا جاتا ہے۔ وحی کی یہ قسم حدیث کہلاتی ہے۔

بیت المقدس کا قبلہ قرار دیا جانا، نماز جمعہ کے لیے اذان کا تفصیلی ذکر اور خوف وامن کی نماز اور اس کا فرق وغیرہ وہ چیزیں ہیں جن کا تفصیلی حکم اور طریقہ قرآن کریم میں نہیں ملتا۔ ظاہر ہے اس بارے میں اللہ تعالیٰ نے وحی خفی (حدیث) کے ذریعے آپ ﷺ کی راہنمائی فرمائی تھی اور حدیث ترک کرنے سے کسی بات کی صحیح تعبیر نہیں ہوسکتی۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ قرآن فہمی کے لیے اور اسلام کی صحیح صورت جاننے کے لیے حدیث مبارکہ کی از حد ضرورت ہے۔ حدیث کے بغیر نہ قرآن سمجھا جاسکتا ہے نہ اسلام۔

باب: 8

قرآن وحدیث کا باہمی تعلق

قرآن وحدیث کا باہمی تعلق

حدیث کی جانچ پرکھ کا ایک طریق

قرآن وحدیث کا باہمی تعلق

قرآن اور حدیث کا آپس میں بڑا گہرا تعلق ہے۔ ان کا باہمی تعلق وہی ہے جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا ہے۔ دونوں کا ماننا، دونوں کا تسلیم کرنا اور دونوں پر ایمان لانا ضروری ہے۔ کسی ایک کا انکار دونوں کے انکار کے مترادف ہے۔

جس طرح وہ لوگ جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ میں فرق کرتے ہیں راہ سے ہٹ گئے۔ اسی طرح وہ لوگ جو قرآن اور حدیث میں فرق کرتے ہیں وہ گمراہ ہو گئے۔ دونوں کے لیے قرآن وحدیث کا ماننا اور اپنانا ضروری ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ﴾

''اگر تم کسی مسئلے میں اختلاف آراء ہو جاؤ تو فیصلے کے لیے اللہ اور رسول کی طرف لوٹ جاؤ۔''[1]

مفسر قرآن جناب میمون بن مہران فرماتے ہیں کہ یہاں اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹانے سے مراد اللہ کی کتاب یعنی قرآن مجید کی طرف لوٹانا ہے جبکہ اس کے رسول کی طرف لوٹانے سے مراد آپ ﷺ کے فرامین، آپ ﷺ کی سنت ہے۔[2]

قرآن متن ہے، حدیث تشریح ہے۔ قرآن اجمال ہے، حدیث تفسیر ہے۔

قرآن نور ہے حدیث اس نور کو ظاہر کرتی ہے۔

---

[1] النساء: 59. [2] تفسیر طبری 189/4.

بعض کہتے ہیں کہ چونکہ قرآن نور ہے لہٰذا یہ کسی خارجی روشنی کا محتاج نہیں۔ مطلب ان کا یہ ہے کہ قرآن کی تشریح کے لیے حدیث کی سرے سے ضرورت نہیں۔ لیکن اس نور کی وہ خود تشریح کرنے بیٹھ جاتے ہیں۔ نیز یہ لوگ بیشک حدیث کا انکار کرتے ہیں مگر حدیث کو بھی روشنی کہنے پر مجبور ہیں۔ اگرچہ ''خارجی روشنی'' ہی کہتے ہیں۔

آیئے ہم عرض کریں مثال کے طور پر آنکھ بجائے خود ایک نور ہے مگر یہ نور اس وقت تک کام نہیں دے سکتا جب تک کمرہ روشن نہ ہو۔ جب تک آپ کمرہ روشن نہ کریں۔ دھوپ نہ ہو یا بلب نہ جلائیں، یہ آنکھ کا نور آپ کو فائدہ نہیں دے سکتا۔ اسی مثال سے قرآن اور حدیث کے باہمی تعلق کو سمجھیے۔ قرآن بیشک نور ہے۔ مگر یہ نور حدیث کی روشنی کے بغیر مطلق فائدہ نہیں دے سکتا جب تک آپ حدیث کا سہارا اور مدد نہ لیں گے۔ اس وقت تک محض قرآن سے نہ آپ کے سامنے پردے اٹھیں گے اور نہ آپ قرآنی حقائق تک پہنچ سکیں گے۔

جس اللہ نے نبی ﷺ کو قرآن دیا اسی اللہ نے نبی ﷺ کو اس کا مفہوم بھی بتایا ورنہ بغیر مفہوم کے محض الفاظ نازل کردینا چنداں مفید نہ تھا۔ یہ قرآن اسی صورت میں مفید ہوسکتا تھا جبکہ اس کے الفاظ بھی بھیجے جاتے اور اس کا مفہوم بھی بتایا جاتا۔ چنانچہ اللہ نے اپنے نبی ﷺ کو دونوں چیزیں بتادیں۔ قرآن بھی اور اس کا مفہوم بھی۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ ۝ فَإِذَا قَرَأْنَاهُ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ ۝ ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ﴾

''بے شک اس قرآن کو (آپ کے دل میں) جمع کرنا اور زبان سے

پڑھوا دینا ہمارے ذمہ ہے۔ پھر جب ہم پڑھوا چکیں تو پھر اسی طرح پڑھا کریں۔ بعد ازاں اس کا مطلب سمجھا دینا بھی ہماری ذمہ داری ہے۔"[1]

معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو صرف قرآن ہی نہیں دیا بلکہ اس کا بیان بھی آپ ﷺ کو عطا فرمایا ہے جو لامحالہ حدیث ہی ہے۔ محض قرآن کے الفاظ کو دہرا دینے کا نام بیان نہیں بلکہ بیان میں ان قرآنی الفاظ کا مفہوم ومطلب بتانا، اس کی شرح وتفسیر، اس کی حکمت اور طریق بتانا سب شامل ہے۔

بہر حال قرآن اجمال ہے اور حدیث اس کی تفسیر۔ حدیث سے بے نیاز ہو کر قرآن سمجھنے کی کوشش کبھی کامیاب نہیں ہو سکتی۔ قرآن کی بغیر پیغمبر ﷺ کی رہنمائی کے، خود تفسیر کرنے کی مثال ایسے ہی ہے کہ جیسے کوئی مریض ڈاکٹر کی دوکان (کلینک) میں جا کر ڈاکٹر کو الگ بٹھا دے اور خود ہی ادویہ چھانٹنے لگے۔ یقیناً یہ بڑی جسارت اور عظیم ظلم ہوگا۔ قرآن کی تشریح پیغمبر ﷺ کے بغیر کرنا اس سے بھی بڑی نادانی ہے کہ شارح اور مفسر قرآن کو تو الگ کر دیا جائے اور خود ہی اس کی تشریح وتفسیر شروع کر دی جائے۔

بیشک قرآن علوم ومعارف کا بحر بیکراں ہے۔ مگر اس کے صحیح شناور حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ہی ہیں کیونکہ اللہ نے آپ ﷺ کو قرآن بتایا بھی اور سمجھایا بھی۔ آپ ﷺ کی تشریح من جانب اللہ ہونے کی وجہ سے صحت کے یقینی درجے کو پہنچی ہوئی ہے اور قرآن مجید کو سمجھنے کے لیے نبوی تشریح کی ضرورت ہے اور وہی حدیث ہے۔ پس معلوم ہوا کہ قرآن اور حدیث کا چولی دامن کا ساتھ ہے، دونوں لازم و ملزوم ہیں۔ ایک کو دوسرے کے بغیر سمجھا ہی نہیں جاتا۔ جو یہ کوشش کرے گا ناکام و

[1] القیامۃ:17 تا 19.

نامراد رہے گا۔

حفاظت قرآن کا مسئلہ

اللہ تعالیٰ کا دعویٰ ہے کہ ہم نے قرآن اتارا اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ﴾ ①

عام طور پر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ شاید اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں محض قرآن کے الفاظ کی حفاظت کا دعویٰ کیا ہے، مگر یہ صحیح نہیں۔ کیونکہ محض الفاظ کی حفاظت بے مقصد ہو کر رہ جاتی ہے۔ جب تک اس کے ساتھ مفہوم اور مطلب کی حفاظت نہ ہو۔

حفاظت قرآن کا صحیح مطلب یہ ہے کہ اللہ نے قرآن کے الفاظ کی حفاظت بھی کی اور قرآن کے مفہوم و مطلب کی حفاظت بھی فرمائی۔ یقیناً قرآن مجید الفاظ اور معانی ہر دو اعتبار سے جوں کا توں محفوظ ہے۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ یہ چودہ سو برس سے محفوظ ہے اور تا نورِ نیرّ ین محفوظ رہے گا۔ اس میں کوئی تبدیلی نہ ہوئی ہے اور نہ ہو سکتی ہے۔

ذرا غور تو فرمایئے! اگر ہم نے قرآن کے الفاظ کو تو مانا مگر اس کا معنی و مفہوم کو محفوظ نہ جانا تو پھر ہم نے قرآن کو کیا محفوظ مانا؟ کچھ بھی نہیں، یہ قرآن سے کیسی محبت ہوئی کہ اس کی حفاظت تک میں یقین نہ ہو۔ اور پھر یہ بھی دیکھیے کہ بھلا انسانوں کو زیادہ فائدہ الفاظ سے پہنچ سکتا ہے یا مطلب سے؟ ظاہر ہے مطلب سے۔ تو جب قرآن مجید کا مطلب یا مفہوم ہی محفوظ نہ ہوا تو لوگوں کو اس سے کیونکر فائدہ پہنچ سکتا ہے؟ بلکہ اس سے تو الٹا نقصان کا اندیشہ ہے، مثلاً:

① الحجر: 9.

ایک شخص آپ سے یہ کہتا ہے کہ قرآن مجید میں: ﴿وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ﴾ (البقرۃ: 34) سے مراد نیاز، فاتحہ، ختم، گیارھویں اور چہلم ہے۔

دوسرا کہتا ہے: ﴿وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ﴾ (البقرۃ:4) سے مراد حضور اکرم ﷺ کے اخیر میں آنے والا نبی، مرزا غلام احمد قادیانی ہے۔

تیسرا کہتا ہے کہ آیت: ﴿وَمَا اٰتَاكُمُ الرَّسُوْلُ﴾ (الحشر:7) میں آتَاكُمْ سے مراد حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت ہے کہ حضور ﷺ نے مسلمانوں کو یہی ایک چیز دی تھی۔

چوتھا کہتا ہے: ﴿اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ﴾ (النور: 56) میں 'الرَّسُوْلَ'' سے مراد ''مرکز ملت'' ہے (اور مرکزِ ملت بھی ان کا اپنا تراشیدہ)

پانچواں کہتا ہے: ﴿وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ﴾ (ایضاً) میں نماز سے مراد محض دعا ہے اور زکوۃ سے مراد دل کی صفائی ہے۔

چھٹا شخص کہتا ہے کہ اے لوگو! میں تمہارا امام بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ تم مجھے مانو۔ اتفاق سے اس کا نام نعیم ہو۔ اور وہ کہے: مجھے مت جھٹلاؤ قیامت کے روز ضرور میرے بارے میں تم سے باز پُرس ہوگی اور یہ آیت پڑھتا ہو: ﴿لَتُسْئَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيْمِ﴾ (التکاثر: 8) ''روز قیامت تم سے ضرور نعیم کے بارے میں پوچھا جائے گا، (کہ تم نے اسے مانا تھا یا نہیں)۔'' علیٰ ہذا القیاس۔ اب آپ ہی بتائیے۔ آپ کس بل پر ان ''مفسرین'' کو خاموش کرائیں گے؟ اور کس طرح ان مؤوّلین کا ناطقہ بند کریں گے؟ اپنی تفسیر سے یا نبوی تفسیر سے؟

یہاں یہ نکتہ دوبارہ ذہن میں لائیے کہ اگر قرآن کے الفاظ محفوظ ہوئے اور مفہوم محفوظ نہ ہوا تو ایسے مفسروں کو من مانی تفسیر سے کیسے روکا جا سکے گا؟ لہٰذا

ثابت ہوا کہ قرآن کے الفاظ کے ساتھ اس کا مفہوم بھی حفاظتِ قرآن میں داخل ہے۔ ورنہ قرآن مجید کا معنی، مفہوم اور مطلب ہی متعین نہیں ہوسکتا اور نہ کوئی شخص منشائے قرآن پر عمل کرسکتا ہے۔

جو شخص قرآن کی تعبیر وتشریح یعنی حدیث نبوی سے متنفر ہو وہ نہ ﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ﴾ الآیۃ پر ایمان رکھتا ہے اور نہ اس کے مفہوم سے آگاہ ہے۔

منکرین حدیث کی بنیادی غلطیاں

ہمارے کچھ دوست ''اتباعِ حق'' کے جوش میں حدیث کا انکار کرتے ہیں، کچھ لوگ اسلامی احکامات اور پابندیوں سے جان چھڑانے کے لیے حدیث سے جان چھڑاتے ہیں۔ اور کچھ دوست مسلمانوں کی مذہبی منافرت یا مولوی صاحبان کے رویے سے دل برداشتہ ہوکر حدیث سے بدظن ہوجاتے ہیں۔ انکار حدیث کے اور بھی کئی عوامل ہیں۔ مگر اس وقت ہمیں یہ بتانا ہے کہ ان جملہ منکرین حدیث کی بنیادی غلطیاں کون سی ہیں۔

غور کرنے سے اس طائفہ کی حسبِ ذیل بنیادی غلطیاں ہمارے سامنے آتی ہیں:

پہلی غلطی

منکرین حدیث کی پہلی غلطی یہ ہے کہ وہ حضرت رسول اکرم ﷺ کا صحیح مقام سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے۔ وہ آپ ﷺ کو ایک ایلچی اور ڈاکیے سے زیادہ نہیں سمجھتے۔ یعنی جس طرح ڈاکیا آتا ہے اور خط دے کر چلا جاتا ہے، اسی طرح محمد (ﷺ) آئے اور قرآن دے کر چلے گئے۔

حالانکہ حضور اکرم ﷺ مبیّن، مفسّر، متبوع، مُطاع، رہبر، راہنما، ہادی، بشیر،

نذیر، داعی، سراج منیر، رحمۃ للعالمین اور خاتم النبیین ﷺ کی شان کے حامل ہیں۔ آپ ﷺ کے یہ اور اس طرح کے اور متعدد اوصاف خود قرآن مجید نے بیان کیے ہیں جنھیں ماننا ضروری ہے اور آپ ﷺ کے اوصاف و کمالات کا انکار، مقام رسالت کا انکار ہے اور منکرین حدیث اس کے مرتکب ہیں۔

دوسری غلطی

منکرین حدیث کی دوسری غلطی یہ ہے کہ وہ قرآن مجید کے علاوہ وحی کا انکار کرتے ہیں اور حدیث ان کے خیال میں وحی ہے نہ وحی کا حصہ، حالانکہ حدیث قرآن مجید کے علاوہ مستقل وحی ہے۔ حضور ﷺ کا اپنا ارشاد ہے:

«اَلَا اِنِّیْ اُوْتِیْتُ الْقُرْاٰنَ وَ مِثْلَهٗ مَعَهٗ»[1]

''خبردار! مجھے قرآن اور اس کی مثل ایک اور چیز بھی دی گئی۔'' اور وہ حدیث ہے۔

نبی اور غیر نبی میں امتیاز وحی سے کیا جاتا ہے۔ جیسا قرآن میں ارشاد ہے:

﴿قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ﴾

''یعنی میں بشریت میں تم جیسا ہوں۔ مگر میری طرف وحی کی جاتی ہے۔''[2]

چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اِنَّآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ كَمَآ اَوْحَيْنَآ اِلٰى نُوْحٍ وَّالنَّبِيّٖنَ مِنْۢ بَعْدِهٖ......﴾[3]

کتاب صرف چار پیغمبروں کو ملی۔ لیکن وحی سب نبیوں کو عطا ہوئی۔ جس سے صاف عیاں ہے کہ وحی کتاب کے علاوہ بھی ہوتی رہی ہے۔ مثلاً آدم علیہ السلام سے

[1] ابوداود، کتاب السنة، باب فی لزوم السنة، رقم: 4604 صحیح. [2] الکهف: 110.
[3] النسآء: 163.

کلام کیا:

﴿قُلْنَا يٰۤاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَ زَوْجُكَ الْجَنَّةَ﴾ ①

﴿يٰۤاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ﴾ ②

﴿وَنَادٰىهُمَا رَبُّهُمَاۤ﴾ ③

یہ سب وحی تھی، کتاب نہ تھی۔

نوح علیہ السلام سے کہا:

﴿وَ اُوْحِيَ اِلٰى نُوْحٍ اَنَّهٗ لَنْ يُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ﴾ ④

﴿فَاِذَا اسْتَوَيْتَ اَنْتَ﴾ ⑤

﴿يٰنُوْحُ اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ﴾ ⑥

یہ سارا کلام وحی تھا کتاب نہ تھا۔

ابراہیم علیہ السلام سے فرمایا:

﴿يٰۤاِبْرٰهِيْمُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا﴾ ⑦

﴿وَنَادَيْنٰهُ اَنْ يّٰۤاِبْرٰهِيْمُ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا﴾ ⑧

یہ سب کلام وحی تھا، کتاب نہ تھا۔

یعقوب علیہ السلام نے کہا:

﴿اِنِّيْۤ اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ﴾

''یعنی مجھے اللہ کی طرف سے وہ باتیں معلوم ہو جاتی ہیں جو تمہیں معلوم

① البقرة: 35. ② البقرة: 33. ③ الاعراف: 22. ④ هود: 36. ⑤ المومنون: 28.
⑥ هود: 46. ⑦ هود: 76. ⑧ الصّٰفّٰت: 104.

نہیں ہوتیں۔"[1]

یہ باتیں از قبیل وحی تھیں اور کتاب کے علاوہ تھیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے بارے میں فرمایا:

﴿وَ اَوْحَیْنَآ اِلَیْهِ لَتُنَبِّئَنَّهُمْ بِاَمْرِهِمْ هٰذَا﴾

"یعنی ہم نے یوسف کو وحی کی کہ ان کی غلطی پر ضرور انھیں متنبہ کرے گا۔"[2]

ملائکہ نے لوط علیہ السلام سے کہا:

﴿یٰلُوْطُ اِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ﴾

"اے لوط علیہ السلام! ہم تیرے رب کے پیغمبر ہیں۔"[3]

یہ بھی وحی تھی کتاب نہ تھی۔ اسی طرح اور انبیاء کی مثالیں بھی پیش کی جا سکتی ہیں کہ جن پر کتاب کے بغیر وحی آتی تھی۔ یہ تمام انبیاء کی وحی عینِ کتاب نہ تھی غیر کتاب تھی۔ تو اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب یہ تسلیم ہے تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی غیر کتاب کو تسلیم کرنے میں کون سی رکاوٹ ہے اور کون سا عذر مانع ہے؟

قرآن مجید میں ہے:

﴿وَاِذْ اَسَرَّ النَّبِیُّ اِلٰی بَعْضِ اَزْوَاجِهٖ حَدِیْثًا﴾[4]

اس واقعہ کا قرآن میں کہیں ذکر نہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ یقیناً قرآن کے علاوہ وحی تھی۔

ایک دوسری جگہ ارشاد ہے:

﴿فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰی وَ ثُلٰثَ وَ رُبٰعَ﴾[5]

مسلمانوں کو تو زیادہ سے زیادہ بیک وقت چار عورتوں سے نکاح کی اجازت

---

① یوسف: 96. ② یوسف: 15. ③ ھود: 81. ④ التحریم: 3. ⑤ النساء: 3.

ہے۔ مگر حضور ﷺ نے چار سے زیادہ نکاح کیے وہ نکاح کس وحی کی رُو سے کیے؟ وہ وحی قرآن میں تو نہیں۔ حضور ﷺ کا یہ فعل مبارک یقیناً غیر قرآنی وحی سے ہوا۔

آنحضرت ﷺ نے 17 ماہ تک بیت المقدس کو قبلہ بنائے رکھا۔ وہ کس کے حکم اور کس وحی سے تھا؟ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

«إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ لَمَّا هَاجَرَ إِلَى الْمَدِينَةِ أَمَرَهُ اللّٰهُ أَنْ يَّسْتَقْبِلَ بَيْتَ الْمَقْدَسِ ......» [1]

جبکہ یہ حکم وحی قرآن میں تو نہیں۔ معلوم ہوا وہ وحی قرآن کے علاوہ تھی اور وہ حدیث ہے۔

تیسری غلطی

منکرین حدیث کی تیسری غلطی یہ ہے کہ وہ علوم وفنون کے بغیر علمی اور معرکۃ الآراء مسائل میں طبع آزمائی کرتے ہیں۔ جو لوگ حدیث کی ایک سطر نہیں پڑھ سکتے وہ علم حدیث، اصول حدیث اور خدام حدیث پر بغیر علم وبصیرت کے لمبے چوڑے تبصرے کرتے ہیں۔

یہ ایک سادہ سی بات ہے کہ ایک شخص ایک فن کو جانتا ہی نہیں بھلا وہ اس پر کیسے رائے زنی کر سکتا ہے؟

ہماری بارہا ایسے لوگوں سے بات ہوئی کہ جو حدیث پر بے دھڑک نقد وجرح کرتے ہیں۔ اور وہ قرآن وحدیث، صرف ونحو، ادب، غرض ہر ہنر اور علم سے بے بہرہ ہیں، مطلق ناآشنا ہیں۔ مگر حدیث، فن حدیث، اصول حدیث، تاریخ حدیث وغیرہ پر یوں بحث کرتے ہیں جیسے ان علوم پر وسیع اور گہری نظر رکھتے ہوں۔

---

[1] طبری: 3/138.

آپ خود ہی بتایئے کہ ایک شخص انجینئرنگ کی ابجد سے بھی واقف نہیں۔ بھلا وہ کسی انجینئر کی خرابی کیسے نکال سکتا ہے۔ اسی طرح ایک شخص بغیر علم کے ایک ڈاکٹر، ایک سکالر، ایک قانون دان کے نقائص کیسے طشت از بام کر سکتا ہے، کبھی نہیں۔ جیسے کوئی اناڑی ان علوم اور ان علوم کے ماہرین پر کہ جنھوں نے اپنی زندگیوں کا عظیم حصہ ان علوم کی تحقیق وتحصیل اور خدمت میں بسر کیا، بحث نہیں کر سکتا اسی طرح وہ شخص جو قرآن واحادیث کے علوم وفنون سے آگاہ نہیں وہ حدیث اور محدثین کو تختۂ مشق نہیں بنا سکتا اور نہ ہی اس کا حق رکھتا ہے۔

یہ بات اصول اور قاعدے کی ہے کہ جو شخص جس فن سے آگاہ ہی نہیں، آشنا ہی نہیں، وہ اس میں بحث وتمحیص کیسے کر سکتا ہے۔ وہ شخص حدیث پر نقد و جرح کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے نہ اہلیت۔

بس منکرین حدیث کی یہ تیسری بڑی غلطی ہے کہ وہ ''فن تیراکی'' سے یکسر ناواقف ہونے کے باوجود قرآن وحدیث کے اتھاہ سمندر میں اترنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس کا جو نتیجہ ہے وہ عیاں ہے۔

یہ عام اصول ہے کہ آدمی ہمیشہ پہلے فن سیکھتا ہے پھر اس میں اترتا ہے۔ مگر یہ کس قدر ستم ظریفی ہے کہ علوم قرآن وحدیث سیکھے بغیر اس میں اترنے کی کوشش کی جاتی ہے اور دعویٰ مفکر ومفسر ہونے کا کیا جاتا ہے۔

چوتھی غلطی

منکرین حدیث کی چوتھی بنیادی غلطی یہ ہے کہ یہ تھوڑا بہت جو کچھ سیکھتے ہیں خود ہی اردو، انگریزی رسائل وکتب سے سیکھتے ہیں۔ کسی ماہر فن سے نہیں سیکھتے، اور نہ ہی سیکھنے کا جذبہ رکھتے ہیں۔ ان سب پر یہ کہ خود کو اعلیٰ درجے کا عالم سمجھتے ہیں۔ کبھی

تشریح کرتے ہیں، کبھی تفسیر بیان کرتے ہیں، بلکہ اجتہاد بھی کرنے لگ جاتے ہیں۔

آدمی کو چاہیے کہ اگر خود نظر نہ آتا ہو تو کم از کم ان ہی کی بات مان لے جنہیں نظر آتا ہے۔ مگر یہ کسی کی بات نہیں مانتے۔ بلکہ اپنی بات منوانے کی کوشش کرتے ہیں اور تاریکی کو روشنی اور روشنی کو تاریکی کہنے پر اصرار کرتے ہیں۔

ہم نفرت اور ضد سے نہیں بلکہ اپنے مطالعہ و مشاہدہ کی روشنی میں عرض کر رہے ہیں:

ایک دفعہ ایک اجلاس میں ایک منکرِ حدیث صاحب سے ہماری کچھ گفتگو ہوئی تو وہ ارکانِ اسلام کو خود تراشیدہ کہنے لگے۔

ایک اور صاحب کہنے لگے کہ دخولِ اسلام کے لیے کسی کلمہ کی ضرورت نہیں۔

ایک صاحب کہنے لگے کہ مساجد کی کوئی ضرورت نہیں۔ وہاں جانے اور جمع ہونے کا کوئی حکم نہیں۔ انہیں بند کر دینا چاہیے۔

ایک صاحب کہنے لگے کہ خنزیر حرام نہیں اور قرآن میں خنزیر سے مراد گلا، سڑا اور مضرِ صحت گوشت ہے۔ بس یہ خراب گوشت حرام ہے۔ ملّا لوگوں نے خواہ مخواہ خنزیر سے سور مراد لے لیا ہے۔

غرض اس اجلاس میں اس طائفہ کے جتنے ارکان تھے سبھی بجائے خود مجتہد تھے۔ مگر علمی حالت ان سبھی کی قابلِ رحم تھی۔ حدیث اور عربی زبان تو دور کی بات قرآن مجید کی ایک آیت بھی صحیح نہیں پڑھ سکتے تھے۔

ایک دفعہ ان کے ایک مفسّر سے شرف نیاز حاصل ہوا۔ اس کا حال بھی خاصا پتلا تھا اور سنا ہے اس نے کوئی تفسیر بھی لکھی ہے۔ یقیناً وہ بھی اسی کی مانند ہوگی۔

منکرین حدیث کی غلطیاں تو اور بھی ہیں لیکن ہم انہیں چار پر اکتفا کرتے ہیں

اور امید رکھتے ہیں کہ اگر یہ لوگ واقعی قرآن مجید کی خدمت اور تبلیغ و اشاعت کرنا چاہتے ہیں تو قرآن پر محنت کریں، صرف ونحو سیکھیں، عربی ادب سے شناسائی حاصل کریں اور قرآن کو حدیث کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش کریں اور صحیح طور پر سمجھنے کے بعد پھر اس کی اشاعت کریں۔

یہ راستہ ہے ذرا کٹھن اور طویل، مگر ہے صاف اور سچا، اس طرح اپنا بھی بھلا ہوگا اور دوسروں کا بھی فائدہ ہوگا۔ ورنہ وہی بات ہوگی، جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے قرب قیامت لوگوں کی حالت بیان فرمائی کہ ایسے لوگ ہوں گے: «فَضَلُّوْا وَاَضَلُّوْا»[1] یعنی جو خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔

ہم امید رکھتے ہیں کہ منکرین حدیث اپنے نظریات اور سرگرمیوں پر نظر ثانی کریں گے اور صحیح سمت کی جانب اپنا قدم اٹھائیں گے۔ وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغُ.

[1] بخاري، كتاب العلم، باب كيف يقبض العلم، رقم: 100.

حدیث کی جانچ پرکھ کا ایک طریق

بعض دوست حدیث کی صحت میں خواہ مخواہ شبہ پیدا کرتے ہیں۔ ورنہ اگر حضور ﷺ کی ان پیشگوئیوں ہی کو دیکھیں جو احادیث میں بیان ہوئی ہیں تو ان کے شکوک کے پردے چاک ہو جائیں، کیونکہ جملہ پیشگوئیاں پوری ہوئیں، کچھ پُوری ہو چکی ہیں اور کچھ پوری ہو رہی ہیں۔

تمام پیشگوئیوں کا استقصاء تو مشکل ہے مگر نمونے کے طور پر چند ایک بیان کی جاتی ہیں:

1. حدیث میں ہے کہ ارضِ حجاز سے ایک آگ نکلے گی جس کی روشنی بصرہ تک پہنچے گی۔"[1]

کتب ہائے تاریخ میں مذکور ہے کہ 5 جمادی الثانی 654ھ کو یہ آگ نکلی اور شیخ صفی الدین نے اس آگ کو دیکھا۔ تدوینِ کتب حدیث سے بحمد اللہ کوئی سوا چارسو سال بعد یہ پیشگوئی پوری ہوئی۔[2]

2. حدیث شریف میں ہے کہ "قسطنطنیہ مسلمانوں کے قبضے میں آئے گا۔"[3]

جس وقت موجودہ کتب ہائے حدیث وجود میں آئیں، قسطنطنیہ سلطنت پر عیسائی حکومت قائم تھی۔ اور 857ھ میں ترک سلطان محمد فاتح نے اس کو فتح کیا۔

[1] بخاري، كتاب الفتن، باب خروج النار، رقم: 7118. [2] تاريخ الإسلام للذهبي 15/48. [3] مسند احمد 4/335 حسن.

یہ فتح تدوین کتب سے پانچ سو برس بعد ہوئی۔ [1]

3 حدیث میں ہے ''حضور ﷺ نے شیبہ بن عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ کو بیت اللہ شریف کی چابیاں دیتے ہوئے فرمایا کہ یہ کنجیاں تمہارے ہاں رہیں گی مگر انہیں ایک ظالم تم سے چھین لے گا۔'' [2]

یہ فتح مکہ 8 ھ کی بات ہے۔ چنانچہ یہ پیشگوئی بھی پوری ہوئی اور ایک ظالم نے یہ کنجیاں چھینی تھیں۔

4 حدیث میں ہے حضور ﷺ نے فرمایا: ''میری امت میں تہتر فرقے ہو جائیں گے۔'' [3]

جب کتب حدیث مدوّن ہوئیں اس وقت چار پانچ فرقے تھے باقی فرقے آہستہ آہستہ وجود میں آئے جن کی تفصیل ''غنیۃ الطالبین'' میں دیکھی جا سکتی ہے۔

5 حدیث میں ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ''میری امت میں تیس کذاب نبی ہوں گے جو دعوائے نبوت کریں گے۔'' [4]

تدوین کتب حدیث کے وقت دو چار مدعیان نبوت ہوئے تھے۔ باقی سب (جھوٹے نبی) بعد کی پیداوار ہیں۔

6 حدیث شریف میں ہے حضور ﷺ نے فرمایا: ''ایک زمانہ قریب ہے جب ایک آدمی تکیہ لگائے بیٹھا ہوگا اور میری احادیث کا انکار کرے گا۔'' [5]

چنانچہ یہ حدیث تیرھویں صدی کے آخر میں پوری ہوئی۔ عبداللہ چکڑالوی بانی

[1] دیکھیں اٹلس فتوحات اسلامیہ 415۔ [2] دیکھیے مجمع الزوائد 466/3 وسندہ ضعیف.
[3] ابوداود، کتاب السنۃ، باب شرح السنۃ، رقم: 4596 حسن۔ [4] بخاری، کتاب المناقب، باب علامات النبوۃ فی الاسلام، رقم: 3609. [5] ابوداود، کتاب السنۃ، باب فی لزوم السنۃ، رقم: 4604.

فرقہ اہل قرآن (منکر حدیث) چار پائی پر تکیہ لگائے بیٹھا رہتا تھا اور احادیث کی تردید وتکذیب کیا کرتا تھا۔"[1]

ان پیشگوئیوں سے حدیثِ نبوی کی باقاعدہ تصدیق ہوتی ہے۔ جیسا کہ آپ مطالعہ فرما چکے ہیں۔

7 علاوہ ازیں سائنسی طریق سے بھی حدیث کی تصدیق کی جاسکتی ہے۔ سائنس دان کہتے ہیں "ہم جو الفاظ منہ سے نکالتے ہیں یہ فضا میں محفوظ ہوتے ہیں اور انہیں پکڑا جاسکتا ہے۔"

چنانچہ انہوں نے اس قسم کے تجربات کیے جو کامیاب ہوئے۔ یہ ریڈیو اور ٹی وی میں سنے جاسکتے ہیں۔ جو آدمی براڈ کاسٹنگ میں بیٹھ کر گفتگو کرتا ہے اس کے الفاظ فضا میں بکھر جاتے ہیں، ریڈیو اور ٹی۔ وی ان الفاظ کو فضا سے یوں چُن لیتا ہے جیسے مقناطیس سُچے اور کھرے سکوں کو چن لیتا ہے اور سامعین کے حضور میں پیش کر دیتا ہے۔ ہمیں بات کرنے میں دیر ہورہی ہے وہاں یہ دیر نہیں ہوتی۔

علمائے سائنس کا یہ دعویٰ بھی ہے کہ آج سے ہزاروں برس قبل جو جو باتیں ہوئی ہیں وہ بھی فضا میں محفوظ ہیں اور انہیں بھی سنا جاسکتا ہے۔ چنانچہ وہ اس کوشش میں مصروف ہیں اور ان کے تجربات جاری ہیں۔ اگر ان کے تجربات کامیاب ہوگئے تو مشاہیر امت کے اقوال سنے جاسکیں گے۔ اسی طرح ہم انبیائے کرام علیہم السلام کی تبلیغی مساعی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاداتِ گرامی اپنے کانوں سے سن سکیں گے۔ وثوق کے ساتھ یہ نہیں کہا جاسکتا کہ ان کی یہ کوشش کب تکمیل کے مراحل میں داخل ہوگی۔ بہر حال تجربات کے لیے غور ہورہا ہے اور اس بارے میں مشکلات پر قابو

[1] دیکھیں سلطان محمود محدث جلالپوری 68,67.

پانے اور رکاوٹوں کو دور کرنے کے بارے میں کاوشیں جاری ہیں۔

8 حدیث نبوی ﷺ کی تصدیق ایک اور طریق سے بھی ہوسکتی ہے وہ یوں کہ احادیث میں آتا ہے کہ حضور پاک ﷺ نے مختلف بادشاہوں کے نام تبلیغی خطوط تحریر فرمائے تھے اور اپنے نام نامی کی مہر بھی بنوائی تھی اور اس پر اسم شریف یوں کندہ تھا "محمد رسول اللّٰہ" یہ مُہر ان خطوط پر ثبت فرمائی تھی۔ ان خطوط میں ایک خط مقوقس شاہ مصر کے نام تھا۔ وہ نامہ مبارک 1858ء میں جوں کا توں مصر کی ایک عیسائی خانقاہ میں موجود تھا۔ یہ نامہ مبارک ایک فرانسیسی سیاح کے ہاتھ لگا۔ اس کے فوٹو سٹیٹ بہت سے ممالک میں ہوئے۔ اب یہ اصل نامۂ مبارک قسطنطنیہ میں محفوظ ہے۔ اس پر وہی مہر ثبت ہے جو کُتب حدیث میں ہے اور بعینہٖ وہی عبارت درج ہے جو محدّثین کرام رحمہم اللہ نے نقل کی ہے۔ علاوہ ازیں حضور ﷺ کے کچھ اور خطوط بھی دستیاب ہوئے ہیں جن سے حدیث کی خوب تصدیق وتائید ہوتی ہے۔ تفصیل کا یہ موقع نہیں۔

ہم بتانا یہ چاہتے ہیں کہ احادیث مبارکہ کا وجود متحقّق اور ثابت شدہ ہے۔

حدیث کی صحت وصداقت برحق ہے۔ حدیث سے انکار عقل، نقل، تجربہ، مشاہدہ، تاریخ، تحقیق کسی بھی اعتبار سے درست نہیں۔ حدیث سے انکار ان سب باتوں کے انکار کے مترادف ہے۔

حدیث کا انکار، حقیقت کا انکار ہے۔ حدیث کا انکار صداقت کا انکار ہے۔ روشن حقیقت کا انکار، ابدی صداقت کا انکار صبح درخشاں کا انکار، آفتاب عالمتاب کا انکار۔

منکرینِ حدیث کے اعتراضات کا جائزہ

منکرینِ حدیث کے اعتراضات کا جائزہ

منکرینِ حدیث کے اعتراضات کا جائزہ

ابھی آپ حدیث کی ضرورت و اہمیت کے بارے میں پڑھ چکے ہیں کہ حدیث کے بغیر قرآن سمجھنا، اسوۂ رسول ﷺ کا جاننا اور اسلامی طریقِ بود و ماند گزارنا محال ہے۔

اب ہم ضروری سمجھتے ہیں کہ منکرینِ حدیث کے ''مایۂ ناز'' اعتراضات کا جائزہ لیں۔ چنانچہ ذیل میں ہم ان کے 18 بڑے اعتراضات کا جواب ہدیۂ قارئین کر رہے ہیں۔ جہاں تک معلوم ہے ان اعتراضات کا علم و تحقیق سے کوئی تعلق نہیں۔ ہم یہ جواب اس لیے دے رہے ہیں تاکہ ہمارے انگریزی دان سیدھے سادھے بھائی منکرین حدیث کے دامِ فریب سے محفوظ رہیں، کبھی لاعلمی میں نقصان نہ اٹھا بیٹھیں۔

منکرین کے اعتراضات اور ہماری طرف سے جواب پیش ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے:

اعتراض 1: حدیث کا ذکر قرآن میں نہیں

حدیث پر بہت زور دیا جاتا ہے، حالانکہ پورے قرآن میں حدیث کا کہیں ذکر نہیں۔ ''حدیث'' ایک خودساختہ ذخیرہ ہے۔''

جواب

حدیث حضور ﷺ کے اقوال و افعال کو کہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ

کو حکم دیا کہ قرآن کھول کر بیان کرو۔

چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ﴾

''ہم نے تیری طرف قرآن نازل کیا ہے تاکہ تو اسے لوگوں کے لیے کھول کھول کر بیان کردے۔''[1]

بموجب حکمِ قرآنی حضور ﷺ نے قرآن کھول کر بیان فرمایا اور یہی حدیث ہے۔

ایک جگہ فرمایا:

﴿مَآ اٰتٰاكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا﴾

''یہ رسول ﷺ تمہیں جو کچھ دے وہ لے لو اور جس چیز سے منع کرے رک جاؤ۔''[2]

حضور ﷺ نے ہمیں قرآن اور قرآن کی شرح یعنی حدیث بھی دی۔

ایک تیسرے مقام پر ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ﴾

''حضور ﷺ انہیں کتاب (قرآن مجید) حکمت سکھاتے ہیں۔''[3]

حکمت سے مراد حدیث ہے۔ آیت میں ''اَلْكِتَابَ'' کا الگ ذکر ہے اور ''اَلْحِكْمَةَ'' کا الگ۔ ایک جگہ ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَاِذْ اَسَرَّ النَّبِيُّ اِلٰى بَعْضِ اَزْوَاجِهٖ حَدِيْثًا﴾

① النحل: 44. ② الحشر: 7. ③ البقرہ: 129.

''جب نبی ﷺ نے بعض ازواج سے چپکے سے بات کی۔''[1]

آنجناب ﷺ کی یہ بات قرآن کے علاوہ تھی اور اسے ہی حدیث کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

اعتراض:2 قرآن میں ہر چیز کی تفصیل ہے تو پھر حدیث کی کیا ضرورت؟

جب قرآن ﴿تَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ﴾ ﴿وَتِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ﴾ ہے تو پھر حدیث کی کیا ضرورت باقی رہ جاتی ہے؟

جواب

اس سے مراد ہر چیز کے بنیادی اور اہم اصول ہیں نہ کہ ایک ایک جزئی۔

قرآن مجید میں دو قسم کی آیات کا ذکر ہے محکمات اور متشابہات۔ آیات محکمات واضح المعنی اور صریح الدلالہ ہیں اور متشابہات وہ آیات ہیں کہ جن کے معنی واضح نہیں۔ ان کی تشریح اس برتر ہستی پر چھوڑ دی جس نے قرآن پیش کیا۔ اسی طرح قرآن مجید میں نماز، زکوٰۃ، حج اور روزے کا ذکر ہے لیکن تفصیل مذکور نہیں جیسا کہ آپ بھی جانتے ہیں ان چیزوں کی تفصیل حدیث نبوی میں ملے گی۔ متعدد آیات ایسی ہیں جو خاص مواقع پر نازل ہوئیں لیکن قرآن میں ان کے شان نزول موجود نہیں۔ بہت سی حرام چیزوں کی حرمت اور حلال چیزوں کی حلت کا قرآن میں ذکر نہیں۔ ان اور ان جیسی دیگر بہت سی باتوں کی وضاحت کے لیے ہمیں حدیث ہی کی طرف رجوع کرنا ہوگا۔ حدیث کے بغیر وہ معلوم ہی نہیں ہوسکتیں۔ مثلاً ایک شخص مسلمان ہونا چاہتا ہے وہ کیسے اور کون سا کلمہ پڑھ کر مسلمان

[1] التحریم: 3.

ہوگا؟ ایک شخص مرغ ذبح کرنا چاہتا ہے وہ کیا کچھ پڑھ کر ذبح کرے گا؟ پھر مرغ کی حلت کا قرآن میں کہاں ذکر ہے؟ غرض قرآن دانی کے لیے حدیث کی ضرورت ہمیشہ رہی ہے اور رہے گی۔

 اعتراض: 3 قرآن آسان ہے، حدیث کے بغیر سمجھ آسکتا ہے

قرآن آسان ہے جیسا کہ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ﴾[1]

یہ احادیث کے بغیر بھی سمجھ میں آسکتا ہے۔ حدیث کی پیوندکاری کی ضرورت نہیں۔

جواب

اس کا جواب یوں تو اوپر آچکا ہے مزید سنیئے:

قرآن نے جو توحید و رسالت، آخرت، اسی طرح حرام، حلال اور معروف و منکر وغیرہ چیزوں کا ذکر کیا ہے انہیں سمجھنا بالکل آسان ہے۔ قرآن کوئی معمہ یا چیستان نہیں۔ نہ یہ کوئی گورکھ دھندا ہے یا کوئی مبہم یا معلق کلام کہ جس کا سمجھ میں آنا مشکل ہو۔ یہ آسان اور عام فہم کلام ہے۔ جو سمجھنے سے بآسانی سمجھ میں آسکتا ہے، بشرطیکہ کوئی صدق و اخلاص سے سمجھنے کی کوشش کرے۔

اسی طرح قرآن مجید کے باریک لطائف و دقائق جب ہم قرآن کی تشریح یعنی حدیث کی روشنی میں دیکھتے ہیں تو قرآن بالکل آسان دکھائی دیتا ہے۔ کیونکہ حدیث ہر مسئلے کی خوب وضاحت کردیتی ہے، کوئی تشنگی باقی نہیں رہنے دیتی۔

اگر قرآن بایں معنیٰ آسان ہے کہ بغیر حدیث کے یہ ٹھیک سمجھ میں آسکتا

[1] القمر: 17.

ہے تو براہ کرم ذرا ان آیات اور مسائل کی صرف قرآن ہی سے تشریح و وضاحت کیجئے، حدیث سے کوئی مدد نہ لی گئی ہو۔

1 ﴿لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِیْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ فَقِیْرٌ وَّ نَحْنُ اَغْنِیَآءُ﴾ ①

بتائیے یہ ارشاد کس موقع پر نازل ہوا؟ اور کون سے لوگوں کی بات کو خدا نے سنا؟ پورا واقعہ بیان کیجئے۔

2 ﴿یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ﴾ ②

فرمائیے حضور ﷺ نے کس چیز کو حرام کیا تھا؟ اور کیوں؟ واقعہ کیا ہے؟

3 ﴿قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِیْ تُجَادِلُكَ﴾ ③

بتائیے وہ عورت کون تھی؟ اور حضور ﷺ سے کس موضوع پر تبادلۂ خیال کر رہی تھی؟

4 ﴿وَاِذْ اَسَرَّ النَّبِیُّ اِلٰی بَعْضِ اَزْوَاجِهٖ حَدِیْثًا﴾ ④

وضاحت کیجئے کہ نبی ﷺ نے کب اور کونسی زوجہ محترمہ سے چپکے سے بات کی تھی؟ نیز وہ بات کیا تھی؟

5 ﴿عَبَسَ وَتَوَلّٰٓی o اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰی﴾ ⑤

آیات مذکور میں کس نابینا کا ذکر ہے؟ وہ کس لیے دربارِ رسالت میں حاضر ہوا؟ حضور ﷺ نے اس سے اپنا منہ کیوں موڑا؟

6 ﴿مَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ﴾ ⑥

① آل عمران: 181. ② التحریم: 1. ③ المجادلہ: 1. ④ التحریم: 3. ⑤ عبس: 2,1.
⑥ الحشر: 7.

جب دین بھی کامل ہے اور رسول ﷺ بھی کامل۔ تو فرمایئے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں ان درج ذیل جانوروں کی حلت یا حرمت کے بارے میں کیا حکم دیا ہے؟ صرف قرآن ہی سے بتایئے۔

شیر، ہاتھی، گینڈا، گھوڑا، گدھا، سور کی چربی، کتا، گیدڑ، لومڑی، بلّی، گائے، بھینس، اونٹ، بکری اور پرندے اس کے علاوہ ہیں۔

7 ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾[1]

اس آیت میں اسوۂ رسول ﷺ پر عمل کرنے کا حکم ہے۔ اور آپ کہتے ہیں کہ اسوۂ رسول ﷺ، قرآن اور محض قرآن ہے۔ اب براہِ کرم یہ بتایئے کہ پیدائش، شادی بیاہ اور تجہیز و تکفین کے مواقع پر حضور ﷺ کا کونسا مبارک نمونہ ہے؟ جس کے مطابق ملت اسلامیہ عمل کر کے سُرخرو ہو۔

8 ایک شخص قرآن کی صداقت کی قرآنی دلائل سے الگ کوئی خارجی دلیل طلب کرنے پر مصر ہے آپ اُسے کیسے مطمئن کریں گے؟ قرآن سے دلیل دیتے ہیں تو وہ قرآن کو مانتا نہیں۔

9 ایک ہندو مسلمان ہونا چاہتا ہے۔ مگر وہ کہتا ہے کہ میں کلمہ پڑھے بغیر مسلمان ہونا چاہتا ہوں۔ آپ کے نظریئے کے مطابق کیا وہ اس طرح دائرہ اسلام میں داخل ہو جائے گا؟ یا پھر کیسے داخل ہوگا؟

10 ایک کمیونسٹ اسلام قبول کرنا چاہتا ہے مگر وہ کہتا ہے کہ میری تحقیق یہ ہے کہ کلمہ توحید فقط "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه" ہے اور قرآن پچیس پاروں سے زائد نہیں ہے، اور نمازیں کل دو ہیں، ایک صبح، ایک شام، اور کوئی جانور حرام نہیں ہے، جس کو جی

[1] الاحزاب:21.

چاہے کھاتا ہوں، جس کو جی چاہے نہیں کھاتا۔ محمد (ﷺ) بلند اخلاق اور نیک آدمی تھے، لیکن ہم اپنی زندگی گزارنے کے لیے ان کے ''پرانے طریقوں'' کے پابند نہیں۔ ہم موجودہ ماحول اور نت نئے طریقوں اور اپنی خواہش کے مطابق زندگی گزاریں گے۔

فرمایئے! کیا ان عقائد و افکار کا حامل شخص مسلمان سمجھا جاسکتا ہے؟ اگر مسلمان ہے تو کیوں؟ نہیں ہے تو کیوں؟ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ.

ان سوالات کے جوابات محض قرآن مجید سے درکار ہیں اور حدیث کا کوئی سہارا نہ لیا گیا ہو۔ غالباً آپ شدید الجھنوں اور سخت پریشانیوں کا شکار ہو جائیں گے۔

ہم اگر مذکورہ دس سوالات کتاب و سنت کے کسی صحیح طالب علم سے کریں تو وہ دس منٹ کے اندر اندر ان کے ٹھیک جواب دے دے گا۔ ہم کہنا بھی یہی چاہتے ہیں کہ جو شخص قرآن کو حدیث کی روشنی میں سمجھے گا۔ یہ قرآن اس کے لیے آسان ہے۔ اور یہی ہے مطلب ﴿وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ﴾ [1] کا۔

ایک سمندر ہے جس میں بے شمار قیمتی اور نادر موتی ہیں اب انہیں نکالنا ہے۔ ظاہر ہے سمندر میں وہی کودے گا جو شناور ہوگا۔ تیراکی اور غوطہ خوری میں ماہر ہوگا۔ اناڑی سمندر میں کودے گا تو جان سے ہاتھ دھو بیٹھے گا۔ بعینہٖ یہی حال قرآن مجید کا ہے۔ جس میں لاتعداد بیش قیمت موتی اور جواہرات ہیں جنہیں وہی نکال سکے گا جو شناور، یعنی قرآن و حدیث کا ماہر ہوگا۔ اناڑی اگر کوشش کرے گا تو ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھے گا۔ ﴿يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا وَّ يَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا﴾ [2] قرآن ایک ہی ہے بعض اس کو صحیح سمجھ کر ساحل مراد تک جا پہنچتے ہیں اور بعض اس

① القمر: 17. ② البقرة: 26.

کو غلط طور پر سمجھ کر جادۂ حق کھو بیٹھتے ہیں۔

اعتراض: 4 قرآن کے سوا ہر لکھی چیز مٹانے کا حکم نبوی

حضور ﷺ نے قرآن کے سوا ہر چیز کے لکھنے سے منع کیا۔ اور جو لکھا تھا اسے مٹا دینے کا حکم دیا۔

جواب

1 منکرین ایک طرف حدیث کا انکار کرتے ہیں۔ مگر دوسری طرف اسی سے استدلال کرتے ہیں۔ ایں چہ بوالعجبی است؟

2 اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم حدیث لکھتے تھے۔ تب ہی تو حضور ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ كَتَبَ عَنِّيْ غَيْرَ الْقُرانِ فَلْيَمْحُهُ»

''جس نے مجھ سے ماسوائے قرآن کے کچھ لکھا، وہ اسے مٹا دے۔''[1]

3 اگر بات ایسے ہی ہے جیسے معترضین سمجھ اور سمجھا رہے ہیں تو بتلایئے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم جو حضور ﷺ کے اس قدر متبع اور فرمانبردار تھے آپ ﷺ کے اشارے پر جانیں قربان کر دینے کے لیے تیار ہو جاتے تھے، حضور ﷺ کے اس ارشاد کے بعد احادیث لکھنے سے باز آ گئے تھے؟ جبکہ انہوں نے بیسیوں نہیں سینکڑوں احادیث قلمبند کیں۔ جیسا کہ آپ پیچھے پڑھ چکے ہیں۔ حیرت ہے حضور ﷺ تو فرمائیں ''مت لکھو'' اور صحابہ رضی اللہ عنہم لکھتے چلے جائیں۔ یہ کیسی فرمانبرداری ہوئی؟

4 اصل بات یہ ہے کہ اوپر جو حدیث میں کتابت حدیث کی ممانعت ذکر ہوئی ہے بیشک یہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے۔ لیکن یہ خاص موقع و محل سے تعلق رکھتا ہے۔

[1] مسلم، كتاب الزهد، باب التثبت في الحديث......، رقم: 7510.

وہ یہ کہ شروع شروع میں لوگ قرآن بھی لکھتے تھے اور حضور ﷺ کے ارشادات بھی۔ حضور ﷺ کو خدشہ لاحق ہوا کہ پہلی کتابوں کی طرح کہیں قرآن میں بھی اختلاط نہ ہوجائے، چنانچہ آپ ﷺ نے لکھنے سے منع فرمایا۔ آپ ﷺ کا یہ منشا ہرگز نہ تھا کہ سلسلۂ کتابتِ حدیث ختم ہوجائے بلکہ آپ ﷺ کا مقصد قرآن اور حدیث کی عبارت کو باہمی التباس و اختلاط سے بچانا تھا۔ اور جب صحابہ رضی اللہ عنہم حضور ﷺ کے منشا کو سمجھ گئے تو حضور ﷺ نے کتابت حدیث کی اجازت دے دی۔ دیکھیے صحیح بخاری، مسند احمد، سنن ابی داؤد، مسند دارمی، سنن ترمذی، بلکہ حضور ﷺ نے خود حدیثیں لکھوائیں۔ دیکھیے نسائی، دارمی، موطأ امام مالک۔

5 منکرین حدیث استخفافِ حدیث کے لیے بہت سے حربے کام میں لاتے ہیں ان کا ایک حربہ یہ بھی ہے کہ احادیث میں تناقض اور تضاد پیش کیا جائے تاکہ یہ درجۂ صحت سے گر جائے۔ لیکن کتابت حدیث کے بارے میں ہم انہیں خاموش پاتے ہیں، یہاں سے استدلال نہیں کرتے۔ حالانکہ یہاں متضاد روایات مذکور ہیں: «لَا تَكْتُبُوْا» ''نہ لکھو'' اور «اُكْتُبُوْا» ''لکھو'' اور مطلب ان کا ہم نے بتا دیا ہے۔ یاد رہے کہ اس کی وضاحت پیچھے بھی بیان ہوچکی ہے۔

اعتراض: 5 نبی ﷺ پر جھوٹ بولنے والا جہنمی ہے، لہٰذا احتیاط ضروری ہے

حضور ﷺ نے فرمایا: جس نے مجھ پر جھوٹ بولا وہ جہنمی ہے۔''[1] جس قدر احادیث ہیں ان کی صحت یقینی نہیں، لہٰذا ہم یقین سے نہیں کہہ سکتے کہ فلاں ارشاد فی الواقع حضور ﷺ ہی کا ارشاد ہے۔ اگر ہم ایسا کہیں گے تو گنہگار بنیں گے۔

[1] بخاری، کتاب العلم، باب اثم من کذب علی النبی ﷺ، رقم: 107.

جواب

معترضین کہنا یہ چاہتے ہیں کہ ہم کسی حدیث پر انگلی رکھ کر یہ نہیں کہہ سکتے کہ فی الواقع یہ ارشادِ رسول ﷺ ہے۔ اس لیے یہ نہیں کہنا چاہیے کہ یہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے یا حضور ﷺ کی حدیث ہے۔ کیا خبر کہ وہ حدیث ہو یا نہ ہو، بلکہ امکانِ غالب ہے کہ وہ حقیقت میں حدیث نہ ہو۔ کیونکہ یہ تو محض محدّث کا خیال ہے۔ ان کا کہنا ہے جب غیر حدیث کو حدیث کہیں گے تو یہ پیغمبر ﷺ پر جھوٹ ہوگا جو مستوجب جہنم ہے۔

منکرین کی خدمت میں گزارش ہے کہ اول اوپر جو حدیث آپ نے بیان کی ہے آپ کے قاعدے کی رو سے کیا خبر کہ وہ حدیث نہ ہو۔ اور چونکہ آپ حضور ﷺ کی طرف ایک غلط بات کی نسبت کر رہے ہیں لہٰذا آپ جہنمی ہوں۔

دوم: ایک طرف حدیث کا انکار ہے دوسری طرف حدیث ہی سے استدلال ہے۔ یہ کیا کھیل ہے؟ حدیث کا انکار کرتے ہو تو استدلال نہ کرو، اگر استدلال کرتے ہو تو انکار نہ کرو۔

سوم: ہم تو جسے حدیث کہتے ہیں اس سے ہماری مراد واقعی حدیث ہوتی ہے۔ ہم آپ کی طرح شک وشبہ کا شکار نہیں ہوتے اور یہ سب اللہ کا لطف وکرم ہے۔ اللہ آپ کو بھی دولتِ اذعان ویقین سے نوازے۔

چہارم: حضور ﷺ کا مذکور الصدر ارشاد وضاعین کے بارے میں ہے۔ جن کا دھندا ہی احادیث وضع کرنا ہے یا من گھڑت احادیث پیش کرنا ہے۔ بیشک یہ بڑا جرم ہے۔

پنجم: حدیث میں مُتَعَمِّدًا کا لفظ غور طلب ہے یعنی ''جان بوجھ کر'' تو جان بوجھ کر حضور ﷺ پر جھوٹ بولنے والا جہنمی ہے۔ جو انجان عدمِ واقفیت کی بنا پر

کوئی وضعی حدیث پیش کر دے، اگرچہ اسے اپنا رویہ بہت جلد بدلنا چاہیے مگر وہ اس وعید میں نہیں آتا۔ علم ہوتے ہوئے حرام کا ارتکاب کرنا اور ہے اور جہالت میں ارتکاب چیزے دیگر است نیز کَذَبَ کا لفظ بتا رہا ہے کہ سچی روایات کا بیان کرنا دخول جنت اور اجر کا باعث ہے۔ جیسا کہ حدیث ہے:

«نَضَّرَ اللّٰهُ عَبْداً سَمِعَ مَقَالَتِي فَوَعَاهَا ثُمَّ بَلَّغَهَا عَنِّي»

''اللہ تعالیٰ اس شخص کو خوش وخرم اور ترو تازہ رکھے جس نے میرا کلام سنا، پھر اسے یاد کیا اور میری طرف سے دوسروں تک پہنچایا۔''[1]

اعتراض:6 سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا ''حسبنا کتاب اللہ'' کا اقرار

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ حدیث کو غیر ضروری سمجھتے تھے۔ چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ کا نعرۂ مستانہ حَسْبُنَا كِتَابُ اللّٰهِ.[2] تھا کہ ہمیں صرف قرآن ہی کافی ہے۔ ہم تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی پیروی کرتے ہیں اور بس۔

جواب

منکرین حدیث کا یہ بڑا اعتراض ہے۔ اس اعتراض میں بھی حدیث ہی کا سہارا لیا گیا ہے۔ یہ بھی حدیث کا اعجاز ہے کہ حدیث کے بغیر منکرین حدیث رہ نہیں سکتے۔ حَسْبُنَا كِتَابُ اللّٰهِ. کہنے سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی یہ قطعاً قطعاً مراد نہ تھی جو آج منکرین حدیث بتا رہے ہیں۔ یہ آپ رضی اللہ عنہ کا خاص جملہ ایک خاص موقع کے لیے تھا۔[3] اسے حدیث کا انکار قرار دینا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ پر بہت

[1] سنن ابن ماجه، حديث: 236 «حسن». [2] بخاري، كتاب العلم، باب كتابة العلم، رقم: 114. [3] اس کا مفصل جواب دیکھنے کے لیے ہمارے ادارے کی کتاب ''خلافت راشدہ'' ملاحظہ فرمائیں۔

بڑا اتہام ہے۔ ہم پوری ذمہ داری سے کہتے ہیں کہ یہ آپ رضی اللہ عنہ پر صریح بہتان ہے۔

بہر حال غور کیجئے اگر حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ حدیث کے نعوذ باللہ منکر تھے تو بتائیے کہ آپ رضی اللہ عنہ خود احادیث کیوں روایت کرتے تھے؟ حالانکہ آپ 539 احادیث کے راوی ہیں۔ صرف بخاری میں آپ رضی اللہ عنہ سے 60 احادیث مروی ہیں۔ بخاری میں سب سے پہلی روایت آپ رضی اللہ عنہ سے آئی ہے۔

یہ عجیب بات ہے کہ ایک طرف تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمائیں کہ "ہمیں کتاب اللہ ہی کافی ہے۔" اور دوسری طرف خود حدیثیں بیان کریں۔ کیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول اور عمل میں تضاد تھا؟ نیز اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ حدیث کی روایت اور کتابت جائز نہ سمجھتے تو اس سے استدلال، استنباط اور استخراج کیوں کرتے تھے؟ اور اگر آپ رضی اللہ عنہ حدیث کی اہمیت، ضرورت اور حجیت کے قائل نہ تھے تو آپ رضی اللہ عنہ نے احادیث کیوں روایت کیں؟ ان سے کیوں استنباط فرمایا؟ اور آپ رضی اللہ عنہ کے سامنے صحابہ رضی اللہ عنہم احادیث پیش بھی کرتے تھے اور کتابت بھی کرتے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے انہیں کیوں نہ روک دیا؟ اور حدیث کی روایت و کتابت میں باقاعدہ حصہ لینے والے دو ایک صحابہ رضی اللہ عنہم نہ تھے قریباً چار ہزار اصحاب رضی اللہ عنہم تھے، ان میں سے بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے تو پانچ پانچ ہزار احادیث جمع کیں۔ ان میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا اسم گرامی سر فہرست آتا ہے۔ ان کے بعد حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما، حضرت جابر رضی اللہ عنہ اور حضرت انس رضی اللہ عنہ وغیرہ کے نام آتے ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے نہ کسی کو کتابت سے روکا، نہ حفاظت سے، نہ روایت سے۔

ہاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ روایت حدیث میں بے حد محتاط تھے۔ جب کسی عام صحابی رضی اللہ عنہ کو حدیث بیان کرتے دیکھتے تو گواہ طلب فرماتے۔ اور جب بھی کسی

خاص صحابی رضی اللہ عنہ سے کوئی ایسی حدیث سماعت فرماتے جو آپ رضی اللہ عنہ نے نہ سنی ہوتی تو آپ رضی اللہ عنہ دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم سے باقاعدہ پوچھتے اور پھر ثبوت بہم پہنچنے پر اس حدیث کو قبول ہی نہ فرماتے بلکہ اپنی حرزِ جان بنا لیتے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ حدیث کے اخذ و قبول کے بارے میں جو اصول آگے جا کر وضع ہوئے ان کی بنیاد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ہی رکھی تھی۔ اور یہ آپ رضی اللہ عنہ کا امت پر بڑا احسان ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حَسْبُنَا كِتَابُ اللّٰهِ. کا جملہ کب، کن حالات میں فرمایا اور اس سے ان کا مقصد کیا تھا؟ ملاحظہ کیجیے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مرضِ وفات کے ایام تھے۔ چند صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے جن میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ اچانک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تکلیف میں دگرگوں اضافہ ہوگیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''قلم دوات لاؤ میں ایسی چیز حیطۂ تحریر میں دے دوں جس کے بعد تم گمراہ نہ ہوگے۔'' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا ''حَسْبُنَا كِتَابُ اللّٰهِ'' حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں اللہ کی کتاب کافی ہے۔ اور آپ رضی اللہ عنہ نے یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تکلیف کا احساس کرتے ہوئے فرمایا تھا۔

اب انصاف سے فرمائیے کہ یہ کہاں سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حدیث کو لائقِ حجت نہ جانا؟ یا پھر یوں کہیے کہ آپ رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں تو حدیث کو مانتے رہے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھیں بند ہونے کے قریب انکار کرنے لگ گئے۔ (نعوذ باللہ)

یہاں یہ بھی یاد رہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہمیں اللہ کی کتاب کافی ہے اور کتاب کا لفظ حدیث پر بھی بولا جاتا ہے یعنی کتاب اللہ قرآن اور حدیث دونوں کو بھی کہا جاتا ہے اور صرف قرآن کو بھی۔ قرائن سے پتا چلتا ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی مراد

صرف قرآن ہی نہیں بلکہ نبی ﷺ کی حدیث بھی تھی یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حسبنا کتاب اللہ کہہ کر اس طرف اشارہ کرنا مقصود تھا کہ ہمارے لیے اللہ تعالیٰ کا قرآن مجید اور نبی ﷺ کی احادیث ہی کافی ہے مزید کسی چیز کی ضرورت نہیں۔

اس بات پر صحابہ رضی اللہ عنہم کا اجماع ہے کہ قرآن کے بعد حدیث کا درجہ ہے اور وہ سمجھتے تھے کہ حدیث کا ثبوت قرآن میں ہے۔ جیسا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور ایک خاتون کا واقعہ آتا ہے کہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس عورت سے فرمایا تھا: اللہ تعالیٰ گودوانے والیوں اور گودنے والیوں پر لعنت بھیجتا ہے، چہرے کے بال اکھاڑنے والیوں اور حسن کے لیے آگے کے دانتوں میں کشادگی کرنے والیوں پر لعنت بھیجتا ہے کہ یہ اللہ کی پیدا کی ہوئی صورت میں تبدیلی کرتی ہیں۔ یہ سن کر ایک عورت آئی اور کہنے لگی کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ اس طرح کی عورتوں پر لعنت بھیج رہے ہیں؟ سیدنا عبداللہ نے کہا: آخر کیوں نہ میں ان پر لعنت کروں جن پر رسول اللہ ﷺ نے لعنت کی ہے اور کتاب اللہ کے حکم کے مطابق وہ ملعون ہیں؟ اس عورت نے کہا کہ قرآن مجید تو میں نے بھی پڑھا ہے لیکن آپ جو کچھ کہہ رہے ہیں میں نے تو یہ بات قرآن میں کہیں نہیں دیکھی۔ اس پر سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: «لَوْ قَرَأْتِيهِ لَوَجَدْتِّيهِ» ''اگر تو نے بغور پڑھا ہوتا تو تمھیں یہ باتیں ضرور مل جاتیں'' کیا تو نے یہ آیت نہیں پڑھی: ﴿وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ﴾ کہ رسول اللہ ﷺ تمھیں جو کچھ دیں وہ لے لو اور جس سے منع کریں اس سے رک جاؤ۔[1]

اس نے کہا یہ آیت تو پڑھی ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آنحضرت ﷺ نے ان تمام چیزوں سے روکا ہے۔[2] حضرت عمر رضی اللہ عنہ صحابہ رضی اللہ عنہم سے الگ نہیں تھے

① الحشر: 7. ② بخاري، كتاب التفسير، رقم: 4886.

آپ کا بھی وہی نظریہ تھا جو جملہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا تھا۔ سرمُو فرق نہ تھا۔

اعتراض: 7 احادیث دوسری صدی میں لکھی گئیں!

احادیث دورِ نبوی سے قریباً دو سو برس بعد لکھی گئیں۔ اور جو چیز دورِ نبوی میں نہ ہو وہ بدعت کے زمرے میں آتی ہے۔

جواب

یہ اعتراض حدیث اور تاریخ دونوں سے بے خبری کی دلیل ہے۔ احادیث کی کتابت کا رواج دورِ نبوی میں ہو چکا تھا۔ حدیثیں حضور ﷺ کی اجازت سے لکھی گئیں۔ جو صحابہ رضی اللہ عنہم نے لکھیں، تابعین رحمہم اللہ نے لکھیں۔ تبع تابعین رحمہم اللہ نے تحریر فرمائیں۔ زیادہ وضاحت درکار ہو تو کتاب ہٰذا کا باب ''تدوین حدیث'' ملاحظہ فرمائیے۔

اعتراض: 8 اکثر احادیث دشمنانِ دین نے وضع کیں

احادیث چونکہ دشمنانِ دین نے وضع کیں۔ جیسا کہ تاریخ سے ثابت ہے، بنابریں یہ ناقابل عمل ہیں۔

جواب

بلاشبہ احادیث دشمنان دین نے بھی وضع کیں، مگر کون سی احادیث؟ یاد رہے کہ دشمنانِ دین نے وہ احادیث وضع کیں جو حضور ﷺ سے ثابت نہ تھیں، آپ ﷺ نے ارشاد نہ فرمائی تھیں۔ لیکن کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ کل احادیث ایسی تھیں؟ نہیں، ہرگز نہیں۔

جب اللہ تعالیٰ نے قرآن (الفاظ اور مفہوم دونوں) کی حفاظت کا ذمہ لے رکھا ہے تو کیا یہ ممکن تھا کہ وہ الفاظ کی حفاظت تو فرماتا اور معنی و مفہوم (جو نزول قرآن

کا مقصود حقیقی ہے) کی حفاظت نہ فرماتا؟ یقیناً اللہ نے الفاظ کی بھی حفاظت فرمائی اور معنی کی بھی۔ اور یہ دونوں کام انسانوں سے لیے۔ قرآن کے الفاظ بھی ہم تک انسانوں کے ذریعے سے پہنچے اور قرآن کے معانی بھی ہم تک انسانوں کی وساطت سے پہنچے۔ کچھ لوگوں سے اللہ نے وہ کام لیا اور کچھ لوگوں سے یہ کام لیا۔ جو دوست قرآن کی صحت میں شک کرتے ہیں انہوں نے صحابہ رضی اللہ عنہم پر طعن کیا۔ اور جو لوگ حدیث کی صحت میں شبہ کا شکار ہیں انہوں نے محدّثین پر الزام دھرا۔

ہمارا یہ ایمان ہے کہ اللہ عزوجل نے ائمہ حدیث کو پیدا ہی اسی لیے کیا تھا تاکہ وہ حدیث نبوی (جو قرآن کی شرح وتفصیل ہے) کی حفاظت فرمائیں، چنانچہ ائمہ حدیث رحمہم اللہ نے احادیث میں نقد و جرح کی۔ اور اس کی جانچ پرکھ کے لیے ایسے اصول وقواعد ایجاد کیے کہ باید وشاید۔ محدثین کرام رحمہم اللہ نے دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ کر دیا۔ انہوں نے جواہرات گراں مایہ، درر ہائے بیش بہا اور ریزہ ہائے زر وسیم سے سفال وخزف نکال دیئے اور اس کام کے لیے انہوں نے نہایت دیانت، اخلاص اور خدا خوفی کے ساتھ پوری انسانی کوششیں اور کاوشیں صرف کیں۔ انہوں نے احادیث صحیحہ کو روایات موضوعہ سے الگ کرنے کے لیے کوئی دو چار ہفتے نہیں بلکہ اپنی پوری زندگی کے لیل ونہار وقف کر دیے۔ براہ کرم تعصب سے الگ ہو کر ائمہ حدیث کی سیر وسوانح کا مطالعہ فرمائیں، کوئی بڑی بات نہیں کہ شکوک واوہام کے پردے چاک ہو جائیں۔ اور اگر کتاب ہٰذا کو دوبارہ پڑھ لیں تو وہ بھی فائدہ سے خالی نہ ہوگا۔ نیز شرح نخبۃ الفکر اور "مقدمہ ابن الصلاح" کا مطالعہ بھی بہتر رہے گا۔ بنگلوں اور دفتروں میں بیٹھ کر بخاری ومسلم رحمہما اللہ جیسے صنادید پر تنقید کرنا آسان ہے لیکن دشت تحقیق وتدقیق کی صحرا نوردی کرنا مشکل ہے۔ اس راہِ شوق میں گراں بہا قربانیوں کی ضرورت ہے۔ اور یہ ہر کسی کا کام نہیں۔

اعتراض:9 احادیث قرآن سے متعارض ہیں

بہت سی احادیث جن کی صحت کا دعویٰ کیا جاتا ہے قرآن سے ٹکراتی ہیں۔مثال کے طور پر ''اصح الکتب بعد کتاب اللہ صحیح البخاری'' میں ہے کہ حضرت ابرہیم علیہ السلام نے تین جھوٹ بولے۔[1] جبکہ قرآن انہیں ﴿صِدِّيقًا نَّبِيًّا﴾[2] یعنی بہت سچا نبی کہتا ہے۔بتاؤ قرآن کو مانیں یا بخاری کو؟

جواب

ہمارے دوست قرآن اور حدیث کا تقابل کر کے دونوں میں تضاد دکھانے کی فکر میں رہتے ہیں۔جس کا مقصد امت مسلمہ کو سوائے انکار حدیث پر ابھارنے کے اور کچھ نہیں۔ہوسکتا ہے کہ کچھ دوست بزرگ براہ راست یہ جذبہ نہ رکھتے ہوں لیکن ان کے اس طریقِ فکر سے انکارِ حدیث کے جراثیم پرورش پاتے ہیں۔افسوس کہ ہمارے بزرگ مولانا مودودی جیسے بالغ النظر نے بھی کچھ اس قسم کی باتیں تحریر فرما دی ہیں۔ جس سے فتنہ مذکور کو تقویت مل سکتی ہے۔ملاحظہ فرمایئے: تفہیم القرآن 167/3۔

اگر قرآن اور حدیث کو سوچنے کا یہی انداز رہا تو کل کوئی ایسا فرقہ پیدا ہوجائے گا اور کہنا شروع کردے گا کہ قرآن میں بعض آیات بعض سے متصادم ہیں، لہٰذا قرآن پر اعتماد درست نہیں (العیاذ باللہ) اور ثبوت میں قرآن مجید کے اس طرح کے مقامات بھی پیش کرے۔مثلاً پہلا مقام:

﴿فَوَرَبِّكَ لَنَسْـَٔلَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ﴾

''قسم ہے تیرے رب کی! ہم ان سے ان کے اعمال کے بارے ضرور

[1] بخاری، کتاب احادیث الانبیاء، باب قول اللہ تعالیٰ: ﴿واتخذ اللہ ابراھیم خلیلا......﴾، رقم: 3358۔ [2] مریم:41.

سوال کریں گے۔''[1]

مگر دوسرے مقام پر ہے:

﴿فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُسْـَٔلُ عَنْ ذَنْۢبِهٖۤ اِنْسٌ وَّلَا جَآنٌّ﴾

''اس دن جن وانس سے ان کے گناہ کی بابت سوال نہ ہوگا۔''[2]

ایک اور مقام:

﴿اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰۤى اَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَاۤ اَيْدِيْهِمْ وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ﴾

''آج کے دن ہم ان کے منہ پر مُہر لگا دیں گے اور ہم سے ان کے ہاتھ باتیں کریں گے۔ اور ان کے پاؤں اپنے کیے دھرے کی شہادت دیں گے۔''[3]

جبکہ ایک دوسرے مقام پر ہے:

﴿يَّوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ اَلْسِنَتُهُمْ وَاَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾

''اس روز ان کے اعمال پر ان کی زبان، ہاتھ اور پاؤں بول بول کر گواہی دیں گے۔''[4]

تیسرا مقام:

﴿وَ اِنْ تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَ اِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِكَ قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ﴾

''اگر انھیں کوئی بھلائی ملتی ہے تو کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے

---

① الحجر: 92. ② الرحمٰن:39. ③ یٰس: 65. ④النور: 24.

اور اگر انھیں کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو کہتے ہیں کہ یہ آپ (محمد ﷺ) کی طرف سے ہے۔ آپ کہہ دیں کہ یہ سب (بھلائی و تکلیف) اللہ کی طرف سے ہیں۔''[1]

جبکہ دوسرے مقام پر ہے:

﴿مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ وَ مَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ﴾

''آپ کو جو بھلائی ملتی ہے وہ اللہ کی طرف سے ہے اور جو تکلیف پہنچتی ہے تیری اپنی نفس کی طرف سے ہے۔''[2]

چوتھا مقام:

﴿اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ﴾

''بے شک آپ جسے چاہیں ہدایت نہیں دے سکتے بلکہ اللہ ہی جسے چاہے ہدایت دیتا ہے۔''[3]

جبکہ دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ﴾

''بے شک آپ سیدھے راستے کی طرف ہدایت دیتے ہیں۔''[4]

حضرات ملاحظہ فرمایا آپ نے قرآن مجید کا ظاہری اختلاف و تضاد۔ کہیے اب کیا خیال ہے؟ حالانکہ قرآن کا دعویٰ ہے کہ یہ خدائی کلام ہے، لہٰذا اس میں کسی قسم کا کوئی اختلاف نہیں۔ چنانچہ ارشاد ہے:

[1] النساء: 78. [2] النساء: 79. [3] العنکبوت: 56. [4] الشوریٰ: 52.

﴿وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا﴾

''قرآن اگر خدائی کلام نہ ہوتا تو اس میں بہت تضاد و اختلاف ہوتا۔''[1]

ہمارا ایمان ہے نہ قرآن میں اختلاف ہے نہ صحیح حدیث میں تضاد۔ یہ دیکھنے میں اختلاف ہے حقیقت میں کوئی اختلاف نہیں۔ جیسے قرآن وحی ہے ویسے ہی حدیث بھی وحی ہے۔ دونوں وحی ہیں۔ اور دونوں حضور ﷺ پر منجانب اللہ نازل ہوئیں۔ بھلا وحی ہو اور اس میں تضاد؟ یہ کیسے؟ اگر قرآن و حدیث میں تضاد مانا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم وحی میں اختلاف مان رہے ہیں۔ جبکہ یہ بات عقل کے بھی خلاف ہے اور نقل کے بھی۔

غور فرمائیے مذکورہ اعتراض میں آیت اور حدیث میں بظاہر تضاد ظاہر کیا گیا ہے۔ جبکہ فی الواقع دونوں میں کوئی تضاد نہیں۔ دراصل حدیث کو صحیح طور پر سمجھنے کی کوشش نہیں کی گئی۔

حدیثِ کذبات ابراہیم سنداً صحیح ہے، یہ صحیح بخاری میں آئی ہے، ائمہ حدیث نے اس کی صحت یا اس کی عبارت پر کسی شک و شبہ کا اظہار نہیں فرمایا۔ معتزلہ جیسے پیروانِ عقل و خرد کو بھی اس حدیث پر اعتراض نہ ہوا۔

ائمہ حدیث اس امر میں قریباً متفق ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جھوٹ نہیں بولا۔ آپ علیہ السلام نے جو کچھ کیا تعریض اور توریہ کے طور پر کیا۔ دیکھنے میں وہ جھوٹ دکھائی دیتا تھا جبکہ نفس الامر میں وہ جھوٹ نہ تھا۔ وضاحت کے لیے امام ابن قیم رحمہ اللہ اور امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی صدق و کذب کے بارے میں گرانقدر تحقیقات ملاحظہ فرمائیے۔ دیکھیے مفتاح دار السعادہ (39/2) اور الجواب الصحیح

[1] النساء: 82.

لمن بدل دین المسیح (288/4) امید ہے بعد مطالعہ آپ کے دماغ سے کافی بوجھ ہلکا ہو جائے گا۔

جھوٹ کے لفظ سے پریشان نہیں ہونا چاہیے۔ حدیث میں جھوٹ ظاہری معنی میں کہا گیا ہے۔ یعنی وہ امور دیکھنے میں تو جھوٹ لگتے ہیں لیکن حقیقت میں جھوٹ نہیں ہیں۔ جیسے کہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کا سفرِ ہجرت میں ''هٰذَا الرَّجُلُ يَهْدِيْنِي السَّبِيْلَ''[1] ارشاد فرمانا تھا۔

جان بچانے کے لیے جھوٹ بولنا جائز ہے اور یہ توریہ کی قسم ہے، جیسا کہ قرآن مجید میں ہے کہ عالمِ مجبوری میں حرام (سور، مردار وغیرہ) کھا لینا جائز ہے۔[2]

لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ''کذبات'' تو بظاہر ہی ''کذبات'' تھے حقیقت میں نہ تھے۔ مثلاً بیوی کو بہن کہا تو یہ اسلامی رشتہ کی بنا پر کہا۔ کیونکہ بموجب حکمِ قرآنی ﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ﴾[3] تمام مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ اور باقی دو بظاہر ''جھوٹ'' خود قرآن میں ہیں کہ بتوں کو آپ علیہ السلام نے توڑا اور قوم کے پوچھنے پر فرمایا: یہ ان کے بڑے (گرو) نے کیا ہے۔''[4] نیز قوم نے جب آپ علیہ السلام کو میلے میں شریک ہونے کی دعوت دی تو آپ علیہ السلام نے ستاروں کی طرف دیکھ کر فرمایا: ''میں بیمار ہوں۔''[5] یہاں بیماری سے آپ علیہ السلام کی مراد قلق اور اضطراب و ہیجان ہے جو بمقابلہ شرک پیدا ہوا تھا۔ اور ستاروں کی طرف دیکھنا بھی ایک توریہ ہی تھا۔

اب آپ ہی انصاف سے فرمائیے یہاں قرآن اور حدیث میں کونسا تضاد، کون سا تناقض اور کون سا اختلاف ہے؟ جو آپ بتلانا چاہتے ہیں۔ ہم نے اس

① بخاری، کتاب مناقب الانصار، باب هجرة النبی ﷺ واصحابه الی المدينة، رقم: 3911.

② البقرة: 173. ③ الحجرات: 10. ④ الانبياء: 63. ⑤ الصّٰفّٰت: 89.

حدیث پر بہت سے ''محققین'' کی تنقیدات پڑھیں۔ ہمیں تو کچھ نہ ملا۔

حضرت یوسف علیہ السلام بھی تو نبی تھے جنہیں قرآن نے ﴿يُوسُفُ أَيُّهَا الصِّدِّيقُ﴾ [1] کہا ہے کیا آپ علیہ السلام نے شاہی پیمانہ بھائیوں کی بوریوں میں نہ چھپا دیا تھا؟ اور بھائیوں کو ''چور'' نہ بنا دیا تھا؟ خدا تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿كَذَٰلِكَ كِدْنَا لِيُوسُفَ﴾ [2] ''یہ حیلہ یوسف علیہ السلام کو ہم نے سکھلایا۔'' اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھی نور علم و دانش رب نے سکھایا تھا ﴿وَلَقَدْ آتَيْنَا إِبْرَاهِيمَ رُشْدَهُ﴾ [3] توریہ، تعریض، استعارے، کنائے کسی ادب کی جان ہوا کرتے ہیں۔ ہر نبی علم وادب میں کمال رکھتا ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام تو ویسے بھی اولوالعزم نبیوں میں سے تھے۔ انبیاء علیہم السلام کذب بیانی سے مبرّا ہوتے ہیں۔ اور حدیث و قرآن باہمی تصادم سے منزّہ ہیں۔ یہ صرف بات کو سمجھنے کا فرق ہے۔ نیت صاف اور طبیعت سلیم ہو تو ایسے اشکالات کو سمجھنا کوئی مشکل نہیں۔

اعتراض: 10 احادیث عقل کے خلاف ہیں

بے شمار احادیث عقل انسانی کے خلاف ہیں۔ ایسی احادیث کو ماننے اور جزو دین قرار دینے سے مہذب لوگ اسلام کی پھبتی اڑائیں گے۔

جواب

انسانی عقل بلاشبہ خدا کی بہت بڑی نعمت ہے، لیکن اتنا خیال رہے کہ یہ ٹھوکر کا شکار بھی ہو جاتی ہے۔ کفار، مشرکین اور ملحدین میں کتنے بڑے بڑے اہل عقل وخرد ہیں کہ جن کی دماغی صلاحیتوں اور کاوشوں کو دیکھ کر اربابِ بصیرت ورطۂ حیرت میں گم ہو جاتے ہیں، لیکن ان عقیل وفہیم حضرات کی عقل میں یہ بات نہ آئی کہ

---

[1] یوسف: 46. [2] یوسف: 76. [3] الأنبياء: 51.

قرآن خدا کا سچا کلام ہے اور حضور پاک ﷺ اس کے برحق رسول ﷺ ہیں۔ اور ہم مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیے جائیں گے۔ یعنی ان اربابِ عقل کی نگاہ میں قرآن، رسول اور بعث بعد الموت محض قدامت پرستوں کی بڑ اور جہلا کے موہومات ہیں عقل وخرد کی دنیا میں ان کا کوئی مقام نہیں۔

بہت سے ''عقل مند مسلمان'' جو معجزات کا محض اس لیے انکار کرتے ہیں کہ وہ عقل سے بالا ہیں۔ وہ روسیوں کا چاند پر جانا تو مان لیتے ہیں لیکن رسول ﷺ کا آسمان پر جانا نہیں مانتے۔ اسی لیے اقبال رحمہ اللہ نے کہا ؎

گزر جا عقل سے آگے کہ یہ نور
چراغ راہ ہے، منزل نہیں ہے

اسلام میں عقل سے کام تو لیا جاتا ہے، لیکن عقل کا اتباع نہیں کیا جاتا۔ اتباع صرف پیغمبر ﷺ کا کیا جاتا ہے۔ کیونکہ پیغمبر ﷺ کی عقل وخرد کامل ہوتی ہے بخلاف عام انسانوں کے۔ اور ہمارے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات گرامی وہ ذات ہے کہ جس پر عقل کا اکمال اور علم کا اتمام ہوگیا۔

اب خدارا بتایئے کیا دانائے سبل ﷺ کے فرمودات خلاف عقل ہو سکتے ہیں؟ ہمارا دعویٰ ہے کہ حضور ﷺ کا کوئی ارشاد عقلِ سلیم کے خلاف نہیں، زیادہ اعتراض ان احادیث پر کیا جاتا ہے جن میں معجزات کا ذکر ہے۔ لیکن معترضین اتنا نہیں سوچتے کہ حدیث کے معجزات کا تو انکار کرلیا مگر ان معجزات کا کیا بنے گا جو قرآن مجید میں ملتے ہیں۔ مثلاً:

تنور سے پانی نکلنا اور پھر پہاڑ سے بلند ہوجانا۔[1]

[1] ھود: 40.

آگ کا ٹھنڈا ہو جانا اور سراپا سلامتی بن جانا۔ ①

حضرت یعقوب علیہ السلام کو طویل فاصلے سے یوسف علیہ السلام کے کُرتے کی خوشبو آنا اور کُرتا آنکھوں سے لگاتے ہی آنکھیں روشن ہو جانا۔ ②

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا دریا کو لاٹھی مارنا اور دریا کا راستہ دے دینا۔ ③

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا پتھر پر لاٹھی مارنا اور اس سے بارہ چشمے پھوٹ نکلنا۔ ④

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ کا چاند کی طرح چمکنا۔ ⑤

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی لاٹھی کا سانپ بن جانا۔ ⑥

حضرت زکریا علیہ السلام اور ان کی اہلیہ پر اولاد کی اس وقت نوازش کرنا جب اولاد کی امید نہیں رہتی۔ ⑦

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بغیر باپ کے پیدا ہونا۔ ⑧

حضرت مریم صدیقہ علیہا السلام کا خشک کھجور کے تنے کو حرکت دینا اور اس پر سے تروتازہ کھجوریں گرنا۔ ⑨

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا پیدائش کے وقت گفتگو کرنا اور دعوائے نبوت کرنا۔ ⑩

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مٹی کے پرند بنا کر اُڑانا، مادرزاد اندھے اور کوڑھی کو لمسِ ید سے تندرست کر دینا۔ ⑪

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا خوردہ چیزوں اور ان چیزوں کا جو گھروں میں ذخیرہ کر رکھی ہوں، صاف صاف خبر دے دینا۔ ⑫

فضا سے پرندوں کے پھینکے ہوئے سنگریزوں کا ہاتھیوں کے جسموں کو چیر کر

---

① الانبیاء: 69. ② یوسف: 96,94. ③ الشعراء: 63. ④ البقرۃ: 60. ⑤ القصص:32.
⑥ ایضاً: 31. ⑦ مریم: 2 تا 15. ⑧ ایضاً: 11 تا 34. ⑨ ایضاً. ⑩ ایضاً. ⑪ آل عمران: 49. ⑫ ایضاً.

زمین میں پیوست ہو جانا۔ ①

ہمارے پیارے حضور ﷺ کا اُمّی ہو کر سرزمین عرب ہی نہیں پورے عالم اسلام کی کامیاب ترین قیادت وسیادت فرمانا۔

آپ ﷺ کا صدیوں کی گمراہ اور اجڈ قوم کو صرف تیس برس میں مجسمہ اخلاق و شرافت اور جہاں بان و جہاں بین بنا دینا۔

آپ ﷺ کا ترتیل سے قرآن پڑھنا اور پھر اس کے اسرار وغوامض پیش فرمانا۔

آپ ﷺ کا بحکمِ خدا سفر معراج فرمانا۔ ②

آپ ﷺ کا انشراح صدر ہونا۔ ③

آپ ﷺ کا چاند کو دو ٹکڑے کر دینا۔ ④

ہم نے عمداً احادیث کے معجزات کی طرف اعتناء نہیں کیا۔ کیونکہ منکرین حدیث کہہ سکتے ہیں وہ حدیث میں آتے ہیں۔

معجزات انبیاء کا کہاں تک ذکر کیا جائے! ہمیں اس وقت صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ یہ وہ باتیں ہیں جو قرآن مجید میں موجود ہیں اور عقل سے بالا ہیں۔ اگر آپ کسی بات یا چیز کے سمجھنے کا معیار عقل ہی کو قرار دیتے رہے تو مذکورۃ الصدر جملہ حقائق کا انکار کرنا پڑے گا۔ جو قرآن کا انکار ہے۔

ہمیں معلوم ہے کہ کچھ روشن خیال مفسرین نے اوپر کے شواہد کا کھلے طور پر انکار تو نہیں کیا البتہ دور از کار تاویلات کیں۔ لیکن کہاں پھسپھسی تاویلات اور کہاں درخشاں حقائق؟ بھلا حقائق وشواہد کو بھی چھپایا جا سکتا ہے؟ ناممکن، محال!!!

① الفیل: 1 تا 5. ② بنی اسرائیل: 1. ③ الم نشرح: 1. ④ القمر: 1 نیز دیکھیں صحیح بخاری کتاب التفسیر، رقم: 4864 تا 4868.

ہمارے خیال میں ان روشن خیال ''مفسرین'' نے فرسودہ تاویلات سے قرآن حکیم پر ظلم عظیم کیا ہے۔ کیونکہ ان معجزات کی روشنی میں موجودہ سائنسی اور ٹیکنالوجی دور میں بہت بڑی راہنمائی ملتی ہے۔ بلکہ راہنمائی لی گئی ہے۔ مگر ہمارے ان جدید ''مفسرین'' نے ایک دوسرے کی تقلید میں انہیں خلاف عقل و مشاہدہ کہہ کر انہیں تاویل و تحریف کی سان پر چڑھا دیا ہے۔ ہمارا یہ موضوع نہیں ورنہ ہم اس پر بھی کچھ خامہ فرسائی کرتے۔

ہم پھر کہتے ہیں کہ اگر آپ نظر کو وسعت دے کر ان بظاہر ''خلاف عقل'' احادیث کو پڑھیں گے اور کسی ماہر فن سے سمجھیں گے تو انہیں عقل کے عین مطابق پائیں گے۔ (ان شاء اللہ العزیز)

یاد رکھیے! اسلامی احکام و مسائل عقل کے مطابق ہیں، البتہ ان کا دار و مدار عقل پر نہیں۔ ان کا تعلق ایمان وعقیدہ کے ساتھ ہے۔ محض عقل سے اللہ تعالیٰ کا وجود، اس کا عرش، سات آسمان، حیوانات کی تخلیق، نباتات کی نمو کچھ نہیں سمجھا جاسکتا۔ کائنات کے وجود میں آنے کے علل و اسباب وہ سربستہ راز ہیں جو اب تک حل نہیں ہوئے۔ مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنا بھی عقل سے بالا ہے، یہی وجہ ہے کہ دانشوران مکہ نے کہہ دیا تھا:

﴿مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ﴾

''انسان مرنے کے بعد دوبارہ کیسے زندہ ہوگا۔''[1]

اتنی وسیع اور ناز و نعم سے آراستہ جنت، اتنا بڑا اور اس قدر دہشت ناک جہنم کب عقل میں آتے ہیں؟

[1] یٰس: 78.

قصہ مختصر کہ عقل سے راہنمائی ضرور لیجیے مگر عقل کی پیروی نہ کیجئے۔ عقل کی پیروی کرنے سے نہ صرف عقائد کی عمارت متزلزل ہوگی بلکہ پورا اسلام خطرے میں پڑ جائے گا۔ اَللّٰهُمَّ احْفَظْنَا مِنْهُ.

اعتراض:11 احادیث باہم متعارض ہیں

احادیث آپس میں متعارض ہیں۔ اگر یہ حضور ﷺ کی ارشاد فرمودہ ہوتیں تو آپس میں نہ ٹکراتیں۔

جواب

ہم یہ تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں کہ احادیث نبوی ﷺ آپس میں متعارض ہیں۔ صحیح احادیث باہم کبھی متعارض نہیں ہوتیں۔ دونوں حدیثیں بصورت صحت اگر متصادم نظر آئیں تو ان کی تاریخ پر نظر کی جائے گی۔ ان کا وقت اور جگہ دیکھی جائے گی۔ اس موضوع پر ہم پیچھے لکھ چکے ہیں۔ ''صحابہ رضی اللہ عنہم کے اختلافات'' عنوان کا مطالعہ فرمالیجئے۔ یہاں وضاحتِ مسئلہ کے لیے حدیث کے ظاہری اختلاف کی مثالیں دے کر اپنی گزارشات سمجھانے کی کوشش کی جاتی ہے:

پہلی مثال

ایک حدیث میں آیا ہے:

«اِنَّ الْمَاءَ طَهُوْرٌ لَا يُنَجِّسُهُ شَيْءٌ»

''پانی پاک ہے اسے کوئی چیز پلید نہیں کرتی۔''[1]

[1] ابوداود، كتاب الطهارة، باب ماجاء فى بئر بضاعة، رقم:67، نسائى، رقم: 327,326 حسن.

دوسری حدیث میں ہے:

اِنَّ الْمَآءَ لَایُنَجِّسُهٗ شَیْءٌ اِلَّا مَاغَلَبَ عَلٰی رِیْحِهٖ وَطَعْمِهٖ وَلَوْنِهٖ.

''پانی کو کوئی چیز پلید نہیں کرتی مگر جو اس کی بُو، ذائقہ اور رنگ کو متغیر کردے۔''[1]

مندرجہ بالا دونوں احادیث کا بغور مطالعہ کیجئے، دوسری میں کچھ الفاظ زائد ہیں، یہ دونوں حدیثیں آپس میں مخالف نہیں، بلکہ پہلی حدیث مجمل ہے اور دوسری مفصل ہے۔

دوسری مثال

اوپر کی دونوں احادیث میں جو الفاظ مشترک پائے جاتے ہیں، یہ ہیں:

لَایُنَجِّسُهٗ شَیْءٌ.

''کوئی چیز پانی کو ناپاک نہیں کرتی۔''

ایک دوسری حدیث میں ہے:

لَایَغْتَسِلُ اَحَدُکُمْ فِی الْمَآءِ الدَّائِمِ وَهُوَ جُنُبٌ.

''کوئی شخص کھڑے پانی میں غسل نہ کرے، جبکہ وہ حالتِ جنابت میں ہو۔''[2]

اس حدیث میں جنبی (ناپاک) کو دائم پانی میں غسل کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ کیونکہ ناپاک کے غسل سے پانی ناپاک ہوجاتا ہے۔

ان دونوں حدیثوں میں بظاہر اختلاف پایا جاتا ہے۔ ایک حدیث بتلاتی ہے

[1] ابن ماجه، كتاب الطهارة و سننها، باب الحياض، رقم: 521 وسنده ضعيف۔
[2] مسلم، كتاب الطهارة، باب النهي عن الاغتسال في الماء الراكد، رقم: 283.

کہ پانی کو کوئی چیز ناپاک نہیں کرتی۔ جبکہ دوسری حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ جنبی شخص ناپاک کردیتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ دونوں حدیثوں میں کوئی اختلاف نہیں۔ کیونکہ جس پانی میں جُنبی کو غُسل کرنے سے روکا گیا ہے۔ اس سے مراد قلیل پانی ہے۔ چنانچہ ایک دوسری حدیث میں آتا ہے:

اِذَا كَانَ الْمَآءُ قُلَّتَيْنِ فَاِنَّهُ لَا يَنْجُسُ. [1]

یعنی جب پانی دو قُلّہ ہو تو ناپاک نہیں ہوتا۔ قُلّہ عرب کا ایک پیمانہ تھا جو 2/1/2 مشک کے قریب ہوتا تھا۔ مطلب یہ کہ قلیل پانی ناپاک ہوجاتا ہے اور کثیر پانی ناپاک نہیں ہوتا۔

تیسری مثال

ایک حدیث میں ہے:

نَهٰى اَنْ تَغْتَسِلَ الْمَرْاَةُ بِفَضْلِ الرَّجُلِ. [2]

''حضور ﷺ نے مرد اور عورت کو ایک دوسرے کے بچے ہوئے پانی سے غسل کرنے سے منع فرمایا۔''

دوسری حدیث میں ہے:

كَانَ يَغْتَسِلُ بِفَضْلِ مَيْمُوْنَةَ.

''حضور ﷺ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے بچے ہوئے پانی سے غسل فرما لیا کرتے تھے۔'' [3]

[1] ابوداود، کتاب الطهارة، باب ماينجس الماء، رقم: 65صحيح. [2] ابوداود، کتاب الطهارة، باب النهي عن ذلك، رقم: 81صحيح. [3] مسلم، كتاب الحيض، باب القدر المستحب من الماء...... رقم: 323.

ان دونوں حدیثوں میں باہمی اختلاف نظر آتا ہے۔ اور آپ کو مزید حیرت ہوتی ہوگی کہ آنجناب ﷺ دوسروں کو جس بات سے منع کرتے ہیں خود اس کا ارتکاب کیوں فرماتے ہیں؟

ادباً گذارش ہے کہ دونوں حدیثوں کو ٹکرانے کی بجائے ملانے کی کوشش کرنی چاہیے۔ چنانچہ دونوں کو ملا کر فن حدیث کے ماہرین نے جو نتیجہ نکالا ہے وہ یہ ہے کہ پہلی حدیث میں نہی تنزیہی ہے کہ دریں صورت غسل کرنے سے بچنا چاہیے یعنی بچنا بہتر ہے۔ اور اگر وہ نہی تحریمی ہوتی یعنی اس طرح غسل کرنا حرام ہوتا تو حضور ختمی مرتبت ﷺ یوں کبھی غسل نہ فرماتے۔

یہ مسئلہ عام الفاظ میں یوں سمجھ لیجئے کہ جو شخص مندرجہ بالا صورت میں غسل کرنے سے بچ سکتا ہے، بچے، یہ بہتر ہے۔ اور جو شخص غسل کرنا چاہتا ہے وہ غسل کرلے یہ جائز ہے۔ یا یوں کہہ لیجئے کہ غیر محتاط آدمی پہلی حدیث کو اپنائیں اور محتاط دوسری حدیث پر عمل کریں۔ یا اگر کہیں پانی کم ہے تو دوسری سے فائدہ اٹھالیں۔

غور فرمایئے یوں ارشاد فرما کر حضور ﷺ نے امت کی کس دلکش اور اچھوتے انداز سے مشکلات حل فرما دی ہیں۔ جس سے ہر طبیعت اور مزاج کا آدمی پوری راہنمائی حاصل کرسکتا ہے۔

چوتھی مثال

ایک حدیث میں ہے:

«نَهَانَا اَنْ نَسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةَ»[1]

''حضور ﷺ نے قضائے حاجت کے وقت ہمیں قبلہ رو بیٹھنے سے منع فرمایا۔''

[1] مسلم، كتاب الطهارة، باب الاستطابة، رقم: 262.

دوسری حدیث میں ہے:

«شَرِّقُوْا اَوْ غَرِّبُوْا»

''مشرق یا مغرب کی طرف منہ کر کے بیٹھا کرو۔''①

یہاں بھی دونوں حدیثوں میں بظاہر تضاد ہے لیکن حقیقت میں تضاد نہیں۔ کیونکہ یہ حکم مدینہ والوں کے لیے ہے اور جغرافیہ دان جانتے ہیں کہ قبلہ مدینہ سے مغرب کی جانب نہیں بلکہ جنوب کی جانب ہے۔

پانچویں مثال

ایک حدیث میں ہے:

«غُسْلُ يَوْمِ الْجُمُعَةِ وَاجِبٌ علٰى كُلِّ مُحْتَلِمٍ»

''ہر بالغ پر یوم جمعہ کا غسل واجب ہے۔''②

دوسری حدیث میں ہے:

«مَنْ تَوَضَّأَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَبِهَا وَنِعْمَتْ وَمَنِ اغْتَسَلَ فَهُوَ اَفْضَلُ»

''جس نے جمعہ کے روز محض وضو کیا تو اچھی بات ہے اور جس نے غسل کیا یہ افضل ہے۔''③

پہلی حدیث میں غسلِ جمعہ کو ''واجب'' اور دوسری میں ''افضل'' کہا گیا ہے۔ بظاہر اختلاف نظر آتا ہے، لیکن یہاں بھی ایسی کوئی بات نہیں۔ پہلی حدیث میں

① ایضاً، رقم: 264. ② بخاری، کتاب الجمعة، باب فضل الغسل یوم الجمعة......، رقم: 879. ③ ابوداود، کتاب الطهارة، باب الرخصة فی تَرْكِ الغسل، رقم: 354، ترمذی، رقم: 497 وسنده ضعیف.

واجب بمعنی ضروری ہے نہ کہ بمعنی فرض۔ مقصود اہمیت غسلِ جمعہ بتانا تھا۔ چنانچہ دوسری حدیث اس پر قرینہ ہے جس میں غسل جمعہ کو افضل کہا گیا ہے۔ اگر یہ غسل فرض ہوتا تو افضل کہنے کی ضرورت نہ تھی۔ مطلب حدیث کا یہ ہوا کہ غسلِ جمعہ بہتر ہے، فرض نہیں۔ اور اس مفہوم میں جو راز ہے وہ بھی بہت خوب ہے، جسے عقلاء سمجھتے ہیں۔

یہ ہم نے ان احادیث کی پانچ مثالیں دی ہیں، جہاں بظاہر اختلاف نظر آتا ہے لیکن درحقیقت کوئی اختلاف نہیں۔ حدیث کو سمجھنے میں جلدی نہیں کرنی چاہیے۔ ماہرین فن سے اشکال حل کرا لینے چاہئیں۔ لیکن یہ تحقیق وتفحص وہی کر سکتا ہے کہ جس کی نیت ارشادات نبوی ﷺ سمجھنے کی ہو اور وہ حدیث کو جائز مقام دیتا ہو۔

احادیث کے ظاہری تضاد کا حل

جہاں احادیث میں اختلاف نظر آئے وہاں چند باتیں یاد رکھیے! کبھی ایک حدیث میں اجمال اور دوسری میں تفصیل ہوتی ہے۔

کبھی ایک حدیث صحیح اور دوسری غیر صحیح ہوتی ہے۔

کبھی دونوں ہی صحیح ہوتی ہیں مگر ایک ناسخ اور دوسری منسوخ ہوتی ہے۔

کبھی ایک میں نہی تنزیہی مراد ہوتی ہے اور دوسری میں نہی تحریمی۔

کبھی حضور ﷺ نے جواز کے لیے دو یا زیادہ صورتوں پر عمل فرمایا ہوتا ہے۔

وغیرہ وغیرہ۔

حدیث کو سمجھنا ہر کہ ومہ کا کام نہیں۔ اس میں بڑی باتوں کو پیش نظر رکھنا ہوتا ہے۔ اس فن کو سمجھنے کے لیے بہت سارے علوم وجود میں لائے گئے ہیں ان پر باقاعدہ نظر ہونی چاہیے۔ چونکہ یہ کام محنت طلب ہے اس لیے سہل پسند دوست

کرسی پر بیٹھے بیٹھے حدیث کے بظاہر باہمی اختلافات بیان کرنے شروع کر دیتے ہیں۔ اور جب تک ان کا حلقۂ احباب ''بالکل ٹھیک۔'' ''ارشاد بجا'' نہیں کہہ لیتا ان کی دھواں دھار تقریر جاری رہتی ہے۔ اسے کہتے ہیں «ضَلُّوْا فَأَضَلُّوْا» ''خود بھی بھٹک گئے اور دوسرں کو بھی گمراہی کے تاریک غار میں دھکیل دیا۔''

اعتراض: 12 احادیث کو ماننے سے انبیاء کی توہین لازم آتی ہے

بعض احادیث کو ماننے سے حضور ﷺ اور دیگر نبیوں و بزرگوں کی عصمت مجروح ہوتی ہے اور ان کی شان پر حرف آتا ہے، نیز اسلام پر زد پڑتی ہے۔ مثلاً حدیث میں ہے حضور ﷺ سے سہو ونسیان ہوا۔ [1] آپ ﷺ پر جادو کیا گیا۔ [2] آپ ﷺ پر زہر نے اثر کیا۔ [3] نیز حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جھوٹ بولا۔ [4] حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرشتے کو تھپڑ مار کر اس کی آنکھ پھوڑ دی وغیرہ۔ [5]

جواب

یہ بھی عجیب اعتراض ہے کہ ''حدیث'' سے حضور ﷺ اور دیگر انبیاء علیہم السلام پر حرف آتا ہے اور اسلام پر زد پڑتی ہے۔ حالانکہ حدیث حضور ﷺ اور باقی انبیاء اور بزرگوں کی شان گھٹاتی نہیں بڑھاتی ہے اور ان کے مقام کو واضح کرتی ہے۔

سہو ونسیان

حدیث میں ہے: «اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِثْلُکُمْ اَنْسٰی کَمَا تَنْسَوْنَ»

① بخاری، کتاب الصلاۃ، باب التوجه نحو القبلة...... رقم: 401. ② بخاری، کتاب الطب، باب السحر، رقم: 5763. ③ بخاری، کتاب الطب، باب مایذکر فی سم النبی ﷺ، رقم: 5777. ④ بخاری، کتاب احادیث الانبیاء، باب واتخذ اللّٰہ ابراھیم خلیلا، رقم: 3358. ⑤ بخاری، کتاب احادیث الانبیاء، باب وفاۃ موسیٰ، رقم: 3407.

خلاصہ واقعہ یوں ہے کہ ایک مرتبہ حضور ﷺ نے نماز میں بجائے چار رکعت کے دو رکعت پڑھا کر سلام پھیر دیا اور سمجھا کہ میں نے چار پوری کر دی ہیں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے یاد دلایا تو آپ ﷺ نے جملۂ مذکور ارشاد فرمایا۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ میں بھی انسان ہوں، جس طرح تم بُھول جاتے ہو میں بھی بھول جاتا ہوں۔

جہاں تک سہو و نسیان کا تعلق ہے تو وحی کے بتانے اور مسائل و احکام کے سمجھانے میں کبھی نہیں ہوا۔ اگر کبھی سہو و نسیان ہوا بھی ہے تو وہ نماز کے ادا کرنے میں ہے کہ بجائے زیادہ کے کم پڑھیں۔ جیسے ذوالیدین والی حدیث ہے۔[1] یا کسی دنیوی بات میں ہوا، لیکن امور رسالت و تبلیغِ دین میں یہ کبھی نہ ہوا۔

حضور ﷺ کی دو حیثیتیں ہیں ایک نبوت کی حیثیت اور دوسری بشر کی حیثیت۔ یعنی حیثیت رسالت اور حیثیت بشر۔ آپ ﷺ چونکہ دیگر انبیاء کی طرح بشر ہی تھے اس لیے کبھی کبھار آپ ﷺ سے بُھول چوک ہو جاتی۔ اور اس میں بھی بڑی حکمتیں ہیں۔ مثلاً اللہ تعالیٰ اور رسول علیہ السلام کے درمیان فرق رہے کہ اللہ کبھی نہیں بھولتا جبکہ پیغمبر علیہ السلام کبھی کبھار بھول بھی جاتا ہے۔ یا اس لیے کہ امت کو راہنمائی مل جائے کہ فلاں کام یوں بھی ہو سکتا ہے اور یوں بھی۔ یا دوسروں کو تسلی دینے کے لیے کہ بھول جانا کوئی بری بات نہیں، عمداً ناجائز کرنا بُری بات ہے۔ یا اسوۂ رسول سے حل مسئلہ بتانے کے لیے۔

یاد رہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام کی بھول دنیوی امور میں تھی، تبلیغِ دین اور ابلاغ وحی میں نہ تھی۔ ہر پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فریضۂ تبلیغ ادا فرما دیا اور اللہ تعالیٰ کی وحی کو بلاکم وکاست آگے پہنچایا۔ اس بات پر قرآن و حدیث کا اجماع ہے۔

---

[1] بخاری، کتاب السھو، باب یکبر فی سجدتی السھو، رقم: 1229.

حاصل کلام یہ کہ پیغمبر ﷺ سے سہو ونسیان کا ہو جانا آپ ﷺ کی شان کو کم نہیں کرتا بلکہ زیادہ کرتا ہے۔ اور دین کو وسعت اور اسلام کو عظمت عطا کرتا ہے۔ اور اس میں بہت سے فوائد مضمر ہیں۔ پیغمبر کا بھول جانا بھی ہمارے لیے دین ہے۔

سحر و جادو

سورۂ ''الفلق'' اور ''الناس'' کا سببِ نزول حسب روایت ''دلائل النبوۃ'' از بیہقی یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ پر لبید یہودی اور اس کے بیٹوں نے سحر (جادو) کردیا تھا۔ جس سے آپ ﷺ پر مرض کی سی حالت طاری ہوگئی تھی۔ آپ ﷺ نے حق تعالیٰ سے شفا کی درخواست کی۔ اس پر یہ دونوں سورتیں نازل ہوئیں۔ چنانچہ آپ ﷺ کو بالکل شفا ہوگئی۔ یہ واقعہ مسند احمد (57/6) صحیح بخاری (رقم: 5763) اور تفسیر ثعلبی (291/4) میں بھی ہے۔ دیکھئے تفسیر ابن کثیر (587/6)۔ بہر حال آنحضرت ﷺ کے سحر کا واقعہ بے سند نہیں، صحیح ہے۔

اب اعتراض یہ ہے کہ قرآن مجید تو آپ ﷺ کے مسحور یا سحر زدہ ہونے کا انکار کرتا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ہے:

1. ﴿اِذْ يَقُوْلُ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا﴾

''جبکہ یہ ظالم یوں کہتے ہیں کہ تم لوگ محض ایسے شخص کا ساتھ دے رہے ہو جس پر جادو کا اثر ہو گیا ہے۔''[1]

2. ﴿وَقَالَ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا﴾

''اور ظالم کہتے ہیں کہ تم ایک سحر زدہ آدمی کی راہ پر چل رہے ہو۔''[2]

---

[1] بنی اسرائیل:47۔ [2] الفرقان:8۔

3 ﴿فَقَالَ لَهٗ فِرْعَوْنُ اِنِّیْ لَاَظُنُّكَ یٰمُوْسٰی مَسْحُوْرًا﴾[1]

''پس ان سے فرعون کہنے لگا اے موسیٰ میں تو تمھیں جادو زدہ سمجھتا ہوں۔''

معلوم ہوا انبیائے عظام علیہم السلام کو مسحور کہنا فرعون جیسے گمراہوں کا شیوہ ہے۔ اسی طرح سورۃ الشعراء آیت: 153 میں صالح علیہ السلام کو منکرین نے جادوگر کہا۔ حدیث نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مسحور کہا۔ جبکہ قرآن اس کا انکار ہی نہیں کرتا بلکہ اس مقولہ کے قائلین کو بڑا ظالم اور گمراہ کہتا ہے۔

اب منکرین حدیث کہتے ہیں کہ بتاؤ قرآن کو مانیں یا حدیث کو؟ اور اگر حدیث کو تسلیم کریں گے تو ظالم اور گمراہ قرار پائیں گے۔ لہٰذا حدیث کا انکار ضروری ہے۔

اس اعتراض سے ہمارے بعض وہ دوست بھی کہ جن کا فتنہ انکار حدیث کے کیمپ سے کوئی تعلق نہیں، شبہ کا شکار ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ قرآن بھی سچا ہے اور حدیث کا بیان بھی برحق۔ اور جو برحق ہو وہ کیسے غلط ہوسکتا ہے؟ یہ صرف قلتِ فکر وفہم اور کم علمی کا نتیجہ ہے۔

قرآن اور حدیث میں نہ تضاد ہے نہ تخالف۔ بلکہ بات صرف اتنی سی ہے کہ قرآن مجید میں جو کفار کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم وانبیائے کرام علیہم السلام کی نسبت ''مسحور'' وسحر زدہ کا لفظ استعمال ہوا ہے اس کا مطلب ہے کہ یہ انبیاء جو برابر تبلیغ کررہے ہیں نہ وقت کو دیکھتے ہیں نہ ماحول کو، نہ اپنے کو دیکھتے ہیں نہ پرائے کو، اور پھر یہ کہ آباؤ اجداد کے طریقے کے خلاف اور تمام قوم کے مذہب کے برعکس ایک ہی بات کہتے چلے جاتے ہیں۔ نہ کثرت سے خائف ہیں نہ طاقت سے اور نہ کسی کے سمجھانے

[1] بنی اسرائیل: 101.

سے سمجھتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان کے دماغ میں کوئی خلل ہے۔ اگر ایسے نہیں تو یہ ضرور آسیب زدہ ہیں اور یہ جو کچھ کہہ رہے ہیں سحر کا نتیجہ ہے۔ بس کفار ومشرکین اس معنی میں انبیاء کو مسحور کہتے رہے۔ اور اسی معنی میں کفار نے آنحضرت ﷺ کو مسحور کہا۔

حدیث میں جو آپ ﷺ کو سحر زدہ کہا گیا وہ بالکل دوسرے معنی میں ہے کہ آپ ﷺ پر دشمن نے جادو کیا اور بحیثیت بشر ہونے کے آپ ﷺ کے جسم اقدس پر اس کے معمولی سے اثرات ہوگئے۔ اور اس میں آنحضرت ﷺ کی توہین ہے نہ تذلیل۔

آپ ﷺ کی دو حیثیتیں ہیں۔ ایک بشر، دوسری رسول۔ جادو کے اثر سے آپ کی حیثیتِ بشر قدرے متاثر ہوئی۔ مگر حیثیت رسول پر کوئی اثر نہ ہوا۔ آپ ﷺ اسی طرح امور رسالت سرانجام دیتے رہے۔ ان میں کسی قسم کا سُقم یا انقطاع واقع نہ ہوا۔ اور آپ ﷺ کی حیثیت بشر پر جو اثر ہوا وہ اس سے زیادہ نہ تھا کہ بس طبیعت مبارکہ میں تھوڑا سا انقباض وگھٹن اور بدن میں معمولی سستی رہتی۔ لیکن یہ کیفیت بھی زیادہ عرصہ نہ رہی۔ اور انقباض کے یہ دھندلکے جلد ہی دور ہوگئے۔

اس میں حکمت تھی۔ مثلاً حضور ﷺ اپنی تمام تر رفعتوں اور عظمتوں کے باوجود جنسِ بشر سے تھے جس طرح دیگر بشری عوارض آپ ﷺ کو لاحق ہوتے تھے اسی طرح یہ بشری عارضہ بھی آپ ﷺ کو لاحق ہوا۔ اور جو ہستی ہر قسم کے عارضہ سے پاک ہے وہ فقط اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔

واقعہ سحر سے یہ بھی بتانا مقصود تھا کہ سحر کا وجود متحقق اور ثابت ہے۔ خواہ مخواہ اس کا انکار کرنا درست نہیں۔ چنانچہ خود قرآن مجید سے اس کا ثبوت ملتا ہے۔ قصہ

ہاروت و ماروت (البقرۃ: 102) اور قصہ موسیٰ علیہ السلام (الاعراف: 109 تا 116) ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔ اور معوذتین میں اگرچہ سحر کا نام نہیں، مگر بمطابق روایات ان کے نزول کا سبب بھی یہی سحر تھا۔ اس لیے اگر کسی پر سحر ہو تو اس کا علاج کرنا چاہیے۔ یہ نہ توہم ہے نہ توحید کے منافی۔

علاوہ ازیں یہ بھی بتانا تھا کہ جادو ایک شیطانی علم ہے اور اس کا توڑ رحمانی علم ہے اور وہ قرآن مجید ہے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ پر جادو کا اثر کرا کر معوذتین کو بہترین عمل قرار دیا۔ وہاں یہ بھی بتا دیا کہ اگر شیطانی علم دور کرنا ہو تو رحمانی علم کو کام میں لایا جائے۔ جیسے رحمٰن سب طاقتوں پر غالب ہے۔ اسی طرح اس کا علم بھی سب علوم پر حاوی ہے۔ لہٰذا اس سے کبھی تعلق خاطر منقطع نہیں کرنا چاہیے۔ اور اس واقعہ سے درس توحید بھی دیا کہ سب سے افضل پیغمبر (ﷺ) بھی دکھ یا تکلیف رفع نہیں کر سکتے جب تک اللہ نہ چاہے۔ اور پھر یہ کہ حضور ﷺ کو جو تکلیف پہنچی وہ خود آپ ﷺ کی ذات کو تھی۔ اور اس طرح دنیا کو سبق دیا کہ جو ہستی اپنی ذات سے تکلیف دور کرنے کا اختیار نہیں رکھتی وہ دوسروں سے تکلیف کس طرح دور کر سکتی ہے؟ اس لیے لوگوں کو اتباعِ رسول ﷺ میں اللہ تعالیٰ ہی سے مانگنا چاہیے۔

امید ہے کہ ہمارے معترضین دوست امر واقعہ کی تہ تک پہنچنے کی مخلصانہ کوششیں کریں گے اور یہ سمجھنے کی سعی کریں گے کہ کفار کس معنی میں حضور ﷺ کو مسحور کہتے تھے اور حدیث نے آپ ﷺ کو کس معنی میں مسحور کہا۔

اعتراض: 13 محدثین زیادہ تر فارسی تھے اس لیے یہ فارسیوں کی سازش تھی

جامعین کتب حدیث زیادہ فارسی تھے۔ انہوں نے احادیث تیار کر کے اسلام

کے خلاف سازش کی۔

جواب

یہ اعتراض عام منکرین حدیث نے نہیں کیا بلکہ اسے غالباً اسلم جیراجپوری اور مسٹر پرویز صاحبان نے ہی اچھالا ہے اور خواہ مخواہ لوگوں کو شک میں مبتلا کرنے کی ناکام کوشش کی۔

ان معترضین کے خیال میں ائمہ حدیث نے فارسی حکومت کے ساتھ مل کر اسلام کی تخریب کاری کے لیے سازش کی، اور یہ دفتر حدیث اسی سازش کے تحت وجود میں آیا۔ فارس کی حکومت شخصی حکومت تھی اور یزدگرد کی موت پر وہ دم توڑ گئی۔ تاریخ میں ایسی کسی سازش کا پتہ نہیں چلتا جو اس کے خاندان کے ساتھ مل گئی ہو۔ مذہب کے اعتبار سے فارسی حکومت آتش پرست تھی۔ اسلام کو یہودیت عیسائیت ایسے مذاہب نقصان نہ پہنچا سکے وہاں مجوسیت اس کا کیا بگاڑ سکتی تھی۔ فارس سے اہل اسلام نے کوئی خطرہ محسوس نہ کیا۔ فارس پر جب اسلامی پرچم لہرایا تو اہل فارس کو اسلامی قلمرو سے کبھی گلہ شکوہ نہ ہوا۔ مکمل امن وسکون رہا۔ ہمارے علم میں ایسی کوئی سازش نہیں جو اہل فارس نے اسلام کے خلاف کی ہو۔ ہاں برامکہ کے عہدِ حکومت میں یونانی علوم کے تراجم سے اسلام کے خلاف محاذ قائم ہوا۔ لیکن اس وقت حدیث کو کسی پہلو سے نقصان پہنچنے کا اندیشہ باقی نہ رہا۔ کیونکہ اس وقت علم حدیث مدوّن اور منضبط ہو چکا تھا۔ اور علمائے سنت نے یونانیوں کا پوری قوت سے رد کیا۔

بہت سے اہل فارس علماء نے مدینہ میں امام مالک رحمہ اللہ کے پاس جا کر علم حدیث حاصل کیا۔ اور کسی نے یہ نہ سوچا کہ ہمارا استاد عرب ہے، ہم اس سے کیوں

پڑھیں؟ اور کیا پڑھیں۔ دینی مدارس میں ایسی متعدد مثالیں ہیں کہ عرب محدث سے فارسی تلامذہ علم حدیث سیکھتے ہیں۔ اور فارسی محدث سے عرب تلامذہ اکتساب فیضان کرتے ہیں۔ اور جرح تعدیل میں کوئی کسی سے کسی قسم کی رعایت نہیں برتتا، بوقت جرح باقاعدہ نقائص واسقام بتائے جاتے ہیں۔

یہ بات بھی باعثِ حیرت ہے کہ فتح فارس تو پہلی صدی کے اوائل میں ہوئی۔ اور سازش کا منصوبہ بقول منکرین تیسری صدی میں بنایا گیا۔ جب شکست کی تکلیف تھی اس وقت تو فارسی بیچارے خوابیدہ رہے۔ مگر تقریباً تین سو برس بعد سازشیوں نے کتب صحاح ستہ مدوّن کر ڈالیں۔ اور اسلام کی عمارت کو گرانے کی کوشش شروع کر دی۔ فیا للعجب.

حیرت پر حیرت یہ کہ اسلام کے خلاف فارسیوں کی اس سازش کا اس وقت کسی کو علم ہوا نہ تیرھویں صدی تک کسی کو انکشاف ہوا۔ ابن کثیر، ابن خلدون، ابن اسحاق اور واقدی تک اس سے خاموش رہے۔ مگر یہ راز چودھویں صدی کے دو روشن ضمیروں جیرا جپوری اور پرویز صاحبان پر کھل گیا کہ یہ ارباب صحاح کی اسلام کے خلاف گہری سازش تھی۔

حدیث کی جمع و تدوین اسلام کی خدمت تھی۔ اللہ نے جس سے چاہی لے لی اس میں اعتراض کی بات کون سی ہے۔ ملاحظہ کیجئے کہ موجودہ قرأت اور فن تجوید ہم تک قراءِ سبعہ کی معرفت پہنچا۔ اگر دیکھا جائے تو ان کی اکثریت عجمی ہے۔ یعنی سات قراء میں صرف دو عرب تھے ابن عامر اور ابو عمرو۔ ائمہ نحو مثلاً سیبویہ، ابوعلی اور زجاج سب فارسی تھے۔ علمائے اصول فقہ قریب قریب تمام فارسی تھے۔ اسی طرح متکلمین اور مفسرین کی بھاری اور غالب اکثریت غیر عجمی تھی۔ [1]

[1] الجواهر المضيه 423/2، مقدمه ابن خلدون ص 50.

اب ذرا غور کر لیجئے کہ عجمی سازش کہاں کہاں پہنچ چکی ہے۔ تقریباً سب علوم پر عجمیوں کا قبضہ ہے۔ مگر آپ صرف حدیث کو عجمی سازش بتا رہے ہیں؟ خود ابن خلدون عجمی ہیں۔ آپ لکھتے ہیں:

''یہ عجیب واقعہ ہے کہ علمائے اسلام کی اکثریت عجمی ہے۔ شرعی اور عقلی علوم میں عرب قلیل اور نادر ہیں اگر ان میں کوئی نسبت کے لحاظ سے عربی ہے تو لغت، تربیت اور شیوخ کے لحاظ سے عجمی ہے۔''[1]

یہ ایک اتفاق تھا اور قدرتی تقسیم کار۔ اور اس پر کبھی کسی کو عجمی سازش کا خطرہ نہ ہوا۔ کبھی کسی نے اس اتفاقی تقسیم کو دھوکہ وفریب کا نام نہ دیا۔ اور یہ اعتراض عرب کو بھی نہ ہوا۔ اور کسی دشمن عیسائی یہودی کو بھی نہ سوجھا جو آ کر تیرھویں صدی کے اواخر میں ہمارے دو منکرین سنت کو سوجھا۔

ابن خلدون خود عمرانیات کا امام ہے یہ بھی بتاتا ہے کہ علوم کی باگ ڈور عجمیوں کے ہاتھ کیوں آئی، لکھتا ہے:

''عرب حکومت کی مشغولیت اور موروثی سادگی کی وجہ سے پیشہ وری اور صنعت وحرفت سے وہ نفرت کرتے تھے۔ عجمی علماء چونکہ شہرت کے عادی تھے اور ان کے ہاں صنعت وحرفت ایک اعزاز تھا۔ اس لیے طبعی رجحانات کی وجہ سے تمام علوم کی سرپرستی عجمیوں کے سپرد ہوگئی۔ اور اپنی مخلصانہ محنت اور سخت کوشی کے بل بوتے پر وہ اسی اعزاز کے اہل قرار پائے۔''

ہم نے گنجائش سے بڑھ کر (مقدمہ ابن خلدون ص500) لکھ دیا ہے اگر پھر

[1] ابن خلدون ص 499.

بھی خلش باقی ہو تو بڑی کتب سے رجوع فرمالیں۔

اعتراض: 14 کثرت احادیث خود ساختگی کی دلیل ہیں

محدثین نے اس کثرت سے احادیث جمع کیں کہ جسے دیکھ کر حدیث کی صحت وصداقت میں شبہ ہوتا ہے۔

جواب

ہاں یہ درست ہے کہ محدثین کرام رحمہم اللہ اپنی شرائط صحت بیان کرتے وقت لاکھوں احادیث کا ذکر کرتے ہیں۔ مثلاً امام بخاری رحمہ اللہ نے ''صحیح بخاری'' کا انتخاب سات لاکھ احادیث سے کیا۔

امام مسلم رحمہ اللہ نے ''صحیح مسلم'' کا آغاز تین لاکھ احادیث سے کیا۔ اسی طرح دیگر محدثین نے انتخاب فرمایا۔

بس ان باتوں سے منکرین حدیث کو شبہ ہوتا ہے کہ باقی ماندہ احادیث کیوں ترک کر دیں؟ اور اتنی زیادہ احادیث انہیں کہاں سے فراہم ہوگئیں۔ وغیرہ وغیرہ۔

لیکن ان دوستوں کو یہ بات معلوم ہونی چاہیے کہ جب محدثین کرام رحمہم اللہ علی الاطلاق احادیث کی تعداد ذکر کرتے ہیں تو اس وقت وہ تمام احادیث مثلاً مرفوع، موقوف، آثار، تعداد اسانید، احادیث کے متعدد طرق شمار کرتے ہیں۔ بلکہ ضعاف، موضوعات اور اقوال کو بھی لیتے ہیں۔ اس طرح یہ تعداد بلاشبہ لاکھوں تک جا پہنچتی ہے۔ حیرت کی تو کوئی بات ہی نہیں کیونکہ جب تکرار اسانید اور ضعاف کو بھی الگ کر دیا جائے تو احادیث کی تعداد ہزاروں تک ہی پہنچتی ہے۔

بسا اوقات ایک ہی متن حدیث، کسی محدث کو متعدد طرق سے پہنچا۔ مثلاً وہ

پچاس طرق سے پہنچا۔ تو اس محدث نے اسے پچاس احادیث شمار کیا۔ اس طرح اگر ایک سو 100 متونِ حدیث ہوں۔ اور ہر حدیث پچاس پچاس طرق سے پہنچی ہو تو وہ محدث گرامی شمار کرتے وقت سو حدیث کی بجائے پانچ ہزار احادیث شمار کریں گے۔ محدثین کی اس اصطلاح کو ذہن میں رکھنا چاہیے اور کسی غلط فہمی کا شکار نہ ہونا چاہیے۔

یہ کہنا بھی محض ایک شبہ ہے کہ محدثین کی مخصوص شرائط کے ماتحت باقی سب روایات غلط ہیں۔ مثال کے طور پر صحیح بخاری اور مسلم میں جو انتخاب ہوا وہ مخصوص شرائط کے ماتحت ہوا۔ اس کا مطلب نہ تو جملہ احادیث صحیحہ کا استیعاب ہے اور نہ ہی باقی ماندہ کی تغلیط۔ بلکہ محدثین کی اپنی اپنی شرائط ہوتی ہیں۔ وہ جن احادیث کو اپنی شرائط کے مطابق پاتے ہیں انہیں درج فرما لیتے ہیں اور باقی کو ترک کر دیتے ہیں۔ اور یہ بھی عین ممکن ہے کہ ان سے ان شرائط کے مطابق بھی کہیں ذہول ہو گیا ہو۔ مثلاً امام مسلم رحمہ اللہ نے فرمایا:

> ''میں نے صحیح مسلم میں وہ احادیث درج کی ہیں جن پر بلحاظِ صحت ائمہ حدیث کا اجماع ہوگا۔'' لیکن متعدد مقامات پر یہ شرط قائم نہیں رہ سکی۔

اسی طرح امام بخاری رحمہ اللہ کا قول ہے کہ مجھے ایک لاکھ صحیح احادیث یاد ہیں اور دو لاکھ غیر صحیح۔ لیکن صحیح بخاری میں صرف ساڑھے سات ہزار صحیح احادیث ہیں۔ اس لیے یہ کہنا بھی درست نہیں کہ امام بخاری کے نزدیک ''صحیح بخاری'' کے علاوہ باقی احادیث غلط ہیں۔

صحیح احادیث بخاری و مسلم کے علاوہ دوسری کتب میں بھی ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ بعض میں صحیح احادیث کی تعداد زیادہ ہے اور بعض میں کم۔

اعتراض:15 احادیث ظنی ہیں

حدیث ظنی چیز ہے اور ظن قطعی نہیں ہوتا اس لیے ظن کو چھوڑ کر قطعی کی طرف آنا چاہیے۔ اور وہ صرف قرآن ہے۔

جواب

اس اعتراض کو بھی بڑا اچھالا اور اجالا جاتا ہے۔ کیونکہ بظاہر یہ بڑا وزنی اور جاندار اعتراض نظر آتا ہے۔ مگر امر واقعہ یہ ہے کہ یہ اعتراض بڑا کمزور اور بودا ہے۔ یہاں ''ظن'' کو سمجھنے میں غلطی ہوئی ہے۔ کیونکہ اردو اور پنجابی میں ظن کا معنی گمان، خیال، وہم، اور غیر یقینی بات ہے۔ مگر عربی زبان میں اس کا دوسرا مفہوم بھی ہے وہ بھی ذہن میں رہنا چاہیے۔

عربی زبان میں ''ظن'' شک وتخمین پر بھی بولا جاتا ہے اور علم ویقین پر بھی۔ دارومدار قرائن پر ہے۔ جیسے قرائن ہوں گے ویسے ہی معانی ہوں گے۔ علامہ ابوالبقاء کہتے ہیں۔ ''ظن دو متعارض دلیلوں کا نام ہے۔ جب راجح قوی ہو تو اسے علم ویقین سے تعبیر کیا جاتا ہے جیسے: ﴿يَظُنُّونَ أَنَّهُمْ مُّلَٰقُوا رَبِّهِمْ﴾ [1] سے ظاہر ہوتا ہے۔ [2]

قرآن حکیم نے ظن کو وہم کے مترادف صرف اس وقت کہا ہے جب وہ حق کے مقابل ہو۔ چنانچہ فرمایا:

﴿إِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا﴾

''یقیناً گمان حق سے کفایت نہیں کرتا۔'' [3]

قرآن مجید نے ظن کو حقیقت اور یقین کے معنی میں بھی استعمال فرمایا ہے۔ مثلاً:

---

[1] البقرة: 46. [2] ابن يعيش 2/77. [3] النجم: 28.

﴿وَاَنَّا ظَنَنَّآ اَنْ لَّنْ نُّعْجِزَ اللّٰهَ﴾

''اور بے شک ہم یقین رکھتے ہیں کہ ہم اللہ کو ہرگز عاجز نہیں کر سکتے۔''[1]

﴿الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ﴾

''وہ لوگ جو یقین رکھتے ہیں وہ اپنے رب سے ملنے والے ہیں۔''[2]

﴿وَظَنَّ اَنَّهُ الْفِرَاقُ﴾

''اور اس نے یقین کر لیا کہ جدائی کا وقت آ پہنچا ہے۔''[3]

﴿اَلَا يَظُنُّ اُولٰٓئِكَ اَنَّهُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ﴾

''کیا وہ یقین نہیں رکھتے کہ وہ دوبارہ اٹھائے جائیں گے؟''[4]

''ظن'' ائمہ حدیث کے نزدیک علم کا ایک خاص مرتبہ ہے۔ آحاد میں جب قرائن صدق موجود ہوں اور ان قرائن کے قوت وضعف کے پیشِ نظر جو علم حاصل ہو اسے وہ ظن کہتے ہیں۔ ائمہ نے اس علم کو موجب عمل قرار دیا۔ اور جو چیز غیر ثابت شدہ ہو وہ موجب عمل نہیں ہو سکتی۔

تواتر سے یقین حاصل ہوتا ہے اور متواتر احادیث کی تعداد بھی ہزاروں سے کم نہ ہوگی۔ اور تواتر سے دوسرے درجے پر جو علم حاصل ہوتا ہے وہ اصطلاح حدیث میں ظنی کہلاتا ہے۔ اور ظن دین و دنیا کے تمام شعبوں میں پایا جاتا ہے۔

حدیث کو ظنی کہتے وقت ''ظن'' کا مفہوم نگاہ میں رکھنا چاہیے۔ ورنہ ٹھوکر سے بچنا مشکل ہے۔

اعتراض: 16 احادیث میں عریانیت ہے

احادیث میں عریانی کا ذکر ہے۔ حالانکہ اسلام شرم وحیا کا دین ہے۔

[1] الجن: 12. [2] البقرہ: 46. [3] القیمه: 28. [4] المطففین: 4.

جواب

بیشک اسلام شرم وحیا کا دین ہے۔ چنانچہ حدیث میں ہے:

«اَلْحَيَاءُ مِنَ الْإِيْمَانِ»

''حیا ایمان کا حصہ ہے۔''[1]

دوسری حدیث میں ہے:

«اذَا لَمْ تَسْتَحْيِ فَاصْنَعْ مَا شِئْتَ»

''جب تمہیں حیا نہیں تو جو چاہو کرو۔''[2] پھر تمہیں کون سی چیز روک سکتی ہے۔ مطلب یہ کہ حیا کے بغیر نہ ایمان ہے نہ اسلام۔ اور حیا کی اس قدر اہمیت حدیث ہی میں وارد ہے۔

اب ذرا سمجھئے کہ احادیث میں عریانی ہے یا نہیں؟ اور اگر ہے تو کس معنی میں ہے۔ بیشک بعض احادیث میں کچھ باتیں عریاں طور پر بیان ہوئی ہیں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کیا وہ باتیں ضرورت کے تحت بیان ہوئی ہیں یا بطور مشغلہ۔ بلا وجہ ایسی باتوں کا بیان کرنا، ناجائز وممنوع ہے، مگر جب ضرورت داعی ہو تو پھر شرم وحجاب کی ایسی باتوں کو بیان کرنا نہ صرف جائز بلکہ بعض صورتوں میں ضروری ہو جاتا ہے۔ معالج مریض سے اور جج ملزم سے تفصیل کے ساتھ ایسی باتیں دریافت کرتا ہے جن کو عام لوگوں میں بیان کرنا باعثِ عار سمجھا جاتا ہے۔

منکرین حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں کہتے ہیں کہ حدیث نے ان کے بارے کچھ اچھے جذبات وتاثرات پیش نہیں کیے۔ یہ امت کی

[1] بخاري، كتاب الايمان، باب الحياء من الايمان، رقم: 24. [2] بخاري، كتاب احاديث الانبياء، باب، رقم: 3484.

مائیں ہو کر لوگوں کو راز کی باتیں بڑی بے حجابانہ بتاتی ہیں۔

یہ لوگ اتنا غور کرنے کی زحمت نہیں کرتے کہ امہات المومنین رضی اللہ عنہن جو کچھ سمجھا رہی ہیں وہ کوئی کُھلے اجلاس میں پبلک کے سامنے بیان نہیں فرما رہیں۔ بلکہ یہ ایک درس وتدریس اور تعلیم وتعلم کا سلسلہ تھا۔ اس میں بات صرف اتنی ہے کہ بعض بچے اپنی گرامی قدر ماں سے غسل کا مسئلہ دریافت کرتے ہیں۔ اور وہ یہ مسئلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی روشنی میں سمجھنا چاہتے ہیں اور بس۔

اب یہاں دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ علم وآگہی کا تقاضا ہے، دوسرا شرم وحیا اور حجاب کا۔ اگر اس موقع پر شرم وحجاب سے کام لیا جائے تو مسئلہ معلوم نہ ہوگا اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مسنون عمل پردۂ اخفاء میں رہے گا۔

شرع میں شرم نہیں کرنی چاہیے۔ ہر شخص کا حق ہے کہ وہ مسائل ضروریہ دریافت کرے۔ اور بتانے والے کا بھی ذمہ ہے کہ وہ اچھی طرح سمجھائے کہ سائل کی تسلی ہو جائے۔

آج بھی اگر لوگ طہارت، غسل، نکاح، طلاق، دخول، خروج، انزال، عزل اور اس قسم کے دیگر باریک باریک مسائل پوچھیں تو ظاہر ہے مفتی کو بتانا ہوں گے۔ شریعت کی باتوں میں شرم کرنے سے علم حاصل نہیں ہوسکتا۔

ہمارے دوستوں کو حدیث میں ''عریانی'' نظر آگئی مگر قرآن مجید کے حسب ذیل مقامات کے بارے میں وہ کیا کہیں گے؟ حضرت مریم علیہا السلام کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

﴿وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرَانَ الَّتِيٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيهِ مِنْ رُّوحِنَا﴾

''اور مریم بنت عمران جس نے اپنی شرمگاہ کی حفاظت کی، چنانچہ ہم نے

اس میں نفخ کیا۔"[1]

﴿وَ الَّتِیْۤ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِیْهَا مِنْ رُّوْحِنَا﴾

"اور عمران کی بیٹی نے شرمگاہ کو پاک رکھا۔ اور ہم نے اس میں اپنی طرف سے روح پھونک دی۔"[2]

محرماتِ ابدی کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

﴿مِّنْ نِّسَآئِكُمُ الّٰتِیْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْكُمْ﴾[3]

اس آیت میں دخول کا دو مرتبہ ذکر آیا ہے۔ اور اگر کوئی "دخول" کا آپ ہی سے مطلب پوچھے تو آپ کیا جواب دیں گے۔ اور آیت میں یہ عریاں لفظ ایک دفعہ نہیں بلکہ دو دفعہ آیا ہے۔

عورتوں کا ذکر کرتے ہوئے ایک لطیف نکتہ بیان فرمایا:

﴿نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ﴾

"عورتیں تمہاری کھیتیاں انہیں جہاں سے چاہو آؤ۔"[4]

کہیے اس کی کیا تشریح کریں گے؟ یا عریانی کے ڈر سے چپ رہیں گے؟ دوسرے چند مقامات پر مرد اور عورت کے باہمی تعلقات پر روشنی ڈالتے ہوئے کیا کچھ نہیں فرمایا۔ ملاحظہ ہو:

﴿یَخْرُجُ مِنْۢ بَیْنِ الصُّلْبِ وَ التَّرَآئِبِ﴾

"یعنی انسان کا جوہر تخلیق (عورت کے) سینے اور (مرد کی) پیٹھ سے نکل

① التحریم: 12. ② الانبیاء: 91. ③ النساء: 23. ④ البقرة: 223.

کر آتا ہے۔" ①

﴿أَلَمْ يَكُ نُطْفَةً مِّن مَّنِيٍّ يُمْنَىٰ﴾ ②

﴿مِن نُّطْفَةٍ إِذَا تُمْنَىٰ﴾ ③

﴿أَفَرَأَيْتُم مَّا تُمْنُونَ﴾ ④

ان آیات محولہ بالا میں بار بار منی کا اور منی ڈالنے کا ذکر کیا گیا ہے۔ ان آیات کا آپ کیا ترجمہ وتشریح کریں گے۔ آپ حدیث کی عریانی کا ذکر کر رہے تھے۔ مگر یہاں تو قرآن میں بھی اس قسم کی آیات ہیں۔ ان کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟

اصل بات سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیے کہ قرآن اور حدیث نے جہاں کسی مسئلے یا بات کے بیان کو ضروری سمجھا وہاں اس کی وضاحت فرما دی۔ تا کہ مسئلہ پردۂ اخفا میں نہ رہے۔ اسے آپ جو چاہے نام دے لیں بس بات محض اتنی ہے۔

اعتراض: 17 محدثین انسان ہی تھے اور انسان سے غلطی ہو جاتی ہے

حدیث روایت کرنے والے آخر انسان ہی تھے۔ حدیث کی نقل، روایت اور جمع تدوین میں ان سے غلطی کا واقع ہو جانا مستبعد نہیں۔

جواب

بے شک احادیث کے خدام انسان ہی تھے۔ اور اس میں بھی شک نہیں کہ انسان سے خطا ہو سکتی ہے۔ مگر آخر قرآن مجید کی جمع و تدوین کا کام بھی اللہ نے انسانوں ہی سے لیا۔ لیکن جب حفاظت کا کام اللہ لینا چاہے تو پھر وہ لے سکتا

① الطارق: 7. ② القیامة: 37. ③ النجم: 46. ④ الواقعة: 58.

ہے۔ چنانچہ اس نے یہ کام انسانوں ہی سے لیا۔ اور یوں لیا کہ عقل حیران رہ جاتی ہے، یہ تفصیلات تدوین قرآن وحدیث کے مطالعہ سے معلوم ہوسکتی ہیں۔ جس خدا نے ہم تک قرآن پہنچایا، اسی خدا نے ہم تک حدیث پہنچائی۔ اس نے یہ دونوں کام انسانوں ہی سے لیے۔ لیکن دونوں کی نگہداشت خود فرمائی۔

اب غور کیجئے کہ جو اعتراض حدیث پر کیا گیا ہے وہ قرآن مجید پر بھی ہوسکتا ہے۔ لیکن یہ اعتراض حدیث پر ہی کیا جاتا ہے۔ ایسے کیوں ہے؟

منکرین حدیث اور لادین عناصر یہ چاہتے ہیں کہ کسی طرح اسلام کی پابندیوں سے آزادی حاصل کی جائے۔ اور وہ یہ جانتے ہیں کہ اس کا آسان طریقہ یہ ہے کہ حدیث سے رہائی حاصل کی جائے۔ چنانچہ انہوں نے حدیث کا انکار کر دیا اور لوگوں میں سرخرو ہونے کے لیے اس پر اعتراضات کیے اور عوام کو یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ جن احادیث میں اس قدر شکوک وشبہات ہیں وہ بھلا کیسے قابلِ عمل ہوسکتی ہیں۔

اگر ان دوستوں کی یہی روش رہی تو کسی وقت قرآن مجید کے خلاف بھی ایسی تحریک شروع ہوسکتی ہے۔ جب مقصد ہی پابندیوں سے رہائی حاصل کرنا ٹھہرا۔ اور جذبہ ایک نئے اسلام کا داعی ہوا تو پھر کل قرآن یا بعض قرآن کا انکار کیونکر ناممکن ہے؟ بلکہ عین ممکن ہے۔ (اللہ محفوظ رکھے)

ہمارے کچھ اور دوست بھی کہتے ہیں کہ محدثین تو آخر انسان ہی تھے۔ لہٰذا ان سے غلطیاں ہوئی ہوں گی۔ ہم عرض کرتے ہیں کہ یہ ''ہوئی ہوں گی'' کے الفاظ بجائے خود غیر یقینی حالت کو ظاہر کرتے ہیں۔ غلطی ہونا اور ہے اور غلطی ہوسکنا اور ہے۔ یعنی ثبوت اور ہے، امکان اور ہے۔ دونوں میں فرق ہے۔

ہم نے کہا: درست ہے کہ محدثین انسان تھے۔ اور ان کی کوشش ایک انسانی

کوشش تھی۔ لیکن اگر ان سے بہتر کام آپ کر سکتے ہیں تو کر کے دکھائیں مگر جواب انکار کی صورت میں ملا کہ یہ مشکل ہے۔

بعض نے کہا کہ دانشوروں کا ایک بورڈ بیٹھنا چاہیے جو پہلے لوگوں کی خامیوں اور کوتاہیوں کو دور کرے۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ بورڈ جو ہوگا یہ بھی تو آخر انسانوں ہی کا بورڈ ہوگا۔ اس سے جو خامیاں اور کوتاہیاں رہ گئیں وہ کون دور کرے گا۔ یہ سلسلہ آخر کب ختم ہوگا۔

امید ہے ہمارے دوست حدیث مبارکہ پر اعتراض کرتے وقت یہ مذکورہ باتیں پیش نظر رکھیں گے۔

اعتراض: 18 جو بات ایک شخص نے روایت کی ہو اس میں غلطی کا احتمال ہے

بیشتر حدیثیں ہم تک خبر واحد سے پہنچی ہیں، یعنی بہت سے آدمیوں نے بہت سے آدمیوں سے روایت نہیں کیا، بلکہ ایک آدمی نے ایک آدمی سے روایت کیا ہے۔ لہٰذا خبر واحد کا شریعت میں کوئی اعتبار نہیں۔

جواب

پہلی بات تو یہ ہے کہ چلیے آپ خبر واحد کو تو نہیں مانتے۔ مگر کیا اس حدیث کو مانتے ہیں جسے بہت سے آدمیوں نے بہت سے آدمیوں سے روایت کیا ہو؟ ہمارے ناقص خیال میں یہ اعتراض محض تکلف ہی ہے۔ کیونکہ آپ نہ خبر واحد کو مانتے ہیں اور نہ ہی خبر متواتر کو۔ مقصد جب انکارِ حدیث ٹھہرا تو قبول حدیث کیونکر ہوسکتا ہے؟

دوسری بات یہ ہے کہ شاید کبھی آپ نے یہ غور نہیں فرمایا کہ یہ اعتراض تو قرآن پر بھی ہوسکتا ہے، کیونکہ یہ ایک جبرائیل علیہ السلام نے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) تک پہنچایا۔

اور ایک نبی ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم تک پہنچایا۔

اگر آپ کے اس اعتراض کو مانا جائے تو اس کی زد سے تو قرآن بھی محفوظ نہیں رہ سکتا۔ فرض کیجیے، کل کو کوئی شخص آپ کا یہی ہتھیار لے کر اسے قرآن کے خلاف استعمال کرے تو آپ کا کیا جواب ہوگا؟

اسی لیے ہم کہتے ہیں کہ حدیث پر اعتراض قرآن پر اعتراض ہے، حدیث کی توہین قرآن کی توہین ہے اور حدیث کا انکار قرآن کا انکار ہے۔

یہاں ایک نکتے کی بات یہ بھی سمجھ لیجیے کہ یہ قرآن بیشک جبرائیل علیہ السلام لے کر آئے مگر یہ ہم نے جبرائیل علیہ السلام سے نہیں لیا۔ بلکہ حضرت محمد ﷺ سے لیا ہے۔ گویا دوسرے الفاظ میں آپ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نا قابلِ اعتبار ٹھہرا رہے ہیں اور جب آنجناب ﷺ پر اعتبار نہ ہوا تو پھر قرآن پر کیوں کر ہو سکتا ہے؟

یہ بات بھی ملحوظ رہے جو غالباً کسی دوسری جگہ بیان کی گئی ہے کہ یہ قرآن عظیم ہمیں جبرئیل علیہ السلام نے نہیں دیا بلکہ جناب پیغمبر ﷺ نے دیا۔ یعنی قرآن کی خبر ہمیں حدیث سے ملی ہے۔ اور حدیث بھی وہ جو خبر واحد ہے۔ یعنی اکیلے حضور ﷺ نے ہمیں فرمایا کہ یہ قرآن ہے۔ اور جو اس کا انکار کرے وہ تو گمراہی میں جا رہا ہے۔

کسی دانا کا قول ہے کہ ایک مرتبہ اعتراض کرنے سے قبل دس مرتبہ سوچنا چاہیے، کہ اس کی زد کہاں کہاں پڑتی ہے۔ دیکھ لیجیے اس چھوٹے سے اعتراض نے کس قدر خارزار وادی میں دھکیل دیا۔ (العیاذ باللہ)

یہ ایک قدرتی بات ہے کہ ہر شخص ایک خاص ماحول اور احوال وظروف کے تحت اپنا ایک خاص مسلک اور نظریہ رکھتا ہے۔ اور وہ اس نظریئے کے الٹ کسی بات کو گوارا نہیں کرتا۔ مگر اس کے باوجود ہم اپنے قارئین کی خدمت میں عرض

کرتے ہیں کہ اصل راستہ اتباعِ رسول ﷺ، اطاعت پیغمبر ﷺ اور حُبِّ نبی ﷺ ہی ہے۔ حُبِّ نبی کے بغیر نہ اتباع ہوسکتا ہے نہ اطاعت اور حُبِّ نبی اس وقت تک پیدا نہیں ہوسکتی جب تک مقامِ رسالت کو نہ پہچانا جائے۔

ہمارے خیال میں حدیث وسنت کے خلاف جو ذہن ابھرے، تحریکات پیدا ہوئیں، آندھیاں اٹھیں، جھکڑ چلے، وہ اس لیے چلے کہ مقامِ رسالت کو نہ سمجھا گیا۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ لوگوں نے آپ ﷺ کو رسول نہ مانا، نہیں نہیں۔ بیشک آپ ﷺ کو رسول مانا، لیکن آپ ﷺ کو رسول نہ جانا۔ اس وقت کرہ ارضی پر نبی اکرم ﷺ کے تقریباً ڈیڑھ ارب کی تعداد میں نام لیوا بستے ہیں یہ سب آپ ﷺ کا کلمہ بھی پڑھتے ہیں اور آپ کو رسول ﷺ بھی مانتے ہیں۔ مگر افسوس کہ سب آپ ﷺ کو رسول نہیں جانتے۔ رسول ماننا اور ہے اور رسول ﷺ جاننا اور۔ اگر سب لوگ رسول مانتے اور جانتے ہیں تو کثرت سے فرقے کیوں ہیں؟

اللہ تعالیٰ ہم سب کو یہ نکتۂ حقیقت طراز سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے کہ جس کی شان سب سے اونچی ہے اس کا فرمان بھی سب سے بلند ہے۔ جو ہستی سب انسانوں سے بھاری ہے، اس کا ارشاد بھی سب لوگوں کے اقوال سے وزنی ہے۔ جس کی ذات آخری ہے اس کی بات بھی آخری ہے۔

ہم نے منکرین حدیث کے متعدد مایہ ناز اعتراضات کے جوابات دیئے تاکہ حدیث کی عظمت اور مقام کے سمجھنے میں جو غلط فہمیاں ہوئی ہیں، ان کا ازالہ ہوسکے۔ لیکن یہ سب باتیں ان کے لیے ہیں کہ جو غلطی خوردہ ہیں۔ یا جو بہکاوے میں آگئے ہیں۔ مگر جو لوگ فطرتاً ''میں نہیں مانتا'' کہنے کے عادی ہیں انہیں سمجھانا ہمارے بس سے باہر ہے۔ ہم ان کے حق میں دعا کے علاوہ کیا کرسکتے ہیں۔

اب ہم کتاب کا دوسرا حصہ ''حدیث اور تقلید'' شروع کرنے سے قبل یعنی پہلے حصے کے آخر میں یہ بتانا چاہتے ہیں کہ انکار حدیث کا فتنہ کیوں وجود میں آیا! اس نے کیونکر جنم لیا؟ اور اس کے عوامل کیا ہیں؟

باب:10

انکار حدیث کے عوامل

انکار حدیث کے عوامل

خاتمہ

انکار حدیث کے عوامل

اس عنوان کے تحت ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ وہ کون سے عوامل و محرکات ہیں کہ جن کی بنا پر حدیث کا انکار کیا جاتا ہے۔اس کے حسب ذیل دس عوامل سامنے آتے ہیں:

① جہالت

یہ علم کی ضد ہے۔لغوی طور پر تو علم کے معنی جاننا ہے۔مگر اصطلاح شرع میں اس سے مراد آسمانی علم کا جاننا ہے۔آسمانی علم وہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے انسانی فلاح و بہبود کے لیے بذریعہ وحی انبیاء علیہم السلام پر نازل کیا۔ اور جسے انبیاء علیہم السلام نے خدا کی ہدایات کے مطابق انسانوں تک پہنچایا اس وقت اس علم کے دو سرچشمے ہیں: ایک قرآن، دوسرا حدیث۔ منکرین حدیث ان دو بنیادی سرچشموں سے تقریباً مستغنی ہوتے ہیں۔ اور اگر کچھ سیکھنے کی کوشش کرتے ہیں تو بغیر استاد کے اپنے طور پر ہی کوشش کرتے ہیں۔ لہٰذا اس طرح جو حاصل ہوسکتا ہے کسی سے مخفی نہیں۔اور اس بالکل سطحی سے علم کے ساتھ کبھی وہ احادیث کا مذاق اڑاتے ہیں کبھی محدثین کا۔ اور یوں چاند پر تھوکنے کی ناکام کوشش کرتے ہیں۔ حالانکہ انہیں اپنی بے بضاعتی اور کوتاہ علمی دیکھنی چاہیے۔ اور یہ دیکھنا چاہیے کہ کس منہ سے کیا بات کر رہے ہیں۔

② تقلید و جمود

تقلید و جمود قریب قریب مترادف الفاظ ہیں یعنی اپنے علم و تحقیق کو کام میں لائے بغیر نبی کے علاوہ کسی اور شخصیت پر کلی اعتماد کر لینا اور اپنے اس موقف پر مضبوطی کے ساتھ جم جانا۔ دائیں بائیں مطلق نہ دیکھنا بس آنکھیں بند کر کے اپنے معین و مشخص امام کے پیچھے چلتے جانا۔

آپ خود ہی بتائیے کہ بھلا تقلید و جمود کی موجودگی میں اتباع حدیث وسنت کا جذبہ پیدا ہوسکتا ہے؟ بلکہ تقلید و جمود کی وجہ سے عین ممکن ہے کہ بہت سی احادیث کا انکار ہو جائے۔ حکیم الامت حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے کیا خوب فرمایا۔ آپ فرماتے ہیں:

«من كان مقلدًا لواحد من الائمة و بلغهٗ عن رسول اللّٰه ﷺ ما يخالف قوله فى مسئلة و غلب على ظنّهٖ ان ذلك نقل صحيح فليس له عذر فى أن يتركَ حديثه عليه السلام الٰى قول غيره وما ذٰلك شان المسلمين و يخشٰى عليه النفاق ان فعل ذلك»

''جو شخص ائمہ میں سے کسی ایک امام کا مقلد ہو اور اسے آنحضرت ﷺ کی کوئی ایسی حدیث مل جائے جو اس کے امام کے قول کے خلاف ہو۔ تو اگر اس نے قول کے مقابلے میں حدیث ترک کر دی تو اس شخص پر نفاق کا خطرہ ہے۔ کیونکہ کوئی مسلمان حدیث کو ٹھکرانے کی کسی صورت

جرأت نہیں کر سکتا۔‘‘[1]

شاہ صاحب رحمہ اللہ نے جس خدشے کا اظہار فرمایا وہ بالکل بجا ہے کیونکہ تقلید و جمود کی موجودگی میں احادیث کا استخفاف و انکار عین ممکن ہے۔ زبان سے انکار نہ سہی عمل سے انکار تو ہو ہی سکتا ہے۔ احادیث کی تاویل، تحریف اور تردید کی ضرورت بھی تب ہی پیدا ہوتی ہے جبکہ طبیعت احادیث کو اختیار کرنے پر مائل نہ ہو۔ حالانکہ حدیث اور فقہ میں اتنا ہی فرق ہے جتنا نبی اور غیر نبی میں ہے۔ جس طرح کروڑوں امتی مل جائیں تو ایک نبی کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ اسی طرح اگر کروڑوں اقوال مل جائیں تو ایک حدیث کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔

③ آزادیٔ فکر

فکر سے مراد سوچ بچار اور خیال ہے۔ یہ آزاد بھی ہے اور پابند بھی۔

صنوبر باغ میں آزاد بھی ہے پابہ گِل بھی ہے
انہیں پابندیوں میں حاصل آزادی کو تُو کر لے

فکر کے آزاد ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ مدارس، مذاہب اور گروہی پابندیوں سے آزاد ہو۔ اس پر کسی ادارے یا فرقے کی چھاپ نہ ہو۔ اور پابند ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ شریعت کی پابند ہو۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی ماتحت و منقاد ہو۔ قرآن و حدیث میں محصور ہو۔ مگر اس کے برعکس وہ فکر جو سراسر آزاد ہو، جو اللہ سے آزاد، رسول ﷺ سے آزاد، اصول شریعت سے آزاد، حدود و قیود سے آزاد، اصول و قواعد سے آزاد، علوم و فنون سے آزاد، قرآن سے

① التفهيمات الإلٰهية: 161/2.

آزاد، حدیث سے آزاد۔ یہ سرتاپا آزاد فکر بھلا احادیث اور ان کی پابندیوں کو کیونکر تسلیم کرسکتی ہے؟

ایں خیال است و محال است و جنوں

اسی آزادیٔ فکر کی بنا پر بہت سے لوگوں نے نہ صرف احادیث اور معجزات کا بلکہ ختم نبوت کا انکار کردیا۔ یہ آزادی مقلد یا غیر مقلد، جس میں بھی آئی اسے لے ڈوبی۔ اور اس نے اسے قعرِ ضلالت میں دھکیل دیا۔

 ④ پابندیوں سے رہائی

سہل انگار لوگوں نے اسلام کی پابندیوں سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے آسان حربہ اختیار کر لیا کہ بس حدیث کا انکار کردیا جائے، اس طرح بیسیوں مستحبات، سنن اور واجبات سے آزادی حاصل کر لی۔ معیشت، معاشرت، حقوق و فرائض غرض بیشمار پابندیوں سے رہائی، مثلاً: شادی کی پابندی، غمی کی پابندی، پردے کی پابندی، اختلاطِ مرد وزن کی پابندی، تعلیم کی پابندی، اخلاق و آداب کی پابندی، کمانے کی پابندی، لگانے کی پابندی، عبادت کی پابندی، تلاوت کی پابندی، لباس اور حجامت کی پابندی، کاروبار اور ملازمت کی پابندی، سونے کی پابندی، جاگنے کی پابندی، چونکہ یہ عام پابندیاں حدیث میں آئی ہیں، اس لیے آرام طلب گروہ نے جو بالعموم خوشحال اور مغربیت زدہ ہے، حدیث کا انکار کردیا۔ یہ چونکہ سہل مذہب ہے لہٰذا اس نے سہل انگار لوگوں کو زیادہ اپیل کیا۔

آپ خود بتائیے کیا عزت و عظمت راہِ حق میں سختیاں جھیلنے اور مشقتیں

برداشت کرنے سے ملتی ہے یا آرام پسندی سے؟ مگر اس طبقے نے لوگوں کو غلط درس دیا۔ اور انہیں سست، کاہل اور آرام طلب بنا دیا۔ حالانکہ اسلام نے ہم پر اتنا ہی بوجھ ڈالا ہے جتنا ہم اٹھا سکتے ہیں۔

⑤ علمائے کرام سے ضد

بعض لوگوں کو بیچارے علماء سے خدا واسطے کی ضد ہے۔ اس میں قادیانی، حکمران، خاکسار، سیاسی لیڈر، منکرین حدیث اور ماڈرن طبقہ پیش پیش ہے۔ تقریباً ہر ایک کی مُلّا سے ضد ہے اور اس کی خاص وجہ ہے۔ منکرین حدیث کی ضد اس لیے ہے کہ اس کے خیال میں مُلّا اسے چودہ سو برس پیچھے لے جانا چاہتا ہے۔ ان کی گردنوں میں ارکان اسلام کا جوا ڈالنا چاہتا ہے، انہیں قرآن اور حدیث کے اتباع کی تعلیم دیتا ہے۔ انہیں شریعت پر عمل کرنے کی دعوت دیتا ہے۔ انہیں عبادت، تلاوت، ذکر الٰہی اور فکر آخرت کرنے پر زور دیتا ہے۔ دینی تعلیم کے حصول کی تلقین کرتا ہے۔ اور اسلامی شکل وصورت، چال ڈھال، تہذیب، ثقافت، معیشت و معاشرت کی ترغیب دیتا ہے۔ مساجد میں پانچ وقت اذان پکارتا ہے۔ اس کے خیال میں مُلّا کا یہ بھی ناقابلِ معافی جرم ہے کہ یہ انگریزی سے نابلد ہے۔ فزکس وکیمسٹری سے ناآشنا ہے۔ ٹیکنالوجی سے بے خبر ہے۔ اخبارِ عالم سے بے بہرہ ہے۔ اس کے باوجود لوگوں کی امامت کراتا ہے۔ اور ان کی قیادت کا دعویٰ کرتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ ہم روشن دماغ ہیں، اعلیٰ تعلیم رکھتے ہیں، لہٰذا ہم بھلا اس فرسودہ خیالات کے حامل اور دقیانوسی مُلّا کی بات کیسے مانیں؟ اس کی لیڈرشپ کیونکر تسلیم کریں؟ اسے کیوں امامت دیں، کیوں سیادت سونپیں؟ مُلّا ہمیں پستی

کی جانب لے جا رہا ہے۔ اور نئی روشنی سے ہٹا کر ہمیں شریعت کے "تاریک غار" میں دھکیل رہا ہے۔ تاریک اسلام، گنجلک اسلام، بوجھل اسلام، پابندیوں کا اسلام، جکڑ بندیوں کا اسلام، روایات کا اسلام، احکامات کا اسلام، مُلّا کی احادیث نے فرقے جنم دیئے۔ مُلّا کے اسلام نے دین کا بٹوارہ کردیا۔ اسلام کے ٹکڑے کر دیئے۔ لا تعداد فرقے بنا دیئے۔ مسلمانوں کو دست وگریباں کر دیا۔ مُلّا غلط ہے اور اس کا اسلام غلط اور تباہ کن ہے۔ ہم اسے کبھی برداشت نہیں کر سکتے۔ اس کا وجود قوم وملت پر بوجھ ہے۔ یہ ننگ آدمیت وننگ انسانیت ہے۔ یہ ایسا ہے، یہ ویسا ہے۔

غرض منکر حدیث کو ملّا سے ہر اعتبار اور ہر پہلو سے چڑ ہے۔ مُلّا جس بات کو مشرق کہتا ہے یہ اسے مغرب کہتے ہیں۔ وہ جسے آسمان کہتا ہے یہ اسے زمین کہتے ہیں، وہ جس قدر حدیث پر زور دیتا ہے یہ اسی قدر اس سے دور رہنے کی تلقین کرتے ہیں اور اسے مُلّا کا اسلام اور حدیث کا اسلام کہہ کر بھاگتے ہیں۔

حاصل کلام یہ کہ بہت سے لوگوں نے ملّا سے ضد اور چڑ کی وجہ سے احادیث کا انکار کر دیا۔

⑥ اتباعِ حق کا جھوٹا جذبہ

حق کا لفظ ایسا ہے جو تقریباً سبھی کو پسند ہے۔ حق پسند ہو یا نہ ہو، مگر حق کا لفظ ایسا پُرکشش ہے کہ جس پر ہر کوئی لٹو ہوتا ہے۔

کئی لوگ حق کی تلاش میں انکارِ حدیث تک جا پہنچے، یعنی وہ حق کو ڈھونڈتے

ڈھونڈتے منکرین حدیث بن گئے۔ گویا انکار حدیث حق ہے۔ کئی لوگ اٹھارہ اٹھارہ بیس بیس برس کی صحرا نوردی کے بعد اس منزل تک پہنچے۔ پہلے یہ لوگ جامد مقلد تھے، پھر کامل آزاد بن گئے۔ تا آنکہ درجۂ اجتہاد پر فائز ہو گئے۔ پھر جس کو جی چاہا حق ٹھہرا دیا اور جس کو جی چاہا باطل قرار دے دیا۔ اور اپنے خود ساختہ حق و صداقت پر جم گئے۔

ان کے خیال میں حدیث نے اسلام کھوکھلا کر دیا۔ قرآن کی غلط تعبیر وتشریح کی۔ نبی اور ان کے گھرانے کی حیثیت کو داغدار کیا۔ متضاد نظریات دیئے، نفرت کی آگ بھڑکائی۔ اور کہا کہ حدیث سے اسلام دشمن سازشوں کو کامیاب بنانے میں ہم نے بڑا اہم رول ادا کیا۔ اور کہتے ہیں کہ ہم نے احادیث کا انکار کر کے حق کا اتباع کیا ہے۔ اور اہم فریضہ ادا کیا ہے، عام منکرین حدیث اسی ''اتباع حق'' کے دعویٰ کے ساتھ انکارِ حدیث کے خارستان تک پہنچے۔

⑦ عقل وہویٰ کی پیروی

عقل بیشک ایک نور ہے۔ مگر یہ چراغ راہ ہے منزل نہیں۔ عقل سے کام لیا جا سکتا ہے اور راہنمائی حاصل کی جا سکتی ہے، مگر اس پر مکمل طور پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا کیونکہ عقل ٹھوکر بھی کھا جاتی ہے۔

تجربے اور مشاہدے کی بات ہے بہت سی باتیں ایسی ہیں جو عقل میں نہیں آ سکتیں۔ تو کیا ان باتوں کا انکار کر دیا جائے گا؟ اگر محض عقل کی پیروی کی جائے تو اسلام کا اکثر حصہ ترک کرنا پڑے گا۔ کیونکہ خدا، جبرائیل علیہ السلام، انبیاء علیہم السلام کے واقعات ومعجزات، جنت، جہنم، احیاء، آخرت اور ایسے دیگر

نظریات کب عقل میں آتے ہیں؟ جن لوگوں نے معجزاتِ انبیاء علیہم السلام کا انکار کیا انہوں نے عقل کے سہارے پر ہی انکار کیا۔ اور احادیث کا انکار بھی تقریباً اسی عقل کے سبب سے ہوا۔

ہوٰی سے مراد خواہش نفس ہے۔ اور خواہش نفس اکثر طور پر غلط راستے کی طرف راہنمائی کرتی ہے۔ آدمی کو گمراہی کی منزل تک لے جاتی ہے۔ نفسانی خواہش اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت پر کبھی نہیں ابھارتی۔ یہ تو جو چیز اس کے من میں آتی ہے مانتی ہے، جو من میں نہیں آتی انکار کر دیتی ہے۔

جہاں اتباعِ ہوٰی ہوگی وہاں آدمی نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ کا پابند نہیں ہوسکتا۔ یعنی جہاں غلامی ہی خواہش کی ہو وہاں قرآن و حدیث کی پیروی کیوں کر ہوسکتی ہے؟ کبھی نہیں۔ کیونکہ ہوٰی اور شریعت دو متضاد چیزیں ہیں۔ جہاں ہوٰی کی بادِ سموم چل رہی ہو وہاں چمن زار شریعت کیوں کر سر سبز و شاداب رہ سکتا ہے؟

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ مَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰىهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ﴾

"اس سے بڑھ کر گمراہ کون ہوگا جو اللہ کی ہدایت کے بجائے اپنے نفس کی خواہشات کی پیروی کرے۔"[1]

مطلب یہ کہ انسان کو سب سے بڑھ کر گمراہ کرنے والی چیز اس کے اپنے نفس کی خواہشات ہیں جو خواہشات کا بندہ بن گیا ممکن ہی نہیں کہ وہ اللہ کا بندہ بنے۔ وہ تو ہر وقت یہی سوچے گا کہ مجھے شہرت، عزت کس کام سے ملتی ہے۔ مجھے لذت و

[1] القصص: 50.

لطف کس کام سے حاصل ہوتا ہے، مجھے آرام و آسائش کس کام سے ملتی ہے، لہٰذا ایسے شخص کا پابند شریعت ہونا محال ہے۔

ایک دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿اَرَءَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ اَفَاَنْتَ تَكُوْنُ عَلَیْهِ وَكِیْلًا ۝ اَمْ تَحْسَبُ اَنَّ اَكْثَرَهُمْ یَسْمَعُوْنَ اَوْ یَعْقِلُوْنَ اِنْ هُمْ اِلَّا كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ سَبِیْلًا﴾

''کیا آپ نے اس شخص کے حال پر بھی غور کیا ہے جس نے اپنی خواہش ہی کو اپنا معبود بنا رکھا ہے؟ کیا آپ ایسے شخص کی وکالت کر سکتے ہیں؟ کیا آپ سمجھتے ہیں کہ ان میں سے بہت سے لوگ سنتے اور سمجھتے ہیں؟ ہرگز نہیں، یہ تو جانوروں جیسے ہیں بلکہ ان سے بھی گئے گزرے۔''[1]

خواہش پرست انسان کا جانوروں سے بدتر ہونا ایسی بات ہے جس میں شک کی گنجائش ہی نہیں، کوئی جانور آپ کو ایسا نہیں ملے گا جو اللہ تعالیٰ کا کھا پی کر اس سے بغاوت کرے، اللہ تعالیٰ نے جو اس کی ڈیوٹی مقرر کر رکھی ہے اس سے کوتاہی برتے۔ ایک انسان ہے جسے اس نے اشرف المخلوقات بنایا، اس کی رہائش، کھانے پینے الغرض اس کی ہر ضرورت اور ہر سہولت کا بندوبست کیا اب اگر یہ اللہ تعالیٰ کی ساری نعمت کھا کر ڈکار مارتے ہوئے اس کی شریعت سے بغاوت کرے، نفس کی پیروی کرتے ہوئے اس کی مقرر کردہ حدود و قیود سے آزادی چاہے تو اس کا جانوروں سے بدتر ہونا بدیہی بات ہے۔

بہر حال ہم بتانا یہ چاہتے ہیں کہ اتباعِ عقل و ہویٰ بھی انکارِ حدیث کا بہت

[1] الفرقان: 44,43.

اہم عامل اور محرک ہے۔ جہاں عقل و ہویٰ کا عمل دخل ہو وہاں حدیث تو کیا، قرآن اور اسلام کے بنیادی معتقدات کا انکار بالکل معمولی اور آسان بات ہے۔ یعنی جو ارشادِ قرآنی وارشادِ نبوی عقل میں نہ آیا، دل کو نہ بھایا یا من میں نہ سمایا، اس کا انکار کر دیا، چنانچہ آج بھی یہی کچھ ہو رہا ہے۔

⑧ اسلام کے خلاف سازش

اگر تاریخ عالم کا مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ شروع سے ہی اسلام کے خلاف سازشیں ہو رہی ہیں، اور اسلام کے خلاف منظم پروپیگنڈے کیے جا رہے ہیں۔ ہمارے بہت سے جدید ذہن انہی پروپیگنڈوں کا شکار ہو گئے ۔ اور بہت سے تہذیب نو کے حامی افراد ان پروپیگنڈوں میں باقاعدہ شریک ہو گئے۔

اسلام کی تردید وتکذیب کا پہلا حربہ جو ہو سکتا تھا وہ یہ تھا کہ پیغمبر اسلام ﷺ کی بے داغ سیرت کو داغدار ثابت کیا جائے. دوسرا حربہ یہ ممکن تھا کہ اولین راویانِ اسلام کو غیر معتبر قرار دیا جائے۔ کیونکہ قرآن اور حدیث انہیں کے ذریعہ اور واسطہ سے آگے پہنچا ہے۔ تیسرا حربہ یہ اختیار کیا کہ ائمہ محدثین کرام (جامعین حدیث) پر ناروا تنقید کی جائے تاکہ حدیث کی اہمیت نہ رہے۔ چنانچہ آج ان ہرسہ طریقوں اور حربوں کو اپنایا جا رہا ہے اور رسول اللہ ﷺ، غلامان رسول اور محدثین کرام علیہم الرحمۃ کے خلاف ہرزہ سرائی کی جا رہی ہے۔ اس پروپیگنڈے کو اپنا قومی وملّی حق سمجھا جا رہا ہے۔ اور حدیث کے انکار سے ان کے یہ تمام مقاصد بخوبی پورے ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ اس قسم کے لوگوں نے حدیث کا

برملا انکار کر دیا۔

چلیئے ہم یہ نہیں کہتے کہ تمام منکرین حدیث، اسلام کے خلاف باقاعدہ اور منظم سازش کر رہے، تاہم اس سے انکار تو مشکل ہے کہ سبھی منکرین حدیث دانستہ یا نادانستہ طور پر خلافِ اسلام پروپیگنڈہ میں شریک ضرور ہیں۔ کیونکہ حدیث کا انکار کر کے اسلام کسی صورت محفوظ نہیں رہ سکتا۔

⑨ منکرین حدیث کا پروپیگنڈہ

پروپیگنڈہ بڑی قوت ہے۔ بڑے بڑے لوگ اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتے۔

حدیث کے خلاف جو پروپیگنڈہ کیا گیا، یہ اظہر من الشّمس ہے۔ چنانچہ بہت سے لوگ دن رات کے اس پروپیگنڈے کا شکار ہو گئے۔ جن لوگوں کی بنیاد ناپائیدار تھی وہ اس رو میں بہ گئے۔ چنانچہ بہت سے لوگ ہیں جو تحریک انکار حدیث کے رکن یا مبلغ اگرچہ نہیں مگر منکرین حدیث سے متفق ضرور ہیں۔ یا کم از کم انہیں اسلام کے خلاف نہیں سمجھتے۔ اور منکرین کو مفکرین کہتے ہیں۔

منکرین حدیث کا پروپیگنڈہ ہے کہ وحی فقط قرآن ہے حدیث نہیں، احادیث ظنی ہیں یقینی نہیں، یہ لوگوں نے تیار کی ہیں، یہ گفتہ رسول نہیں، یہ باہم متصادم ہیں، یہ اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کی اہانت کا دروازہ کھولتی ہیں۔ احادیث نے تخم اختلاف و تفرقہ کی آبیاری کی، احادیث قرآن کی مخالف ہیں، یہ اسلام کے خلاف عجمی سازش ہے۔

ہمارے بہت سے انجان دوست اس ہمہ گیر اور زبردست پروپیگنڈے کا شکار

ہو گئے۔ چنانچہ یہ منکرین حدیث کا پروپیگنڈہ، انکار حدیث کا ایک کامیاب عامل و محرک ہے۔ جس کا سدِّ باب اور مناسب بندوبست ہونا چاہیے۔

⑩ ایمانی حِس کا فقدان

جو شخص اسلام کا قائل ہو بھلا یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ وہ اعتقادات اور ایمان کے مبادیات کا منکر ہو؟ اور کہے کہ قرآن میں جہاں جہاں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے اس سے مراد امام وقت یعنی مرکز ملت کی اطاعت ہے۔''[1]

اور یہ کہے کہ'' کلام مجید کو نہ میں کلامِ خداوندی سمجھتا ہوں اور نہ ہی الہام ربانی۔ بلکہ ایک انسان کا کلام جانتا ہوں۔''[2]

ہم حدیث کا ذکر کر رہے تھے مگر یہاں تو قرآن کا انکار ہو رہا ہے۔ لیکن ایمان کے ہوتے ہوئے ایسی باتیں نہیں کی جاسکتیں۔

مزید ملاحظہ فرمایئے! چونکہ غیب دان اللہ کو علم تھا کہ سور کے بال تیرہ سو برس کے بعد انسانی تمدن کا حصہ بن جائیں گے اس لیے سور کو حرام کرتے وقت ﴿لَحْمُ الخنزیر﴾ کے الفاظ استعمال فرمائے۔ یعنی سور کا گوشت حرام قرار دے دیا۔ اور بالوں کے متعلق خاموشی اختیار فرمائی۔[3]

اس کے ساتھ یہ گلفشانی بھی ملاحظہ کیجئے کہ:

جن جزئیات کو خدا نے خود متعین نہیں کیا ان کے متعلق خدا کا منشاء یہی تھا کہ وہ ہر زمانے کے تقاضوں کے مطابق بدلتی رہیں۔''[4]

---

① مقامِ حدیث اسلم جیراجپوری 155/1. ② نیاز فتح پوری ''من ویزداں'' 405/2. ③ (غلام جیلانی برق ''جہانِ نو'' ص 144) یاد رہے کہ برق صاحب بعد میں تائب ہو گئے تھے۔ اللہ مغفرت فرمائے۔ (امین) ④ مقامِ حدیث از پرویز 299/2.

مزید سنیئے!

''جب کتا، بلی، گدھا، رینڈیر، کنگرو اور افریقہ، امریکہ، آسٹریلیا کے ہزاروں جانوروں کی حلت وحرمت اگر قرآن میں نہیں تو پھر کس حکم سے حرام یا حلال کیا گیا؟''[1]

ایک اور حوالہ ملاحظہ کیجئے:

''خدا کی ہستی اور اس کے صحیح منشاء کے متعلق آج تک کوئی حتمی اور متفق علیہ دلیل نہیں مل سکی۔''[2]

''شیعہ اور سنی، حنفی اور شافعی، مقلدِ اور غیر مقلد، صوفی اور وہابی وغیرہ وغیرہ میرے نزدیک کچھ شئے نہیں۔ یہ سب جہنم کی تیاری ہے۔ خودکشی اور استہلاک ہے۔''[3]

یہ ''مسلمانوں'' کی ایمانی حس کے چند نمونے ہیں۔ جہاں ایمانی جوش، جذبے اور حرارت کا یہ حال ہو، وہاں اگر آپ ان سے انکارِ حدیث کا شکوہ کریں تو کیا حاصل ہوگا؟

جہاں دین اور ایمان کا یہ کیف ہو جو ابھی آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں، یعنی اطاعت رسول ﷺ کا انکار ہو، صحتِ قرآنی مشتبہ ہو، حرام کو حلال بنا لیا ہو اور اسلام کو موم کی ناک سمجھ لیا گیا ہو کہ جب اور جس طرح جی چاہا اسے مروڑ لیا۔ تو ان حالات میں آپ ان سے کیا یہ توقع رکھیں گے کہ یہ لوگ حدیث کا انکار نہ کریں؟ یہ تو بڑی ہی انہونی بات ہے۔ یعنی یہ وہ ''مسلمان'' ہیں کہ جن کی ایمانی حس

① ڈاکٹر احمد دین اکال گڑھ، پیغام توحید ص 12. ② علامہ مشرقی دیباچہ تذکرہ ص 2. ③ علامہ مشرقی، دیباچہ تذکرہ ص60.

غائب ہوچکی ہے۔ جو لوگ اسلام کی بنیاد پر تیشے چلا رہے ہوں بھلا ان سے خدمتِ اسلام اور اشاعتِ قرآن کی توقع کی جاسکتی ہے؟ اور یہ ملک میں جونسا اسلام لانے کے آرزومند ہیں وہ بھی سب کے سامنے ہے۔

یہ ہیں وہ دس عوامل ومحرک جن کی بنا پر کچھ لوگ انکارِ حدیث کا شکار ہوئے۔ اگر ان عوامل کا ازالہ کردیا جائے تو یہ فتنہ اپنے آپ دب جائے گا۔ اور یہ مرض خودبخود ختم ہوجائے گا لیکن یہ ازالہ ہے مشکل اور محنت طلب، مگر ناممکن نہیں۔ ہم قرآن وسنت سے راہنمائی حاصل کر کے اس سیلاب کا منہ موڑ سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں جذبۂ صادقہ عطا فرمائے۔

خاتمہ

گزشتہ صفحات میں حدیث کا معنی ومفہوم، تعریف، فضیلت، حجیت، ضرورت و اہمیت، مقام حدیث و رسالت، حدیث کی کتابت و تدوین، نشر و اشاعت اور مدوجزر، خدماتِ محدثین رحمہم اللہ، منکرینِ حدیث کا تعارف، تاریخ انکار حدیث، ضرورت حدیث اور انکار حدیث کے عوامل ومحرکات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اب ہم ایک ایسی بیماری کا ذکر اور اس پر مناسب اور ضروری بحث کرتے ہیں کہ جس نے انکارِ حدیث کی راہ ہموار کی۔ یا یوں کہہ لیجئے کہ جس کی بدولت لوگوں کو انکارِ حدیث کی جرأت ہوئی۔ اس بیماری کا نام ہے تقلید۔ ہمارے ناقص خیال میں تقلید نے ہی انکارِ حدیث پر جرأت دلائی اور انکارِ حدیث نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو معطل قرار دے دیا۔ اور اگر بنظر غائر ملاحظہ کریں تو تقلید اور فتنہ انکارِ حدیث میں قدر مشترک بھی یہی چیز ہے۔ یعنی حدیث کا استخفاف و انکار۔ اس بات کو ہم قدرے وضاحت کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔

یہ وضاحت بوجوہ ضروری ہے۔ کیونکہ بعض لوگ ہمارے اس مؤقف سے اختلاف رکھتے ہیں بلکہ اسے غلط کہتے ہیں۔ اور بعض دن رات یہ پروپیگنڈہ کرتے ہیں کہ اہل حدیث ایک نیا فرقہ ہے یہ ائمہ کا منکر اور گستاخ ہے۔ اور کہتے ہیں کہ تقلید واجب ہے ترکِ تقلید گمراہی ہے۔ اور فقہ حنفیہ کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ فقہ قرآن وحدیث کا عطر اور نچوڑ ہے۔ محدثین رحمہم اللہ غیر فقیہ تھے۔ اور مذاہب اربعہ

برحق ہیں۔ جو ان سے باہر ہے وہ گویا حق سے باہر ہے۔ آئندہ صفحات پر ہم دلائل وشواہد کی روشنی میں یہ بتائیں گے کہ مقامِ رسالت کیا ہے۔[1] اور ہم اہل سنت سے اس کے سمجھنے میں کیا کیا فروگذاشتیں ہوئیں۔ ہمارا راستہ کون سا تھا، مگر ہم کس دلدل میں پھنس گئے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں راہِ حق کی ہدایت فرمائے۔ (آمین)
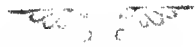
[1] اس موضوع پر مؤلف رحمہ اللہ کی ایک کتاب ''مسئلہ تقلید'' زیور طباعت سے آراستہ ہے اور ایک دوسری کتاب ''انوار حدیث'' تیاری کے مراحل میں ہے۔

حرفِ چند

سوہدرہ ضلع گوجراں والا کا مشہور تاریخی قصبہ ہے، جس کے علوی خاندان کو (جسے اب فاروقی خاندان کہا جاتا ہے) علم و عمل اور تصنیف و خطابت میں امتیازی حیثیت حاصل رہی ہے۔ اس خانوادۂ ذی شان کے ایک پیکر صالحیت بزرگ مولانا غلام نبی الربانی تھے جو 4۔ستمبر 1848ء کو سوہدرہ میں پیدا ہوئے۔ تحصیل علم کا آغاز اپنے والد مکرم مولوی محبوب عالم سے کیا۔ پھر اس راہ کی مختلف منزلیں طے کرتے ہوئے، موضع لکھو کے (ضلع فیروز پور) میں حضرت حافظ محمد لکھوی کی خدمت میں حاضری دی اور ان سے کتبِ حدیث پڑھیں۔ وہاں سے چلے تو دہلی جا کر حضرت میاں سید نذیر حسین کے آستانۂ فضلیت پر دستک دی۔ ان دنوں امرتسر میں حضرت عبداللہ غزنوی کا سلسلۂ فیض جاری تھا، ان کے حلقۂ بیعت میں شامل ہونے کی سعادت بھی حاصل کی۔

فارغ التحصیل ہونے کے بعد واپس اپنے وطن سوہدرہ تشریف لائے اور وہاں مسندِ رشد و ہدایت بچھائی اور وعظ و تقریر، درس و تدریس اور تصنیف و تالیف کی صورت میں توحید و سنت کی بے حد اشاعت کی اور کثیر تعداد میں لوگ ان سے مستفید ہوئے۔ اس جلیل المرتبت عالم دین نے 83 سال کے لگ بھگ عمر پائی اور 3۔مئی 1930ء (4۔ذی الحجہ 1348ھ) کو سوہدرہ میں سفر آخرت اختیار کیا۔

مولانا غلام نبی الربانی کے دو صاحب زادے تھے اور دونوں رفیع المنزلت علماء تھے۔ بڑے مولانا عبدالحکیم اور چھوٹے مولانا عبدالحمید۔!

عبدالحکیم کی ولادت 1873ء کو ہوئی اور پوری مروجہ تعلیم حاصل کی۔ سند حدیث حضرت حافظ عبدالمنان وزیر آبادی سے لی۔ بہت اچھے مبلغ اور واعظ و خطیب تھے۔ عین عالم جوانی میں 1902ء کو وفات پائی۔ باپ نے جوان بیٹے کی میت اپنے ہاتھوں سے قبر میں اتاری۔

ان سے چھوٹے مولانا عبدالحمید 1882ء میں پیدا ہوئے۔ درسیات کی ابتدائی کتابیں گھر میں پڑھیں۔ پھر صحاح ستہ کی تکمیل حضرت حافظ عبدالمنان وزیر آبادی محدث سے کی اور سند لی۔ بعد ازاں حضرت میاں سید نذیر حسین کی خدمت میں دہلی گئے اور ان سے فیض یاب ہوئے۔

حضرت میاں صاحب کے عالی قدر شاگرد شارح ابوداؤد مولانا شمس الحق ڈھیانوی کے سامنے بھی زانوئے ادب تہ کیے۔ بعدازاں عازمِ بھوپال ہوئے اور شیخ حسین بن محسن انصاری یمانی کے حلقہ درس میں شمولیت کی اور سندِ حدیث کے حق دار ٹھہرے۔ اس طرح اس عہد کے برصغیر کے متعدد مشہور اصحابِ علم سے حصول فیض کیا۔ واپس سوہدرہ آ کر وعظ وتبلیغ میں مشغول ہوئے اور مدرسہ حمیدیہ کے نام سے مدرسہ جاری کیا۔ ان کی شادی حضرت محدث حافظ عبدالمنان وزیر آبادی کی صاحب زادی سے ہوئی تھی۔ اس عالم اجل نے صرف تیس برس عمر پائی اور 24۔مئی 1912ء (7۔ جمادی الأخری 1330ھ) کو وفات پا گئے۔ مولانا غلام نبی ربانی نے خود ہی جوان بیٹے کی نمازِ جنازہ پڑھائی اور خود ہی تجہیز وتکفین کا اہتمام کیا۔

لائق بیٹے کی وفات کے بعد ان کے جاری کردہ مدرسہ حمیدیہ کی زمام انتظام ہاتھ میں لی اور اس میں خدمت تدریس سرانجام دینے لگے۔ اس حادثے سے اٹھارہ سال بعد 3۔مئی 1930ء کو سفر آخرت پر روانہ ہوئے۔

مولانا عبدالحمید کے بیٹے مولانا عبدالمجید سوہدروی تھے جو جنوری 1901ء کو سوہدرہ میں پیدا ہوئے۔ باپ کی وفات کے وقت وہ گیارہ سال کے بچے تھے۔ وہ حافظ عبدالمنان وزیر آبادی کے نواسے تھے۔ ابتدائی تعلیم اپنے جدِ امجد مولانا غلام نبی سے پائی اور پھر مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹی اور مختلف اساتذہ کے سامنے زانوئے شاگردی تہ کیے۔ اللہ نے ان کو بہت سی صلاحیتوں سے نوازا تھا۔ تحریر وتقریر کی صورت میں انھوں نے بڑی خدمات سرانجام دیں۔ اسلامی تاریخ سے انھیں خاص طور پر دلچسپی تھی اور بزرگانِ دین کے واقعات دلچسپ انداز میں سنایا کرتے تھے۔ اس سلسلے میں انھوں نے متعدد کتابیں تصنیف کیں۔ وہ نامور طبیب بھی تھے۔ طب کے موضوع پر بھی انھوں نے بہت کچھ لکھا۔ وہ میٹھی زبان اور خوب صورت اسلوب میں مدلل تقریر کرتے تھے۔ ان کا زمانہ متحدہ ہندوستان کا زمانہ تھا۔ پورے ہندوستان کی جماعت اہل حدیث کے جلسوں میں انھیں دعوت دی جاتی تھی اور وہ جلسوں میں تشریف لے جاتے تھے۔ سامعین ان کی تقریر نہایت شوق سے سنتے اور متاثر ہوتے تھے۔ قصبہ سوہدرہ ان کی وجہ سے پورے برصغیر میں مشہور ہوا۔ انھوں نے 6۔نومبر 1959ء کی شب کو لاہور میں وفات پائی اور دوسرے دن ان کی میت ان کے وطن سوہدرہ پہنچائی گئی اور وہیں انھیں دفن کیا گیا۔[1]

[1] ان کے تفصیلی حالات کے لیے ملاحظہ ہو راقم کی کتاب بزم ارجمنداں۔ شائع کردہ مکتبہ قدوسیہ، اردو بازار لاہور۔

مولانا عبدالمجید سوہدروی کی نرینہ اولاد میں سب سے بڑے حافظ محمد یوسف تھے جو کم وبیش 1920ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے جدِامجد مولانا غلام نبی الربانی سے حاصل کی۔ اس کے بعد حضرت حافظ عبدالمنان وزیرآبادی کے مدرسے کے فاضل مدرس مولانا عمرالدین وزیرآبادی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے درس نظامیہ کی تکمیل کی۔ 1942ء میں امرتسر کے طبیہ کالج سے طب کی تعلیم حاصل کی۔ اسی طرح پنجاب یونیورسٹی سے مولوی فاضل اور منشی فاضل کے امتحانات پاس کیے، جنھیں اب فاضل عربی اور فاضل فارسی کہا جاتا ہے۔

اللہ نے توفیق بخشی قرآن مجید بھی حفظ کیا۔

حافظ محمد یوسف عالی کردار، بلند اخلاق، نہایت منکسر اور درویش منش عالم تھے۔ بہت اچھے خطیب اور صاحبِ مطالعہ بزرگ تھے۔ توحید وسنت کا جذبہ صادقہ اپنے آباواجداد سے وراثت میں ملا تھا۔ شیریں کلام اور نرم مزاج تھے۔ تحریر ونگارش سے بھی تعلق تھا۔ اپنے والد مکرم مولانا عبدالمجید سوہدروی کی وفات کے بعد کچھ عرصہ ہفت روزہ "اہل حدیث" کی ادارت کا فریضہ انجام دیتے رہے۔ نہایت صالح فطرت اور نیک اطوار تھے۔ 26۔ دسمبر 1996ء کو سوہدرہ میں فوت ہوئے۔

مولانا حکیم محمد ادریس فاروقی انہی حافظ محمد یوسف کے بڑے صاحب زادے ہیں۔ ان کا مختصر سلسلۂ نسب یہ ہے: محمد ادریس بن حافظ محمد یوسف بن مولانا عبدالمجید بن مولانا عبدالحمید بن مولانا غلام نبی الربانی بن مولوی محبوب عالم۔ اس سلسلۂ نسب کے تمام افراد علم وعمل کی دولت سے مالا مال ہیں اور کتاب وسنت کی تبلیغ واشاعت ان کا اصل مقصد حیات رہا ہے۔

مولانا محمد ادریس 1944ء میں بمقام سوہدرہ پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم والد مکرم حافظ محمد یوسف سے حاصل کی۔ میٹرک پاس کرنے کے بعد جامعہ اثریہ، جامعہ اسلامیہ گوجراں والا، جامعہ سلفیہ فیصل آباد اور بعض دیگر تدریسی اداروں میں درس نظامیہ کی تکمیل کی۔ اساتذہ کی وسیع فہرست میں حضرت حافظ محمد گوندلوی، مولانا ابوالبرکات احمد، مولانا شریف اللہ خاں سواتی، حافظ عبداللہ بڈھیمالوی، پیر محمد یعقوب قریشی، مولانا محمد صادق خلیل، مولانا محمد علی جانباز، مولانا فاروق احمد راشدی، مولانا محمد یوسف کلکتوی، حافظ بنیامین طور شامل ہیں۔

اپنے والد اور دادا کی طرح انھوں نے علم طب بھی پڑھا۔ نیز پنجاب یونیورسٹی سے عربی فاضل کا امتحان پاس کیا اور بعد ازاں بی اے کا امتحان دیا اور کامیاب ہوئے۔

مولانا محمد ادریس فاروقی اشاعتِ اسلام کے لیے ہر وقت کمربستہ رہتے تھے۔ 1969ء

سے 1991ء تک بائیس سال ان کا قیام کوئٹہ میں رہا۔ وہاں وہ اسلامیہ ہائی سکول میں طلباء کو اردو، عربی اور اسلامیات پڑھاتے تھے۔ کوئٹہ ریڈیو میں ان کی تقریروں کا سلسلہ بھی جاری رہتا تھا۔ وہ جامع مسجد اہل حدیث غزنویہ (واقع پٹیل روڈ) میں خطابت کا فریضہ بھی انجام دیتے تھے۔ بلوچستان کی رؤیت ہلال کمیٹی اور عربی نصاب کمیٹی بلوچستان کے رکن بھی تھے۔ بائیس سال کے بعد وہ اپنے آبائی وطن سوہدرہ آئے اور کتاب وسنت کی اشاعت کا وہی سلسلہ شروع کیا جو ان کے آباؤاجداد کا طرۂ امتیاز تھا۔

اب ان کے حلیے اور لباس وغیرہ کی طرف آیے: پورا قد، گداز جسم، گول چہرہ، کھلتا ہوا گندمی رنگ، موٹی آنکھیں، کھلی پیشانی، شلوار قمیص میں ملبوس، اخلاقِ حسنہ کے مالک، خوش طبع، ملنسار، اچھے خطیب، صداقت پیشہ، اہل علم کے قدردان، حلیم الطبع، علم وادب کے دلدادہ، فراخ حوصلہ، وسیع المطالعہ، قلم وقرطاس سے رابطہ رکھنے والے۔ مبلغ کتاب وسنت۔

بہت سال ہوئے میں نے پہلی دفعہ انھیں مولانا عبدالمالک مجاہد کے جاری کردہ تصنیفی اور اشاعتی ادارے دارالسلام میں دیکھا تھا۔ اس وقت یہ ادارہ ایم اے او کالج کے قریب علامہ احسان الٰہی ظہیر کی بلڈنگ میں قائم تھا۔ حافظ عبدالعظیم اسد نے تعارف کرایا کہ یہ مولانا عبدالمجید سوہدروی کے پوتے ہیں اور یہاں ترجمہ وتصنیف کے شعبے سے منسلک ہیں۔ انھیں دیکھ کر اور ان سے مل کر بے حد خوشی ہوئی تھی۔ اس کے بعد بے شمار مرتبہ ملاقات ہوئی۔ غریب خانے پر بھی دو تین مرتبہ تشریف لائے۔ متواضع طبیعت اور میل جول رکھنے والے اہل علم تھے۔

اب آیے ان کی تصنیفی سرگرمیوں اور قلمی کاوشوں کی طرف۔!

1. انوارالحدیث: قیامِ کوئٹہ کے زمانے میں انھوں نے ایک جگہ درس حدیث کا سلسلہ شروع کیا تھا۔ بعد میں ان دروس کو جمع کر کے کتابی صورت میں شائع کیا گیا اور اس کتاب کا نام ''انوار الحدیث'' رکھا۔ اس میں حجیت حدیث، عظمتِ حدیث، ضرورتِ حدیث اور اہمیت حدیث جیسے اہم امور کو اجاگر کیا گیا ہے۔ نیز منکرین حدیث، احادیث مبارکہ پر جو اعتراضات کرتے ہیں، ان کا تحقیقی انداز میں جواب دیا گیا ہے۔ اس موضوع کی وضاحت کرتے ہوئے انھوں نے تقلید پر بھی بحث کی ہے اور تقلید کو عمل بالحدیث میں رکاوٹ قرار دیا ہے۔

2. سیرتِ حسین رضی اللہ عنہ: اس کتاب میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے حالات اور ان کے فضائل ومناقب بیان کیے گئے ہیں۔ کتاب میں اعتدال سے صحیح واقعات معرضِ تحریر میں لائے گئے

ہیں۔ اپنے موضوع کی یہ ایک اہم کتاب ہے جو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی حیاتِ طیبہ کے ہر گوشے کی وضاحت کرتی ہے۔

3 سیرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا: یہ کتاب جیسا کہ نام سے ظاہر ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجۂ اول حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے حالات پر محیط ہے۔ نکاح کے وقت حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی عمر چالیس برس اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پچیس برس تھی۔ اس کتاب کا مطالعہ قاری کے لیے بے شمار معلومات فراہم کرتا ہے۔

4 نبیٔ رحمت: اس مختصر سی کتاب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ان شفقتوں اور مہربانیوں کا تذکرہ کیا گیا ہے جو آپ بچوں، بوڑھوں، عورتوں اور جانوروں پر فرماتے تھے۔ اس موضوع کی یہ منفرد نوعیت کی کتاب ہے۔

5 مسئلہ تقلید: اس میں بتایا گیا ہے کہ تقلید کیا ہے اور جن ائمہ کرام کی تقلید کی جاتی ہے، ان کے اس کے متعلق کیا ارشادات ہیں۔

6 مقامِ رسالت: مولانا محمد ادریس فاروقی کی یوں تو تمام تصانیف بڑی اہمیت کی حامل ہیں اور ہر کتاب اپنے موضوع کی بے شمار معلومات کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ لیکن ان میں ''مقام رسالت'' ایک خاص امتیاز رکھتی ہے۔ اس کتاب میں جن امور کی وضاحت کی گئی ہے، وہ ہیں حدیث اور مقامِ حدیث، تدوین حدیث، حدیث اور سلف صالحین، تعارفِ کتبِ حدیث، کتب حدیث کی اقسام (الجامع، السنن، المسند، المعجم، المستدرک وغیرہ) طبقاتِ حدیث، اختلاف اور اس کی وجوہات۔ فتنۂ انکار حدیث، قرآن اور حدیث کا باہمی تعلق، منکرین حدیث کے اعتراضات کا جائزہ، انکارِ حدیث کے عوامل۔ کم وبیش تین سو صفحات کی یہ کتاب مقام رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کو خوب صورتی سے واضح کرتی ہے۔ فاضل مصنف کا طریق نگارش عام فہم اور باعثِ کشش ہے۔ ہر بات صراحت اور دلیل سے حوالۂ قرطاس کی گئی ہے۔ خوانندگانِ محترم کتاب کا مطالعہ کرتے وقت صاف ستھری زبان سے بھی لطف اندوز ہوتے ہیں اور بہترین معلومات بھی ان کے ذہن میں راسخ ہوتی ہیں۔

مولانا محمد ادریس فاروقی نے خود بھی متعدد علمی کتابیں لکھیں اور اپنے جدِ امجد مولانا عبدالمجید سوہدروی کی بھی کئی اہم کتابیں خوب صورت انداز میں ضروری اضافوں کے ساتھ شائع کیں۔ ان کتابوں میں رہبر کامل، انتخاب صحیحین، خطباتِ قاضی سلیمان منصور پوری، سیرت ثنائی، خطبات ثنائی، حدیث کی چار کتابیں، ظلِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم، اسوۂ حسنہ، ہندو شعراء کا نعتیہ کلام،

رسالت وبشریت، فرقہ ناجیہ، دولت مند صحابہ، سیرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا، سیرت فاطمۃ الزہرا، سیرۃ الائمہ، تحریک وہابیت، انگریز اور وہابی، سیرتِ آزاد، نقوشِ ابوالکلام آزاد شامل ہیں۔

مولانا محمد ادریس ان تھک اور محنتی اہل علم تھے اور تصنیف وتالیف سے انھیں بے حد شغف تھا۔ وہ جو علمی کام کرتے کامل انہماک سے کرتے تھے۔ ان کی تصانیف اور مرتبات اس کی شہادت دیتی ہیں۔

انھوں نے ''ضیائے حدیث'' کے نام سے ماہانہ مجلّہ جاری کیا، جسے علمی اور تحقیقی مضامین کا مجموعہ کہنا چاہیے۔ یہ مجلّہ باقاعدگی سے ہر مہینے معرضِ اشاعت میں آتا ہے اور قارئین اس کے مندرجات سے استفادہ کرتے ہیں۔

وہ سراپا عمل عالم 5۔جون 2010ء کو ''ضیائے حدیث'' کے دفتر (دارالسلام) میں مولانا ارشد کمال کے ساتھ اپنی زیرِ نظر تصنیف ''مقام رسالت'' پر نظر ثانی کر رہے تھے کہ اچانک دل کا دورہ پڑا اور وہ گیارہ بج کر بائیس منٹ پر وفات پاگئے۔ اللّٰھم اغفرلہ وارحمہ وعافہ واعف عنہ۔

تصنیف وتالیف کے لیے تگ وتاز ملاحظہ ہو کہ مرتے وقت بھی اس صاحبِ قلم کے ہاتھ میں قلم ہے اور لکھ رہے ہیں۔ والقلم ومایسطرون۔

مولانا محمد ادریس کی نرینہ اولاد تین بیٹے ہیں۔ بڑے نجم المجید جو ادارہ دارالسلام کے مرکزی دفتر ریاض (سعودی عرب) میں کام کرتے ہیں۔ دوسرے قمر الحمید اور تیسرے حافظ محمد نعمان فاروقی۔! تینوں ماشاء اللہ تعلیم یافتہ اور لائق بیٹے ہیں۔ اپنے اسلاف کی طرح خدمتِ کتاب وسنت میں مشغول اور تدین وصالحیت کی نعمت سے بہرہ ور!

محمد اسحاق بھٹی

اسلامیہ کالونی۔ساندہ۔لاہور

ٹیلی فون: 042-37143677

26۔فروری 2013ء

مقامِ رسالت

وہ کتاب جس پر کام کرتے ہوئے مؤلف رحمۃ اللہ علیہ اس دنیا سے رخصت ہوئے۔
دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو ان کے لیے صدقہ جاریہ بنائے اور راستے سے
بھٹکے ہوئے لوگوں کے لیے ہدایت کا ذریعہ بنائے۔ آمین